اعملوا صالحاً

(Do Good Deeds)

سنت نبوی ﷺ کے مطابق عمل کریں

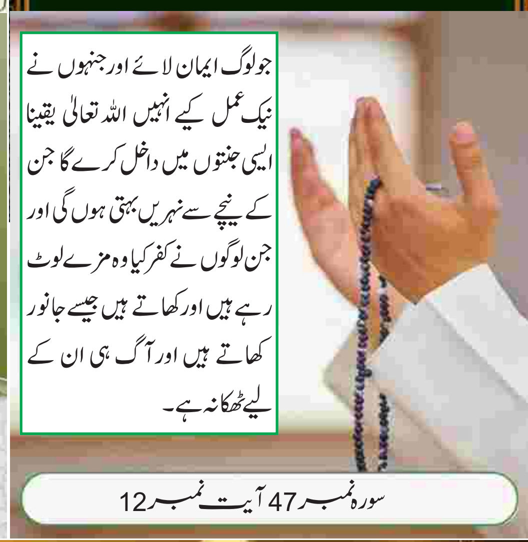
تصنیف و تالیف انجم کمال علوی

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ؕ

اس کے ہاں جو چیز اوپر اٹھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے، اور عمل
صالح اس کو اس کی طرف بلند کرتا ہے۔ (سورۃ الفاطر آیت 10)

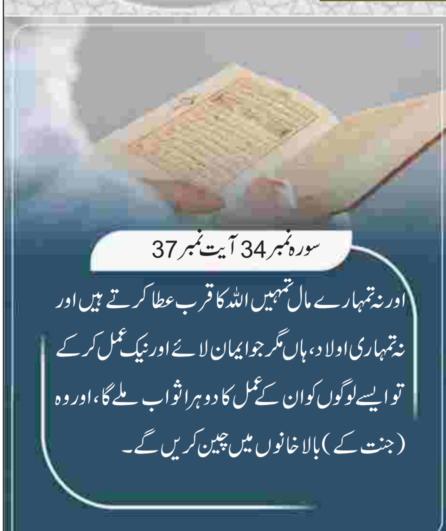

مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خیرات کو مت روک
ورنہ تیرا رزق بھی روک دیا جائے گا۔
ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، اور ان سے عبدہ
نے یہی حدیث روایت کی کہ گننے نہ لگ جانا ورنہ پھر اللہ
بھی تجھے گن گن کر ہی دے گا۔
(صحیح بخاری:1433) کتاب زکوۃ کے مسائل کا بیان


رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو چاہتا
ہو کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور
اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔
(صحیح بخاری:5986) کتاب اخلاق کے بیان میں


جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے
نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقینا
ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن
کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور
جن لوگوں نے کفر کیا وہ مزے لوٹ
رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور
کھاتے ہیں اور آگ ہی ان کے
لیے ٹھکانہ ہے۔
سورہ نمبر 47 آیت نمبر 12


وہ ایمان لانے والوں اور نیک
عمل کرنے والوں کی دعا قبول
کرتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو اور
زیادہ دیتا ہے۔ رہے انکار کرنے والے،
تو ان کے لیے دردناک سزا ہے۔
سورہ نمبر 42 آیت نمبر 26


كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا
كَسَبَتْ رَهِينَةٌ
سورہ نمبر 74 آیت نمبر 38
ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔


سورہ نمبر 34 آیت نمبر 37
اور نہ تمہارے مال تمہیں اللہ کا قرب عطا کرتے ہیں اور
نہ تمہاری اولاد، ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے
تو ایسے لوگوں کو ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے گا، اور وہ
(جنت کے) بالاخانوں میں چین کریں گے۔



حدیث

قال رسول اللہ ﷺ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلا دے (جس کی اس نے توبہ کرلی ہو) تو اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ وہ خود اس گناہ کو نہ کرے گا، یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے، اگر کسی خاص وجہ سے ظہور نہ ہو اور بات ہے، اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں۔ (ترمذی)



سیدنا سمر بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں نے ایک آدمی دیکھا، وہ ایک نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر پھینکے جا رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے۔ مجھے کہا گیا کہ یہ سود خور ہے۔ (حدیث: مسند احمد 5962)



حدیث صحیح

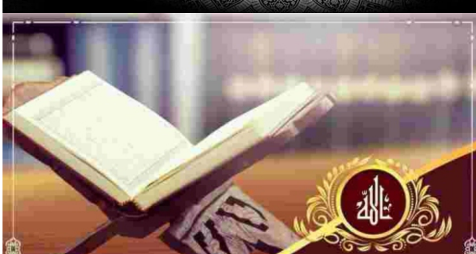
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا: ”لوگوں کو جماعت ترک کرنے سے باز آجانا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر ضرور مہر لگا دے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں شامل ہو جائیں گے۔“ (حدیث: ابن ماجہ 794)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۔ (سورۃ ہود، آیت: ۷)

(اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے اب اگر اے محمد (ﷺ)، تم کہتے ہو کہ لوگو، مرنے کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، تو منکرین فوراً بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگری ہے)



اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ (سورۃ الحج آیت: ۴۱)

(یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے)

اعملوا صالحاً

(صالح عمل کریں، سنت نبوی ﷺ کے مطابق)

(Do Good Deeds)

تصنیف و تالیف - انجم کمال علوی

نام کتاب: اعملوا صالحاً
تصنیف و تالیف: انجم کمال علوی

تصحیح اور نظر ثانی
۱) مولانا قاری امداد اللہ عزیز شجاع آبادی
امام مسجد جامع القران (قران اکیڈمی ڈیفنس، کراچی)
۲) مولانا محمد ظفر تونسوی
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ (علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی)
کمپوزنگ: محمد جاوید غوری
مطبع : اول
اشاعت : ۲۰۲۴
تعداد : ۵۰۰
ہدیہ : =/600 روپے
(جتنا بھی ادا کیا جائیگا وہ سب صدقہ جاریہ میں استعمال ہوگا)

رابطے اور تبصرے کے لیے ای میل پر رجوع کریں
anjumkamal@gmail.com

فہرست مضامین

تعارف

بسم الله الرحمن الرحیم

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ(۵)

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ (۷) (آمین)

محترم جناب انجم کمال علوی صاحب زید شرفہ کی تحریر اعملوا صالحاً (صالح عمل کریں، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق) کی ہمیں تصحیح اور نظر ثانی کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، الحمدللہ۔

مکمل مطالعہ کرنے کے بعد ہم اپنے تاثرات زیر قلم کر رہے ہیں۔

مصنف نے امت کی خیر خواہی کے جذبے سے یہ کتابچہ تحریر کیا ہے اور امت مسلمہ کو اعمال صالح پر لانے کے لیے کوشاں ہیں، الحمدللہ۔

اس کتابچے میں صالح اعمال کی تعریف اور اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس حقیقت کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ صرف نماز، روزہ زکوۃ وغیرہ پر جنت نہیں ملتی جب تک کہ اعمال صالح نہ ہو۔

اس سلسلے میں بعض مقامات پر لغوی معنی کے ساتھ اصطلاحی تعریف بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ مفہوم واضح ہو۔

امت مسلمہ کے پڑھے لکھے طبقہ کو قران مجید ترجمہ کے ساتھ خود مطالعہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ وہ اللہ تعالی کے احکامات کو سمجھیں اور اس پہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس پہ عمل کرنے کی تاکید کریں۔ نیز جو مسلمان پاکستان سے باہر کسی بھی غیر مسلم ملک میں دنیا کمانے کی غرض سے جاتے ہیں انکو چاہیے کہ وہاں کوئی باقاعدہ اسلامی مرکز قائم کریں یا اگر پہلے سے کوئی مرکز موجود ہے تو اس سے منسلک رہیں اور وہاں فواحش ومنکرات سے بچنے کے لیے اپنے گھروں میں دینی ماحول قائم کریں۔ کیونکہ دنیا چند روز کی ہے اس کی وجہ سے اپنی اخرت کو تباہ نہ کریں، اور یہ

بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مسلمانوں کے روپ میں بہت سے غیر مسلم بھی وہاں سرگرم عمل ہوتے ہیں اور وہ بہت ہی شاطر اور مکار ہوتے ہیں، سادہ لو مسلمانوں کو شکار کر لیتے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ مستند اور معتبر علماء سے رابطے میں رہیں۔نماز باجماعت پڑھنے اور تلاوت قران مجید بمع مستند اور معروف تفاسیر پڑھنے کا باقایدہ اہتمام کریں۔درس قران مجید کے حلقے میں بھی شریک ہوں اور دروس حدیث شریف میں بھی شرکت کے ساتھ ساتھ کوئی اصلاحی مجلس ہوتی ہو تو اس میں بھی حاضر ہونے کی کوشش کریں اور فتنوں سے بچاؤ کی دعائیں پڑھنے کا معمول بنائیں تو اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ فحاشی اور گناہوں کے سیلاب میں انہیں محفوظ رکھے گا۔

جیسا کہ اس کے کتابچے میں نشاندہی کی گئی ہے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی بھی ادائیگی ضروری ہے کیونکہ حقوق العباد کی ادائیگی بھی ایک اہم عمل صالح ہے۔اس پر اج کا معاشرہ خاص توجہ نہیں دے رہا ہے اس وجہ سے بہت سے گھرانوں اور خاندانوں میں لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔اس کی بنیادی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے۔

ان امور کے علاوہ سائنس اور تاریخ کی کچھ اہم معلومات بھی درج ہیں تاکہ اس کائنات کی وسعت اور انڈو پاکستان کے مسلمانوں پہ رسم ورواج کے اثرات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے۔

پھر اس امر کی بھی وضاحت موجود ہے کہ غیر مسلموں کے لیے سب سے پہلا حکم اسلام لانے کا ہے جب تک وہ اسلام کو نہ قبول کریں ان کے اعمال رایگاں ہیں۔اخرت میں ان کو کوئی فائدہ نہ ہو گا ارشاد باری تعالی ہے:

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ (سورہ ال عمران آیت:85)

(اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا)

اس کے ساتھ اس کتابچہ کے ذریعے اس ضرورت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ معاشرے کی اصلاح

کا جذبہ رکھنے والے محترم حضرات اور علماء کرام آپس میں مل کر میدان عمل میں اتریں تاکہ موثر انداز میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہو سکے۔ اگر امام یا علما کرام دین کے اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے میں اپنا مقدور حصہ ادا نہ کریں تو یقیناً وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کریں گے۔ باقی اس میں سب سے زیادہ موثر کردار مقتدر طبقے کا ھوگا، جب کہ وہ خود بھی اس کا ادراک کرے اور ان کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ باقی انسان کا کام محنت کرنا، جدو جہد کرنا ہے، نتائج اس کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ کما قال اللہ تعالی۔۔۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ۚ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ (۵۶) (سورۃ القصص: آیت 86)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں)۔

کتابچے میں املا اور کتابت کی جو غلطیاں تھیں ان کی نشاندہی بمع ضروری تصحیحات اور نظر ثانی کر دی گئی ہے تاکہ اصلاح ہو سکے ورنہ مفہوم اور مقصد بالکل بدل سکتا ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ مصنف کے اس جذبے کو اور کاوش کو قبول فرما کر لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور سب کو اجر عظیم سے مالا مال فرمائے۔ امین۔

مولانا قاری امداد اللہ عزیز شجاع آبادی

امام مسجد جامع القران
قرآن اکیڈمی ڈیفنس، کراچی

مولانا محمد ظفر تونسوی
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی

پیش لفظ

جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور پھر بنی نوع آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو اس ہی وقت سے حضرت انسان کو جنت اور دوزخ (نار) کے تصورات سے آگہی عطا کردی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ہوا علیہا السلام کی تخلیق کے فوراً بعد جنت میں ہی قیام کرنے اور اس کی آسایشوں کا ذکر فرمادیا تھا۔

O وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ البقرۃ آیت 35)

(پھر ہم نے آدم (علیہ السلام) سے کہا کہ "تم اور تمہاری بیوی، دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کا رُخ نہ کرنا، ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے")۔

پھر ابتداء ہی سے بنی نوع انسان (جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ھابیل اور قابیل) میں جنت اور جہنّم کا تصور موجود تھا۔ اس ہی لیے جب قابیل نے ھابیل کے قتل کا ادارہ کیا تو ھابیل نے اس کو کہا کہ اگر تو مجھے قتل کردیگا تو جہنم (نار) والوں میں سے ہوجائیگا۔ ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ آیت 29:

O اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۚ (سورۃ المائدہ آیت 29)

(میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے)۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری آنے والے انسان تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے صرف دین اسلام کو ہی منتخب کیا ہے۔ مگر قوموں نے اور لوگوں نے اپنے وقت کی دی ہوئی تعلیم اور شریعت میں تبدیلیاں کر کے نئے نئے ادیان اور مذاہب بنائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے آتے آتے ہزاروں دین

اور مذاہب وجود میں آ گئے اور ان کے کروڑوں پیروکار ہو گئے۔ اب کوئی بھی انسان خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اور آخرت کا قائل ہو) تو وہ جنت اور دوزخ کے تصور کو مانتا ہے۔ اور یہی تصور اس کو نیکی کرنے کے لیے ایک محرک قوت میسر کرتا ہے۔ یہودی نصرانی، ہندو وغیرہ کے ماننے والے یا پھر مسلمانوں کے سارے فرقے وغیرہ غرض کوئی بھی ہو سب کے یہاں ایک جنت، ایک دوزخ Hell Paradise، سورگ، نرک کا عقیدہ اور تصور موجود ہے، الا یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود اور آخرت پہ ہی (نعوذ باللہ) ایمان نہ رکھتا ہو۔ سوال یہ ہے کہ پھر جتنے بھی خود ساختہ مذاہب اور ادیان ہیں سب کی ایک ایک جنت اور دوزخ ہونی چاہیئے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے عبادات اور نیکی کا تصور بھی مختلف ہونا چاہیئے؟

مگر ایسا ہے نہیں۔ بنانے والے رب العالمین نے ایک جنت اور ایک دوزخ بنائی ہے۔ اس جنت کے حصول کے لیے اور دوزخ سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے جو عقائد و اعمال ہیں وہ تمام انسانوں کے لیے ایک ہی جیسے ہیں۔

مگر افسوس! کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ مسلمانوں کے بھی دھیرے دھیرے بدلتے ہوئے عقائد کے نتیجے میں آج کے دور کے مسلمانوں کی بھی ایک کثیر تعداد کا عقیدہ یہ ہے کہ چند جسمانی اور مالی فرائض کی ادائیگی (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) ہم مسلمانوں کو سیدھا جنت کے داخلے اور جھنم سے نجات کا مستحق بنا دیتی ہے۔

یہ بات تو درست ہے کہ قرآن اور حدیث مبارکہ میں مسلسل ان فرائض کو قائم کرنے اور ادا کرنے کے احکامات ہیں مگر یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ اگر ایک مسلمان صرف یہ چند فرائض ادا کرتا رہے تو وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور جہنم سے نجات پا جائیگا۔

جہاں کہیں بھی جنت حاصل کرنے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی بات ہے، توبہ کی قبولیت اور گناہوں سے پاک ہونے کا بیان ہے۔ یا آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کا جلوہ نصیب

ہونے کا ذکر ہے دنیا اور آخرت کی فلاح کی بات ہے وہاں ہر جگہ ایک انسان کے لیے ایمان لانے کے بعد مسلسل ایک شرط ہے اور وہ شرط ہے ''عملوا الصالحات'' (یعنی صالح اعمال) کی۔قرآن مجید میں سو(100) مقامات سے زیادہ براہ راست یہ شرط لگی ہوئی ہے کہ صالح اعمال ہی دراصل نجات کی راہ ہے۔

یہ کتابچہ دراصل ان ہی صالح اعمال کے موضوع پر تحریر کیا گیا ہے تا کہ خاص کر مسلمانوں کی اس طرف توجہ مبذول کی جا سکے اور اس کی تعریف، تفاصیل اور اہمیت سے ان کو آگاہی حاصل ہو سکے۔

انجم کمال علوی

”حوالہ جات“

اس کتابچے میں موضوعات کے مطابقت سے جو حوالے دیئے گئے ہیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(1) قرآن کی آیات:۔ ہر موضوع پر قرآن کی آیات منتخب کر کے اس کا اردو ترجمہ Bracket میں لکھ دیا گیا ہے۔

(2) قرآن کی تفسیر:۔ زیادہ تر مقامات پر قرآن کی آیات کی تفسیر بھی بیان کردی گئیں ہیں۔ مستند مقبول اور عالمی شہرت یافتہ تفاسیر سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ ایک عدد فہرست ان تفاسیر کی کتابوں بمع حوالہ نمبر بھی اگلے صفحے میں منسلک کردی گئی ہے ۔ تفسیر کے منتخب حصے کو Inverted comma میں بیان کر کے آخر میں حوالہ نمبر Bracket میں لکھ دیا گیا ہے۔

(3) احادیث کا انتخاب:۔ بیشتر مقامات پر احادیث بھی موضوع کے مطابقت سے بیان کردی گئیں ہیں احادیث کا حوالہ اور حدیث نمبر بھی زیادہ تر مقام پر درج کیا گیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ احادیث کی کتابوں کی مختلف دور کی مقامی یا بین الاقوامی اشاعت اور جلدوں کی تدوین وغیرہ کی وجہ سے بعض دے گئے حدیث نمبر میں فرق ہوسکتا ہے مگر حدیث کی صحت اپنی جگہ مستند اور تسلیم شدہ ہے۔

(4) علماء کرام وغیرہ کا بیان:۔ بعض مقامات پر علماء کرام کی تحریروں اور ان کی اقوال سے بھی استفادہ حاصل کیا گیا تا کہ موضوعات کی فہم اور تفاصیل سے مزید آگاہی ہو سکے۔

(5) چند مقامات پہ حالیہ سائنس کی علمی تحقیق کے مراسلے Presentations اور مشاہدات کو بھی وضاحت کے لیے شامل کیا گیا ہے۔

حوالہ جاتِ تفسیر قرآن

1	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابو الفدا ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
2	تفسیر مظہری	حضرت علامہ قاضی محمد ثنا اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
3	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان)
4	تفسیر در منثور	امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ
5	تفسیر عثمانی	شیخ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
6	انوار البیان	محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
7	بیان القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
8	تفہیم القرآن	سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ
9	انوار القرآن	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ

باب-1

صالح اعمال

(Good Deeds) قرآن و حدیث سے تعارف

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کا ایک ایک حرف و جملہ اللہ تعالیٰ کا ادا کیا ہوا ہے۔ یہ آسمانی کتاب ہے جو تمام انسانوں اور جنوں کو اس دنیا کی زندگی گزارنے کے طریقے کی ہدایت دیتی ہے۔ اس کی آیات مضبوط اور محکم ہیں۔ الفاظ ہمیشہ کے لیے تبدیلی اور تحریف سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا علم تمام علوم و حکمت (حکمۃ) کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو قصے اور واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بھی سبق آموز اور ہر لحاظ سے صداقت پر مبنی ہیں۔ اس ہی طرح جو احکامات ہیں وہ بھی پختہ اور قیامت تک کے لیے مکمل اور قابل عمل ہیں کیونکہ اس کے بعد نہ تو کوئی اور رسول آنے والا ہے اور نہ ہی کسی اور آسمانی کتاب کا نزول ہونا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اس کے احکامات کے مطابق اپنی روزمرہ زندگی گزاریں گے، تو اللہ تعالیٰ ہم کو اس دنیا میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور آخرت میں بھی اپنے فضل و کرم سے Direct جنت میں داخل فرما دے گا۔

ان تمام تر حقائق کا اقرار زبان سے تو ہر مسلمان کرتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم دل سے بھی ان باتوں پہ ایمان لاتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں؟۔ کیا ہمارے روزمرہ کے اعمال اس کے احکامات کے مطابق ہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہم اپنی بھرپور استطاعت اور اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے اسباب (Resources) اور نعمتوں کے مطابق ان احکامات پہ عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یقین جانئے ہمارا ایمان اس کتاب پہ اقرار باللسان سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور ہمارا دل اس ایمان اور یقین سے خالی ہے کہ ہم نے اس دنیا کی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارا نامہ اعمال پیش ہونا ہے۔

وہ نامہ اعمال جس میں نیکی اور بدی، ثواب اور عذاب کا تعین صرف اور صرف قرآن اور حدیث کے احکامات کے مطابق ہوتا ہے، ہمارا عقیدہ جو بھی ہو نیکی اور بدی کے لکھنے والے فرشتے کراماً کاتبین ایک ایک

قول وعمل کا صحیح صحیح تعین کر کے جزا اور سزا کے رجسٹر میں لکھتے جاتے ہیں۔

O اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ Oمَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ (سورۃ ق: آیت:۱۷تا۱۸)

(اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو)۔

''اس لیے فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں، وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں، ابن آدم کے منہ سے جو لفظ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ جیسے فرمان ہے۔ وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ الخ (سورہ انفطار آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲)، تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو تمہارے ہر فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دو قول ہیں، ایک تو یہی ہے، دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب و عذاب لکھ لیا کرتے ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہیں۔

مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ کی رضا مندی کا کہہ گذرتا ہے جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضا مندی اس کے لیے قیامت تک کی لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا، ناراضگی خدا کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گزرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ اپنی ناراضگی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھ دیتا ہے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچا لیا۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور یہ بائیں طرف والے پر امین ہے۔ جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھہر جا اگر اس نے اُسی وقت توبہ کر لی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے۔ (ابن ابی حاتم)''[1]

''امام طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہا اللہ نے شعب الایمان میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے پر امیر ہے۔ پس جب کوئی بندہ نیک عمل کرے تو اس کے لیے اس کی مثل دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اور جب کوئی برا عمل کرے اور بائیں جانب والا فرشتہ اسے لکھنے کا ارادہ کرے تو دائیں جانب والا اسے کہتا ہے رک جا۔ تو وہ چھ، سات ساعتیں رکا رہتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لے تو پھر وہ اس پر کوئی شے نہیں لکھتا۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب نہ کرے تو پھر اس پر ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔'' [4]

O اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (سورۃ الزخرف:۸۰)

(کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اِن کی راز کی باتیں اور اِن کی سرگوشیاں سنتے نہیں ہیں؟ ہم سب کچھ سن رہے ہیں اور ہمارے فرشتے اِن کے پاس ہی لکھ رہے ہیں)۔

فرمایا: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ (کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ باتیں اور وہ مشورے جو چپکے چپکے کرتے ہیں ہم نہیں سنتے) ان کا یہ سمجھنا غلط ہے بَلٰى (ہم ان کی باتیں سنتے ہیں اور خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتے ہیں)۔ وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی پاس موجود ہیں جو رلکھ رہے ہیں) لہٰذا ایسا خیال کرنا کہ چپکے چپکے جو باتیں کرلیں گے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں یہ جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ کو ظاہر کا اور باطن کا زور کی آواز کا اور آہستہ کی آواز کا سب کا علم ہے اور اپنی حکمت کے مواقف سزا دے گا۔'' [6]

O وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ یونس، آیت:۶۱)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو، اور لوگو، تم بھی جو کچھ کرتے ہو اُس سب کے دوران میں ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں

ایسی نہیں ہے، نہ چھوٹی نہ بڑی، جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو)۔

''اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے:۔(آیت:٦١) اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دیتا ہے کہ خود آپ کے اور آپ کی تمام امت کے تمام احوال ہر وقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ساری مخلوق کے کل کام اس کے علم میں ہیں۔ اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ سب چھوٹی بڑی چیزیں ظاہر کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے فرمان ہے: **وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ** الخ، غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ خشکی تری کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر پتے کے جھڑنے کی اسے خبر ہے۔ زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہو، جو تر و خشک چیز ہو، سب کتاب مبین میں موجود ہے۔ الغرض درختوں کا ہلنا، جمادات کا ادھر ادھر ہونا، جانداروں کا حرکت کرنا، کوئی چیز روئے زمین کی اور تمام آسمانوں کی ایسی نہیں، جس سے علیم و خبیر اللہ بے خبر ہو۔ فرمان ہے **وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا طٰۤـئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ** ایک اور آیت میں ہے کہ زمین کے ہر جاندار کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کہ درختوں، ذروں، جانوروں اور تمام تر و خشک چیزوں کے حال سے اللہ عزوجل واقف ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بندوں کے اعمال سے وہ بے خبر ہو جنہیں عبادت الٰہی کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے۔

O **وَ تَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ (٢١٧) الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ (٢١٨) وَ تَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ (٢١٩)** (سورۃ الشعراء، آیت: ٢١٧۔٢١٩)

(اور اُس زبردست اور رحیم پر توکل کرو O جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو O اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے)

یہی بیان یہاں ہے کہ تم سب ہماری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احسان کی بابت سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھ ہی رہا ہے۔'' [1]

یعنی نہ صرف الفاظ بلکہ تمام تر اعمال بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ بھی درج ہو جاتا ہے کہ بولتے وقت انداز کیا تھا (غصہ والا، شفقت اور محبت والا یا تیز اور تند والا وغیرہ وغیرہ) پھر بعض جملے اور الفاظ یا اعمال تو وہ

ہوتے ہیں جن کے گناہ یا ثواب کا اثر ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور آخرت میں ظاہر کر کے ہمیں اس کا اجر یا عذاب دے دیا جائیگا۔مثلاً اگر کوئی شخص کوئی خیر کی بات، دین کے علم کی بات یا بھلائی کی بات کہتا ہے اور لوگ اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہیں، تو جب تک لوگ اس کی بات پھلاتے رہیں گے اور دوسرے لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے تو اس کا ثواب اس کے کہنے والے کے اعمال میں اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو آخرت میں دے دیا جائیگا۔ اس ہی طرح اگر کوئی بڑے گناہ کی بات جیسے گالی، فحش گوئی، گندہ مزاق/joke سنا گیا اور لوگ اس کو آگے پھیلاتے رہے، تو ہر ہر پھیلانے والے کو گناہ تو ملے گا ہی مگر اس شخص پر بھی آخرت میں ان سب لوگوں کا گناہ لاد دیا جائیگا جس نے اس کی ابتدائی کی تھی یعنی کسی بھی قول یا عمل کے اثرات مرنے کے بعد بھی ضائع نہیں ہونگے اور آخرت میں ظاہر کر دیئے جائیں گے۔

O اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿سورۃ یٰسین:۱۲﴾

(ہم یقیناً ایک روز مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں جو کچھ افعال انہوں نے کیے ہیں وہ سب ہم لکھتے جارہے ہیں، اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں ہر چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے)۔

''امام ابن ابی شیبہ، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ سے مراد یہ ہے جو انہوں نے سنت قائم کی اور ان کی موت کے بعد ان پر عمل ہوتا رہا۔

امام ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ مَا قَدَّمُوۡا سے مراد ہے جو انہوں نے بھلائی کے کام آگے بھیجے۔ وَ اٰثَارَہُمۡ سے مراد ہے جو انہوں نے گمراہی پیچھے چھوڑی۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اچھی سنت قائم کی تو اسے اس عمل کا اجر اور اس کے بعد جنہوں نے اس پر عمل کیا ان کا اجر بھی اسے ملے گا جب کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ جس نے برا طریقہ شروع کیا تو ان کا بوجھ بھی اس پر ہوگا جبکہ عمل کرنے والوں کے بوجھوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

''امام ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابن ضریس نے فضائل قرآن میں، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ سے مراد اُم الکتاب ہے۔'' [4]

''اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا نامۂ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا بُرا عمل (قول و فعل) کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔ دوسرے، اپنے گرد و پیش کی اشیاء اور خود اپنے جسم کے اعضاء پر جو نقوش (Impressions) بھی انسان مرتسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں، اور یہ سارے نقوش ایک وقت اس طرح اُبھر آئیں گے کہ اس کی اپنی آواز سُنی جائے گی، اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کی لوحِ ذہن پر لکھی نظر آئے گی، اور اس کے ایک ایک اچھے اور برے فعل اور اس کی تمام حرکات و سکنات کی تصویریں سامنے آجائیں گی۔ تیسرے اپنے مرنے کے بعد اپنی آئندہ نسل پر۔ اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور بُرے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے۔ اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بُری تربیت اس نے دی ہے، اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں بھی اس نے پھیلائی ہیں اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے ان سب کا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اپنے اچھے یا بُرے پھل لاتی رہے گی۔'' [8]

''انسان مرنے سے پہلے زندگی میں جو اچھے بُرے اعمال آگے بھیجتا ہے وہ ساتھ ہی ساتھ اس کے اعمال نامے میں درج ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن انسان کے کچھ اعمال و افعال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اثرات اس کی موت کے بعد بھی اس دنیا میں رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر ''آثار'' سے مراد انسان کے ایسے ہی کام ہیں۔ بہر حال انسان کو آخرت میں ان ''آثار'' کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی زندگی

میں کسی ایسے نیک عمل کی بنیاڈالی جس کے اثرات دیر پا ہوں تو جب تک اس نیک کام کا تسلسل اس دنیا میں رہے گا، اس کا اجر وثواب اس شخص کے حساب میں لکھا جاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے گناہ اور بے حیائی کے کسی کام کی بنیادرکھی تو جب تک اس کام یا منصوبے کے منفی اثرارت اس دنیا میں رہیں گے، اس میں سے متعلقہ شخص کے حصّے کے گناہوں کا اندراج اس کے اعمال نامے میں مسلسل ہوتا رہے گا۔'' [7]

کیا ہم نے کبھی سوچا ہے یا اندازہ لگایا ہے کہ ایک انسان کی اوسطاً 60-50 سالہ زندگی میں وہ کیا کیا اعمال کرتا ہے اور کتنے الفاظ بولتا ہے؟ اور کس قدر ضخیم اور دفتر کا دفتر بھرا ہوا اس کا نامہ اعمال ہوگا۔ کئی کئی منزلہ کی بنی ہوئی لائبیریری میں رکھی ہوئی ہزاروں کتابوں سے بھی زیادہ ہر ایک کا نامہ اعمال ہوجائیگا۔ جس کی درستگی کی ہم کو اگر ابھی فکر نہیں تو کب فکر ہوگی۔؟؟ یہ نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا جائیگا اور کہا جائیگا لو پڑھ لو اپنا نامہ اعمال تاکہ حجت قائم ہوجائے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ مجرموں اور گناہ گاروں سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ کیا کیا گناہ کئے۔۔

O فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ (سورۃ الرحمٰن:۳۹)

(اُس روز کسی انسان اور کسی جن سے اُس کا گناہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی)

بلکہ پوچھا یہ جائیگا کہ یہ گناہ کیوں کئے؟؟

''یعنی اس دن کسی انسان یا جن سے اُس کا گناہ نہ پوچھا جائے گا، اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے قیامت میں یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں جُرم کیا ہے یا نہیں، وہ تو فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمالناموں میں محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں اس سے پہلے موجود ہے، بلکہ سوال یہ ہوگا کہ فلاں جرم تم نے کیوں کیا، یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے، اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ فرشتے جو مجرمین کے عذاب پر مامور ہیں اُن کو مجرمین سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی، کہ تم نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں، بلکہ ہر جرم کی ایک خاص نشانی مجرمین کے چہروں سے ظاہر ہوگی، فرشتے وہ نشانی دیکھ کر ان کو جہنم میں دھکیل دیں گے، اگلی آیت میں یہی مضمون آیا ہے۔ (يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ) ان دونوں تفسیروں کا حاصل یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ محشر میں حساب کتاب کے بعد مجرمین کے جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہو چکے گا، تو

اب ان سے اُن کے گناہوں کے بارے میں کوئی گفتگو نہ ہوگی وہ علامت سے پہچان کر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔''

اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا یہ اس وقت کا حال ہے جب ایک مرتبہ ان سے اُن کے جرائم کی پرسش ہو چکے گی، اور وہ انکار کر دیں گے، قسمیں اٹھالیں گے، تو ان کے منہ اور زبانوں پر مہر کر دی جائے گی، ہاتھوں، پاؤں کی گواہی لی جائے گی، یہ تینوں تفسیریں ابن کثیر نے نقل کی ہیں، تینوں متقارب ہیں کوئی اختلاف نہیں۔[3]

گناہ گاروں کا انجام:۔

''اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ پوچھا جائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ الخ (سورۃ المرسلات آیت: ۳۵)، یہ وہ دن ہے کہ بات نہ کریں گے۔ نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر معذرت کریں۔ ہاں اور آیات میں ان کا بولنا، عذر کرنا، ان سے حساب لیا جانا وغیرہ بھی بیان ہوا ہے۔ فرمان ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ تیرے رب کی قسم! ہم سب سے سوال کریں گے اور ان کے کل کاموں کی پرسش کریں گے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایک موقع پر یہ ہے، دوسرے موقع پر یہ ہے۔ پرسش ہوئی، حساب کتاب ہوا، عذر معذرت ختم کر دی گئی، اب منہ پر مہر لگ گئی، ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسم نے گواہی دی، پھر پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی، عذر معذرت توڑ دی گئی اور تطبیق بھی ہے کہ کسی سے نہ پوچھا جائے گا فلاں عمل کیا یا نہیں کیا؟ کیونکہ خدا کو خوب معلوم ہے، اس سے جو سوال ہوگا وہ یہ کہ ایسا کیوں کیا؟ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے پوچھیں گے نہیں، وہ تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور جہنمی کو زنجیروں میں باندھ کر اوندھے، منہ گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیں گے، جیسے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ گنہگار اپنے چہروں اور اپنی خاص علامتوں سے ہی پہچان لئے جائیں گے۔ چہرے سیاہ ہوں گے، آنکھیں کیری ہوں گی، ٹھیک اسی طرح مومنوں کے چہرے بھی الگ ممتاز کے ہوں گے۔ ان کے اعضائے وضو چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ گنہگاروں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس طرح بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنور میں جھونک دیا جاتا ہے، پیٹھ کی طرف سے زنجیر لا کر گردن اور پاؤں ایک کر کے باندھ دیئے جائیں گے۔ کمر توڑ دی جائے گی اور قدم اور پیشانی ملا دی جائے گی اور جکڑ دیا جائے گا۔ [1]

یعنی یہ بھی نہیں پوچھا جائیگا کہ کتنا قرآن حدیثیں پڑھیں بلکہ پوچھا یہ جائیگا کہ قرآن اور احادیث پہ خود کتنا عمل کیا؟ اگر اس سلسلے میں کسی سے کوتاہی ہوئی تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

قرآن کریم اور احادیث ہی وہ دستور عمل ہے جس میں ہمیں دنیا و آخرت سنوارنے کے مکمل، احکامات دیئے گئے ہیں، ان احکامات کا بنیادی تعلق ہماری زندگی کے جن شعبہ جات سے ہیں وہ چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) فرائض (جیسے نماز، روز، زکوۃ، حج) عقائد (توحید، رسالت اور ایمان بالغیب) وغیرہ۔

۲) تہذیب اور اخلاق۔

۳) معاشرت (جیسے جھوٹ، غیبت، چغلخوری، بدظنی، حقوق العباد، بدعنوانی، فحاشی عریانی، چوری، ڈاکہ زنی، زنا، قتل، قوموں یا لوگوں کا مزاق اڑانا وغیرہ وغیرہ کے بارے میں احکامات)۔

۴) معیشت (جیسے زکاۃ، صدقات، انفاق، سود، رشوت، حرام خوری، ذخیرہ اندوزی، ناپ وتول میں ناانصافی، بدعنوانی، ملاوٹ وغیرہ کے بارے میں احکامات)۔

۵) حکومت اور سیاست (اسلام کا قانونی نظام، شریعت کا نفاذ، حکمرانی، شوریٰ، کا نظام وغیرہ کے بارے میں احکامات)۔

۶) روحانیت اور تزکیہ نفس۔

۷) رسم و رواج (جیسے شادی بیاہ کی رسومات، ولادت اور تدفین کی رسومات، عید بقرعید منانے کے طریقوں کے احکامات)۔

۸) جہاد کے احکامات (یعنی مال و جان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دین کے لیے جہاد کرنا)۔

۹) تبلیغ دین اور اقامت دین کے احکامات (انفرادی اور اجتمائی فرائض)

اب اگر ہم اپنے گھروں، خاندانوں میں، معاشرے، شہر اور گاؤں میں بسنے والے مسلمانوں پر ایک نظر ڈالیں تو مشاہدہ یہ ہوگا کہ:

- کچھ مسلمان تو دین کے بنیادی عقائد اور فرائض سے بھی ناآشنا ہیں اور اگر فرائض سے کسی حد تک علم ہے بھی تو صرف عبادات کی ادائیگی کو ہی مکمل دین سمجھتے ہیں اور زیادہ تر وقت نماز، نوافل، ذکر مراقبے اور وظائف میں لگاتے ہیں۔ بعض اس میں بھی استقامت اور تسلسل قائم نہیں رکھتے ہیں اور کمزوری کا شکار ہیں۔

- بعض کے نزدیک کلمہ گو ہونا اور جمعہ کی نماز، روزہ، حج عمرہ اور زکوۃ ادا کرنا ہی دین کے تقاضوں کو پورا کر دیتا ہے۔
- بعض مسلمان اخلاقیات، خاندانوں اور دوستوں میں ملنے جلنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اور زیادہ تر وقت ان ہی سرگرمیوں میں گزارتے ہیں حتیٰ کہ مردوں کے لیے نماز کی باجماعت پابندی یا وقت پہ ادا کرنے کا بھی اہتمام نہیں کرتے کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو قدرے مغربی برائیوں سے تو اپنے آپ کو بچاتے ہیں مگر معیشت سے متعلق جو احکامات ہیں ان پر عمل پیرا بہت کم ہوتے ہیں۔ مال اور دنیا کی محبت میں ایسے گرفتار ہو جاتے ہیں کہ حلال وحرام کی تمیز نہیں رہتی۔
- بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو انسانیت کے علم بردار ہیں۔ خدمت خلق، وطن پرستی، یا کسی سیاسی پارٹی کے ساتھ وفاداری کو اپنا فریضہ اول سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے باقی احکامات سے یا تو غافل ہیں یا اس کی اہمیت نہیں سمجھتے، سیاست اور حکومت کے بارے میں کسی پارٹی کے دیے گئے منشور کو اللہ تعالیٰ کے دیے گئے منشور پہ ترجیح دیتے ہیں۔
- جو مسلمان دنیاوی علوم میں بہت پڑھ لکھ گئے ہیں اور دنیا میں اچھے عہدوں اور رتبوں پہ فائز ہیں۔ مال و دولت، جائیداد، شہرت اور عزت اور آل اولاد کی فراوانی ہے ان کو دین کا علم حاصل کرنے کے لیے وقت نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر نہیں پڑھتے اور احادیث کے نسخے ان کے گھروں میں نہیں ملتے اور ان کا دین صرف ان کے آباؤ اجداد اور گھرانوں کے طور طریقے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ چند سنی سنائی احادیث جو ان کے خاندانوں میں رائج ہیں اسے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ اور دن کا زیادہ وقت خوش گپیّوں طنز و مزاح سننے اور سنانے میں گذار دیتے ہیں۔
- بعض مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ نام کے مسلمان ہیں، دین کے کسی بھی شعبے پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ ان کے یہاں صرف اس بات پر یقین رکھنا ایمان کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور قرآن مسلمانوں کی دینی کتاب ہے۔ یہ ان کے اپنے جہل، ماحول اور صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اور ان کی نسلیں ساری عمر لادنیت میں گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔

- ایک بڑا طبقہ مسلمانوں کا وہ بھی ہے جو توحید کے عقاید سے غافل ہے اور شرک اور بدعتوں جیسے گناہ کبیرہ کو بھی دین کا حصہ سمجھتے ہیں اور اپنے سارے اعمال اکارت کر دیتے ہیں۔
- بعض مسلمان عبادات کا تو اہتمام کرتے ہیں مگر تزکیہ نفس اور تزکیہ روح کی اہمیت سے نا آشنا ہیں۔
- بعض گاؤں اور گوٹھوں میں تو دین کی حالت ابتر ہے۔ وہاں کلمہ صحیح طرح سے پڑھنا تو درکنار، پاکی اور پلیدی کی اہمیت اور جوان نامحرم رشتوں کا آپس میں مل جل کر ساتھ نہ سونے کا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا۔
- کچھ مسلمان دین کے تقاضوں کو کسی حد تک تو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر جہاد (انفرادی یا اجتماعی) اور تبلیغ دین اور اقامت دین کے فرائض کو اہمیت نہیں دیتے۔ جن معاملات میں دین مشقت یا قربانی کا تقاضہ کرتا ہے ان کو نظر انداز کر کے وہ آسان اعمال کو اپناتے ہیں جن میں کوئی آزمائش نہ ہو۔

O وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ ۨاطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ (سورۃ الحج:۱۱)

(اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے، اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آگئی تو الٹا پھر گیا اُس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی یہ ہے صریح خسارہ)۔

''بخاری اور ابنِ ابی حاتم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آ کر مسلمان ہو جاتے تھے (جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں تھی) اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد اور مال میں ترقی ہو گئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ بُرا دین ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال و سامان مِل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔ [3]

''اس سے مراد ہیں وہ خام سیرت، مضطرب العقیدہ اور بندۂ نفس لوگ جو اسلام قبول تو کرتے ہیں مگر فائدے کی شرط کے ساتھ، ان کا ایمان اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ ان کی مرادیں پوری ہوتی رہیں۔ ہر طرح چین ہی چین نصیب ہو، نہ خدا کا دین ان سے کسی قربانی کا مطالبہ کرے، اور نہ دنیا میں ان کی کوئی

خواہش اور آرزو پوری ہونے سے رہ جائے۔ یہ ہو تو خدا سے وہ راضی ہیں اور اس کا دین ان کے نزدیک بہت اچھا ہے۔ لیکن جہاں کوئی آفت آئی، یا خدا کی راہ میں کسی مصیبت اور مشقت اور نقصان سے سابقہ پیش آ گیا، یا کوئی تمنا پوری ہونے سے رہ گئی، پھر ان کو خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت اور دین کی حقانیت، کسی چیز پر بھی اطمینان نہیں رہتا۔ پھر وہ ہر اس آستانے پر جھکنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جہاں سے ان کو فائدے کی امید اور نقصان سے بچ جانے کی توقع ہو۔'' [8]

غرض یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلمہ گو مسلمان مختلف گروہ میں تقسیم ہو گئے ہیں اور اپنے محدود یا غلط اعمال کو ہی جنت کے حصول کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ ان میں متفرقہ اعمال کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں مسلمانوں کو 3 مرکزی (Main) گروہ میں تقسیم کر دیا ہے۔

O ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ؕ (سورۃ فاطر: ۳۲)

(پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا اُن لوگوں کو جنہیں ہم نے (اِس وراثت کے لیے) اپنے بندوں میں سے چن لیا اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور کوئی بیچ کی راس ہے، اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے)۔

''**قرآن کے ورثاء:**۔ یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس امت کو بنایا جو بحیثیت مجموعی تمام امتوں سے بہتر و برتر ہے ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ ظالم لنفسہ ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک نہ بڑے بزرگ اور ولی (اُن کو مقتصد فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور گناہ کے خوف سے مکروہ ہی نہیں بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مومن ہے تو بہر حال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں

جائے گا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے، یعنی آخر کار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھے سو سب سے آگے بڑھے، اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔'' [5]

''امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ قیامت کے روز ان کو تین برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک ثلث جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوگا۔ ایک تہائی سے آسان حساب لیا جائے گا۔ ایک تہائی سے اس کے گناہوں کا حساب ہوگا۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان لوگوں کو میری وسیع رحمت میں داخل کرو۔ پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔'' [4]

''امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کی تین قسمیں: فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ - وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ یہ جملہ پہلے جملے کی تفسیر وتوضیح ہے۔ یعنی ہم نے اپنی جن بندوں کو منتخب اور پسند فرما کر ان کو قرآن کا وارث بنایا ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ظالم، مقتصد، سابق۔

ان تینوں قسموں کی تفسیر امام ابن کثیرؒ نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ظالم سے مراد وہ آدمی ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض محرمات کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے۔ اور مقتصد (یعنی درمیانی چال چلنے والا) وہ شخص ہے جو تمام واجبات شرعیہ کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے بچتا ہے، مگر بعض اوقات بعض مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور سابق بالخیرات وہ شخص ہے جو تمام واجبات اور مستحبات کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات و مکروہات سے بچتا ہے اور بعض مباحات کو اشتغال عبادت یا شبہ حرمت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔'' [3]

آخرت میں جب تمام انسان جمع ہوں گے تو ان کی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بنائی جائیں گیں جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد اور اعمال کے بنیاد پر ہوگی۔

اب ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں حقیقت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ الفاظ ''عبادات'' اور ''عبادت'' کے معنی اور مفہوم میں بڑا عرفی فرق ہے عبادات کا مطلب ہے کہ چند جسمانی اور مالی فرائض کو انجام دینا جیسے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ جو اوپر دیے گئے صفحہ 9 شعبہ (1) میں بیان کیے گئے ہیں اس کے برعکس عبادت کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پوری

فرمانبرداری کرنا جیسے کہ صفحہ 9 اور 10 شعبہ (1) سے (9) تک اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو ان تمام احکامات کی آدائیگی کے لیے مکمل طور پر سپرد کر دینا۔ یعنی بھرپور استطاعت کو بروے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احکامات کے حوالے کر دینا، یہ ہے ''عبادت'' مگر آج کے دور میں ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی صرف عبادات پہ بہت زور دیتی ہے اور عبادت کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ عام معنوں عبادت واحد اور عبادات اس کی جمع ہے دونوں معنی بندگی کے ہیں۔

عبادت ہر معاشرے میں، ہر دور میں اور ہر حال میں اپنی پوری استطاعت کے مطابق تمام انسانوں اور جنوں پہ فرض ہے اور اس ہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

O وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۃ الذریٰت :۵۶)

(میں نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے اس لیے کسی نے اپنے خداداد اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے منحرف ہو گیا، یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغویؒ نے نقل کیا ہے اور زیادہ بہتر اور بے غبار توجیہ وہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے۔ کوئی اس استعداد کو معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانَهٖ (یعنی ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں) فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دینِ اسلام پر پیدا ہونا ہے، تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام و ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں، اسی طرح اس کی آیت میں (اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن وانس کے

ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم‘‘۔[3]

’’میرے نزدیک آیت کا تفسیری یا صحیح مطلب اس طرح ہے۔ میں نے جن وانس کو یعنی تمام جن وانس کو عبادت کرنے کے قابل پیدا کیا یعنی ہر شخص میں اداءِ عبادت کی صلاحیت اور استعداد پیدا کردی۔ اس تفسیر کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی چوپائے کو ناک کان کٹا پیدا ہوتا دیکھتے ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آیت فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ تلاوت فرمائی۔ رواہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ تاویل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مناسب ہے۔ اس آیت کا مقتضیٰ کافروں کی مذمت ہے کہ ان کو فطرتِ سلیمہ عطا کی گئی مگر انہوں نے اصل فطرت کو ضائع کردیا‘‘۔[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی فرمابرادری کی جائے تب ہی عبادت کا حق ادا ہوسکتا ہے اور انسان تقویٰ کی روش اختیار کرسکتا ہے۔ تقویٰ کی سب سے اعلیٰ تعریف وہی ہے جو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں فرمائی تھی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا کہ اگر میں ایک ایسے تنگ راستے سے گزروں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں تو جس طرح میں اپنے دامن کو ان خاردار جھاڑیوں سے بچا کر گزروں گا اس ہی طرح تقویٰ یہ ہے کہ اس دنیا میں اپنے آپ کو ہر قدم پہ گناہوں سے بچا کر زندگی گزاروں۔ تقویٰ کا حق ادا کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۲)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو)۔

’’تقویٰ اختیار کرو:۔ یعنی ہر مسلمان کے دل پر پورا ڈر خدا کا ہونا چاہئے کہ اپنے مقدور بھر

پرہیزگاری وتقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستہ سے ڈگمگادیں۔تم کو چاہیئے کہ انہیں مایوس کردو۔ اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہیئے۔'' [5]

''قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گہری آیت ہے۔اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ (**فَاتَّقُوا اللّٰهُ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ**)(آیت 16)''**اپنی امکانی حدتک تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو**'' تب ان کی جان میں جان آئی۔تقویٰ کے حکم کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ''مت مرنا مگر حالت فرمانبرداری میں''۔اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی پتہ نہیں کس لمحے موت آجائے لہٰذا تمہارا کوئی لمحہ نافرمانی میں نہ گرزے، مبادا موت کا ہاتھ اسی وقت آ کر تمہیں دبوچ لے۔ اگر پہلے اس طرح کی شخصیتیں نہ بنی ہوں تو اجتماعی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔اس لیے پہلے افراد کی کردار سازی پر زور دیا گیا۔اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک اجتماعیت اختیار کرو۔'' [7]

کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا اتنا تقویٰ اختیار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا پورا کا پورا حق ادا ہوجائے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے رحم اور تخفیف فرمائی اور انسانوں کو حکم دیا کہ کم از کم اتنا تقویٰ تو اختیار کرو جتنی تمہیں اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہے۔

O فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَ اسۡمَعُوۡا وَ اَطِيۡعُوۡا وَ اَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَ مَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (سورۃ: تغابن آیت ۱۶)

(لہٰذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں)۔

''گویا ایمان باللہ کا عملی تقاضا یہ ہے کہ انسان میں اللہ کا تقویٰ پیدا ہوجائے اور تقویٰ بھی تھوڑا بہت نہیں، بلکہ امکانی حدتک ، جتنا اس کے حدِ استطاعت میں ہے۔ البتہ کسی انسان میں کتنی استطاعت اور استعداداور وسعت وطاقت ہے جس کے مطابق وہ مکلف اور جواب دہ ہے، اس کا صحیح شعور و ادراک بسا اوقات اسے خود نہیں ہوتا اور وہ اپنے آپ کو دین کے عملی تقاضوں کے ضمن میں رعایتیں دیتا چلا جاتا ہے،

حالانکہ انسان کا خالق خوب جانتا ہے کہ اس نے اس میں کتنی استطاعت، استعداد اور وسعت رکھی ہے۔ چنانچہ وہ اسی کے مطابق ہر انسان کا محاسبہ اور مؤاخذ فرمائے گا۔'' [7]

اب ہر انسان خاص کر مسلمان دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی اور جتنی نعمتیں اس کو عطا کی گئی ہیں اس میں ہر ایک کو پوری طرح بروئے کار لا کر اس کی کتنی استطاعت بنتی ہے اور روزمرہ زندگی میں اس کے کیا اعمال ہیں: یعنی اگر کسی کو صحت دی ہے، دین کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت اور مواقع دیئے ہیں، سواری دی ہے، مال و دولت دیا ہے، عقل و شعور عطا کیا ہے، اچھا رزق دیا ہے، آل و اولاد دی ہے، رہائش وغیرہ وغیرہ دی ہے اس کے باوجود بھی وہ شخص اگر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکامات سے غافل ہے اور ان کو ادا کرنے یعنی دین کی راہ میں وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے غفلت کرتا ہے تو وہ تقویٰ اختیار نہیں کر رہا اور اس لیے سخت گناہ گار ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے یہ تصور کریں کہ مثلاً کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی جیسی نعمت عطا کی ہے اور جہاں کہیں بھی وہ ہے وہاں نماز کا وقت ہو جاتا ہے موذن صدا لگا رہا ہے کہ آؤ نماز کے لیے آؤ فلاح کے لیے مگر اس نعمت کے باوجود وہ مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے نہیں جاتا بالخصوص اگر مسجد دور ہے تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے سواری دی ہوئی ہو، سواری چلانے کا علم بھی سکھایا ہو، اگر گاڑی چلانے کی کوئی معذوری ہو گی تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈرائیور بھی دیا ہو، اب ان تمام نعمتوں کے ملنے کے باوجود اور اس طرح پوری استطاعت ہونے کے باوجود وہ شخص مسجد جا کر نماز با جماعت ادا نہیں کرتا اور گھر میں یا کسی مقام پہ اکیلا فرض نماز ادا کرتا رہتا ہے یا نماز قضا کرتا ہے یا ادا ہی نہیں کرتا تو وہ تقویٰ کا حق ادا نہیں کر رہا اور گناہ گار ہے ان کے نامہ اعمال میں گناہ کے ساتھ ساتھ ان عطا کی ہوئی نعمتوں کی ناشکری بھی لکھ دی جائیگی۔

اس کے برعکس اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے محدود نعمتیں دی ہیں مگر پھر بھی وہ اپنی استطاعت کے مطابق تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہ متقی کہلانے کا مستحق ہے۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ عموماً شکر ادا کرنے کا جو عمل اختیار کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے ''الحمدللہ'' کہہ دینا ہی کافی ہے۔ حقیقت میں یہ صرف شکر باللسان ہے، صرف زبان سے شکر کہہ دینے سے کسی نعمت کا کل شکر ادا نہیں ہوتا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اصل شکر کسی نعمت کا حق ادا کرنے کا یہ ہے کہ بندہ کسی نعمت کو اس طرح ہی استعمال کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے اس

نعمت کو استعمال کرنے کے احکامات دیئے ہیں اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب بندہ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے وہ اعمال صالح کر کے کہ شکر باللسان سے شکر بالقلب کے درجے کو پہنچ جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی بے شمار نعمتوں کا کیا اور کیسے جواب دیں گیں؟ آخرت میں تو ہر ایک سے ہر ہر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا کہ کیسے اور کہاں استعمال کی:

O ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۠ (سورۃ التکاثر آیت ۸)

(پھر ضرور اُس روز تم سے اِن نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی)۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ، یعنی تم سب سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق باز پُرس ہوگی کہ تم نے ان کا شکر کیا ادا کیا اور ان کو گناہوں میں تو خرچ نہیں کیا، انہیں سے بعض نعمتوں کے متعلق تو خود قرآن مجید میں دوسری جگہ وضاحت آ گئی جیسے فرمایا إِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا جس میں مجرمین کی قوتِ شنوائی، بینائی اور دل سے متعلق وہ لاکھوں نعمتیں آ گئیں جن کو انسان ہر لمحہ استعمال کرتا ہے۔

حدیث:۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بندہ سے جس چیز کا سب سے پہلے سوال ہوگا (وہ تندرستی ہے) اس کو کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں تندرستی نہیں دی تھی اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔ (الترمذی عن ابی ہریرہ وابن حبان فی صحیحہ۔ ابن کثیر)

حدیث:۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی آدمی اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا جب تک پانچ سوالوں کا جواب اس نے نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کو کن کاموں میں فنا کیا ہے۔ دوسری یہ کہ اس نے اپنی شباب کی قوت کو کن کاموں میں خرچ کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو مال اُس نے حاصل کیا وہ کس کس طریقے جائز ناجائز سے حاصل کیا۔ چوتھے یہ کہ اس مال کو کہاں کہاں خرچ کیا، پانچویں یہ کہ جو علم اللہ نے اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (رواہ البخاری)

"اور امامِ تفسیر مجاہد نے فرمایا کہ قیامت میں یہ سوال دنیا کی ہر لذت کے متعلق ہوگا (قرطبی) خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا لباس اور مکان سے یا بیوی اور اولاد سے یا حکومت وعزت سے۔ قرطبی نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے اس سوال میں کسی خاص نعمت کی تخصیص نہیں ہے۔" [3]

''اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک ایک نعمت کے بارے میں تم سے جواب طلبی ہوگی کہ دنیا میں تم نے اس کی کون کون سی نعمتوں سے استفادہ کیا اور ان کے حقوق کہاں تک ادا کیے۔'' [7]

انسان کے وجود سے باہر لاتعداد نعمتیں ہیں اس کے علاوہ وجود میں خود بے شمار نعمتیں ہیں، جیسے بدن کے تمام اعضاء آنکھ، کان، زبان، دماغ اور ہاتھ، پیر وغیرہ وغیرہ جن کا شمار بھی ممکن نہیں ہے ان سب کا استعمال بھی نامہ اعمال میں درج ہوگا اور ہم سب کو آخرت میں اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

حقیقت یہ بھی ہے کہ ہر ایک انسان کو ایک طرح کی نعمتیں نہیں ملتیں اور نہ ایک طرح کا ماحول زندگی بسر کرنے کے لیے میسر آتا ہے۔ ایک بچہ اگر بہت دین دار گھرانے میں پیدا ہوکر بڑا ہوتا ہے تو اس کا دین کے معاملے میں عقیدہ، علم اور اعمال بہتر ہونگے بہ نسبت اس بچے کے جو ایک کم ہدایت یافتہ گھرانے اور ماحول میں پیدا ہوکر بڑا ہوتا ہے۔ دونوں کی نعمتوں اور صلاحیتوں میں فرق ہوگا اور اس وجہ سے ان کی استطاعت بھی زیادہ یا کم شمار کی جائیں گیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں۔ اس ہی لیے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

O قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ط فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا

(سورۃ: بنی اسرائیل آیت: ۸۴)

(اے نبی ﷺ، ان لوگوں سے کہہ دو کہ ''ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے، اب یہ تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ سیدھی راہ پر کون ہے'')۔

''كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ لفظ شَاكِلَة کی تفسیر میں آئمہ سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں طبیعت، عادت، جبلت نیت طریقہ وغیرہ اور حاصل سب کا یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنے ماحول اور عادات اور رسم و رواج کے اعتبار سے ایک عادت اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اس کا عمل اسی کے تابع رہتا ہے (قرطبی) اس میں انسان کو اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ برے ماحول، بری صحبت اور بری عادتوں سے پرہیز کرے۔ نیک لوگوں کی صحبت اور اچھی عادات کا خوگر بنے (جصاص) کیونکہ اپنے ماحول اور صحبت اور رسم و رواج سے انسان کی ایک طبیعت بن جاتی ہے اس کا ہر عمل اسی کے تابع چلتا ہے امام جصاص نے اس جگہ شاکلہ کے ایک معنی ہم شکل کے بھی کئے ہیں اس معنی کے لحاظ سے مطلب آیت کا یہ ہوا کہ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق آدمی سے مانوس ہوتا ہے نیک آدمی نیک سے اور شریر شریر سے مانوس ہوتا ہے اسی طریقہ پر چلتا ہے اور اس کی نظیر حق تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ''اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ اور والطَّيِّبِيْنَ یعنی

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیےاور پا کیزہ عورتیں پا کیزہ مردوں کیلیے ہیں مراد یہ ہے کہ ہر ایک اپنے مزاج کے مطابق مردوعورت سے مانوس ہوتا ہےاور حاصل مطلب اس کا بھی اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ خراب صحبت اور خراب عادت سے پرہیز کا اہتمام کرے‘‘۔ [3]

’’شاکلہ‘‘ سے مراد ہر انسان کی شخصیت کا مخصوص سانچہ ہے، جیسے آپ کو کسی دھات سے کوئی شے بنانی ہے تو پہلے اس کا ایک سانچہ (Pattern) بناتے ہیں اور اس دھات کو پگھلا کر اس میں ڈال دیتے ہیں تو وہ دھات وہی مخصوص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ انسانی شخصیت کے مخصوص سانچے کی تشکیل میں انسان کے موروثی Genes اور اس کا خارجی ماحول بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا موورثی عوامل اور ماحولیاتی عوامل کے حاصل ضرب سے انسان کی شخصیت کا جو ہیولیٰ بنتا ہے وہی اس کا شاکلہ ہے۔ کسی شخص نے نیکی اور برائی کے لیے جو بھی محنت اور کوشش کرنی ہے اور اپنے اس شاکلہ کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ گویا کسی انسان کا شاکلہ اس کے دائرۂ عمل کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ نہ تو ان حدود سے تجاوز کر سکتا ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر عمل کرنے کا وہ مکلف ہے۔ جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے۔ One cannot grow out of his skin یعنی کسی نے موٹا ہونے کی جتنی بھی کوشش کرنی ہے اپنی کھال کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ وہ اپنی کھال سے باہر بہر حال نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ ہر شخص اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ اس نے کس کو کس طرح کا شاکلہ دے رکھا ہے۔ اور وہ ہر شخص سے اس کے شاکلہ کی مناسبت سے ہی حساب لے گا۔‘‘ [7]

مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی شخصیت اور اعمال اس ہی سانچے کے مطابق ہوتی ہے جس میں وہ پرورش پاتا ہے۔ ہر ایک انسان کو مختلف جین حالات، ماحول اور صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے ظاہر ہے جو کسی کم دین دار گھرانے اور کمزور/ برے معاشرے یا بری صحبتوں میں پرورش پاتا ہے اس کے لیے شروع میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنا مشکل ہوگا مقابلتہً اس انسان/ مسلمان کے جو ایک بہتر دین دار گھرانے اور ماحول میں تربیت پا کر پرورش پاتا ہے، برے ماحول اور ماضی کے اثرات بھی انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں ۔مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ برے ماحول میں پرورش پانے والے کے لیے کچھ احکامات کی چھوٹ ہوگی۔ تمام احکامات کی اطاعت تو اس نے بھی ہر حال میں کرنی ہے چاہے گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے نفس اور ماحول کے ساتھ مسلسل جہاد کرنا پڑے۔ ماحول اور معاشرے کی مخالفت تو بہت زیادہ

ہونگے مگر اللہ تعالیٰ اس سب مشکلات کے سبب اس کو اجر بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر ایک دین دار گھرانے اور بہتر ماحول میں پرورش پاتا ہوا کوئی انسان دین کے احکامات پر عمل کرنے میں لاپرواہی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی پکڑ اور زیادہ ہوگی۔ دونوں ہی سخت ترین آزمائش میں مبتلا ہوں گیں۔ اگر صدق دل کے ساتھ کوئی ہدایت اور صراط مستقیم کی راہ پر گامزن ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دین پہ قائم رہنے کے لیے نئی راہیں نکال دیتے ہیں جہاں دین کے احکامات پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو شاکلہ کسی بندے کو دیا گیا تھا اس کے باوجود اس نے کتنی بھرپور اطاعت کی ہے اس پر ہی اس کا حساب ہوگا۔ پھر توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے (موت سے قبل) ہر وقت کھلا ہوا ہے اگر کمزور ایمان اور شاکلہ کی وجہ سے کوئی بندہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو سچی توبہ کر کے اپنی مسلسل اصلاح اور اعمال کی درستگی کر سکتا ہے۔

حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ''بندہ توبہ کرتے کرتے تھک جائیگا مگر اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے''۔

اگر بندے کا عقیدہ شرک سے پاک ہے اور اعمال اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق پورے اخلاص اور پوری استطاعت کے ساتھ کیے گئے ہیں تو وہ ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا قانون/سنت یہی ہے کہ جو جیسا عمل کریگا اس کو اس کی جزا ملے گی۔

قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں بار بار اس قانون کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو چند آیات اور ان کی تفسیر

O فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(سورۃ: یٰس آیت: ۵۴)

(آج کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے عمل تم کرتے رہے تھے)۔

''اس دن کسی کا کوئی عمل مارا نہ جائے گا، ہر ایک کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا''۔ [1]

''اس کلام کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ صالح اہلِ ایمان میدان حشر میں روک کر نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ابتدا ہی میں ان کو بلا حساب، یا ہلکی حساب فہمی کے بعد جنت میں بھیج دیا جائے گا، کیونکہ ان کا ریکارڈ صاف ہوگا، انہیں دوران عدالت انتظار کی تکلیف دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ میدان حشر میں جواب دہی کرنے والے مجرموں کو بتائے گا کہ دیکھو، جن صالح لوگوں کو تم دنیا میں بے وقوف سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتے تھے، وہ اپنی عقلمندی کی بدولت آج جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں اور تم جو اپنے آپ کو بڑا زِیرک وفرزانہ سمجھ رہے تھے، یہاں کھڑے اپنے جرائم کی جواب دہی کر رہے ہو۔'' [8]

O وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ O اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۧ O (سورۃ: نجم آیت: ۳۱،۳۲)

(اور زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اُن لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنہوں نے نیک رویہ اختیار کیا ہے۔ O جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں، الا یہ کہ کچھ قصور اُن سے سرزد ہو جائے بلاشبہ تیرے رب کا دامن مغفرت بہت وسیع ہے وہ تمھیں اُس وقت سے خوب جانتا ہے جب اُس نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی کون ہے)۔

پھر اچھے عمل کرنے والوں کی صفت بتاتے ہوئے اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ فرمایا ہے اس میں نیک ہونے کی سلبی صفت بیان فرمادی اور یہ بتایا کہ جیسے فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا اور دیگر اعمالِ صالحہ اور اخلاق عالیہ کا انجام دینا نیکیوں سے متصف ہونے کی ایک صفت ہے، اسی طرح اس کے مقابل بڑے گناہوں اور فحش کاموں کو چھوڑ دینا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے، کوئی شخص نیک عمل کرتا رہے اور ساتھ ہی گناہ کبیرہ کا بھی ارتکاب کرے تو یہ شخص کامل طریقہ پر اچھے بندوں میں شمار نہیں ہوگا، دونوں پہلو نیکی کا جز ہیں، جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے، ان پر عمل کرنا اور جن سے منع کیا گیا

ہے، ان سے بچنا دونوں چیزیں مل جائیں تو تب ایمان کا کمال حاصل ہوتا ہے اور بندہ **الَّذِينَ أَحۡسَنُوا** کا مصداق بنتا ہے بہت سے لوگ نفلیں زیادہ پڑھتے ہیں لیکن گناہ چھوڑنے کی طرف توجہ نہیں کرتے حالانکہ گناہوں کو چھوڑنا بہت بڑی نیکی ہے بلکہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **اتق المحارم تكن اعبد الناس** (تو گناہوں سے بچ۔ لوگوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا، (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰) بات یہ ہے کہ نیکی کرنا بہ نسبت گناہ چھوڑنے کے آسان ہے اور بہت سے لوگ گناہوں سے بچنے میں کوئی خاص زیادہ ثواب نہیں سمجھتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ گناہوں سے بچنا سب سے بڑی عبادت ہے، جن گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے، انہیں کرتے ہی رہتے ہیں نیکیوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ ہی گناہوں کو چھوڑنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہے''۔ [6]

''یہاں پر **للَمَم** سے مراد صغائر ہیں۔ عربی میں ''**لَمَم**'' کا لفظ کسی چیز کی تھوڑی سی مقدار، یا اس کے خفیف سے اثر، یا اس کے محض قرب، یا اس کے ذرا سی دیر رہنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے ''**لَمَم**'' کی تفسیر میں کئی قول نقل کیے ہیں۔ بعض کے نزدیک گناہ کے جو خیالات دل میں آئیں مگر ان پر عمل نہ کیا جائے وہ ''**لَمَم**'' ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ آدمی جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اسے اپنی عادت نہ بنالے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آدمی عملاً کسی بڑے گناہ کے قریب تک پہنچ جائے مگر اس کا ارتکاب نہ کرے''۔ [7]

پھر فرمایا:۔

O لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَ لَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ؕ مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيۡرًا (سورۃ: نساء آیت: ۲۳)

(تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن وشو ہو چکا ہو ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلق زن وشو نہ ہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے

اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو پہلے ہوگیا سو ہوگیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

''(مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ)'' جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو مل کر رہے گی''۔

اگرچہ اللہ کے ہاں اس قانون میں نرمی کا ایک پہلو موجود ہے، لیکن اپنی جگہ یہ بہت سخت الفاظ ہیں۔ بعض اوقات بدی کی جگہ پر نیکی اُس کے مضر اثرات کو دھو دیتی ہے، لیکن اس آیت کی رو سے برائی کا حساب تو ہو کر رہنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان سے جس بدی کا ارتکاب ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اس کا احتساب ہو کر رہے گا۔ اگر کسی کی نیکی نے اس کی بدی کو چھپا بھی لیا، کسی نے غلطی کی اور پھر صدقِ دل سے توبہ کر لی تو اس کے سبب اس کی بدی کے اثرات جاتے رہے، لیکن معاملہ account for ضرور ہوگا۔ توبہ کو دیکھا جائے گا، کہ آیا توبہ واقعتاً سچی تھی؟ توبہ کرنے والا اپنے کیے پر نادم ہوا تھا؟ واقعی اس نے عادتِ بد کو چھوڑ دیا تھا؟ یا صرف زبان سے ''اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ رَبِّيۡ مِنۡ كُلِّ ذَنۡبٍ وَّاَتُوۡبُ اِلَيۡهِ'' کی گردان ہو رہی تھی اور ساتھ نافرمانی اور حرام خوری بھی جوں کی توں چل رہی تھی۔ تو احتساب کے کٹہرے میں ہر شخص اور ہر معاملے کو لایا جائے گا اور کھرا کھوٹا دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر جو مجرم پایا گیا، اسے اس کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔''[7]

O وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّ لَا هَضۡمًا

(سورۃ:طٰہٰ آیت:112)

(اور کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہ ہوگا اُس شخص کو جو نیک عمل کرے اور اِس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو)۔

''اور جس شخص نے مؤمن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سوا سے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی طرح کی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا) جیسے ظالم ناکام ہوں گے ایسے ہی اہل ایمان کامیاب اور بامراد ہوں گے، ان لوگوں نے جو بھی کوئی نیکی کی تھی اس سب کا پورا بدلہ ملے گا نہ کوئی نیکی شمار سے رہے گی اور نہ ثواب میں کچھ کمی ہوگی۔ جہاں نیکی کا ثواب کئی گناہ دیا جائے گا وہاں اصل ثواب میں کمی ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں سورۃ النساء:۴۰ میں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَ يُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا

عَظِيۡمًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ فرمائے گا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو چند در چند کردے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا) سورۂ جن: ۱۳ میں فرمایا:۔ فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا (سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آیا سو اُسے کسی کمی کا اور کسی طرح کے ظلم کا اندیشہ نہ ہوگا)

وھو مؤمن کی قید سامنے رہنی چاہئے۔غیر مؤمن کی وہاں کسی نیکی کا کچھ بھی بدلہ نہ ملے گا''۔ [6]

''یعنی وہاں فیصلہ ہر انسان کے اوصاف (Merits) کی بنیاد پر ہوگا۔جو شخص کسی ظلم کا بار گناہ اٹھائے ہوئے آئے گا، خواہ اس نے ظلم اپنے خدا کے حقوق پر کیا ہو، یا خلق خدا کے حقوق پر، یا خود اپنے نفس پر، بہر حال یہ چیز اسے کامیابی کا منہ نہ دیکھنے دے گی۔دوسری طرف جو لوگ ایمان اور عمل صالح (محض عمل صالح نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح اور محض ایمان بھی نہیں بلکہ عمل صالح کے ساتھ ایمان) لیے ہوئے آئیں گے۔ان کے لیے وہاں نہ تو اس امر کا کوئی اندیشہ ہے کہ ان پر ظلم ہوگا۔(یعنی خواہ مخواہ بے قصور ان کو سزا دی جائے)، اور نہ اسی امر کا کوئی خطرہ ہے کہ ان کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا جائے اور ان کے جائز حقوق مار کھائے جائیں گے''۔ [8]

O مَنۡ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ يُرۡزَقُوۡنَ فِيۡهَا بِغَيۡرِ حِسَابٍ۔ (سورۃ:مومن آیت:۴۰)

(جو برائی کرے گا اُس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اُس نے برائی کی ہوگی اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں اُن کو بے حساب رزق دیا جائے گا)۔

''مَنۡ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ يُرۡزَقُوۡنَ فِيۡهَا بِغَيۡرِ حِسَابٍ (سورۃ المومن آیت:۴۰) جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو گناہ کے برابر سزا دی جاتی ہے اور جو شخص نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرط یہ کہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا''۔

وَ هُوَ مُؤْمِنٌ مومن ہونا اس لیے ضروری ہے کہ ایمان ہر نیک عمل کے ثواب کی شرط ہے کیونکہ اللہ ہی جزا کا مالک ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے تا کہ جو عمل کیا جائے وہ اس کی مرضی کے مطابق خلوص کے ساتھ کیا جائے۔

بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی اعمال کے برابر نہیں۔ اعمال سے ثواب کا موازنہ نہ ہوگا بلکہ اللہ کے کرم اور رحمت سے چند در چند کتنے ہی گنا بدلہ دیا جائے گا''۔ [2]

اس جزا و سزا کے قانون کے ساتھ ساتھ ایک نعمت اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہئیں آخرت میں معاف بھی فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہی حکمت ہے جس کو وہ جانتے ہیں۔ کوئی بھی جزا و سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سوال یا Challenge نہیں کر سکتا۔ اپنے علم کے موافق اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر ایک کے ساتھ جداگانہ معاملہ فرمائیں گے۔ مختلف اعمال و اقوال پہ مختلف نتائج مرتب فرمائیں گے۔

مگر کسی بھی انسان خاص طور پر مسلمان کے لیے اپنے اعمال کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نڈر یا اس کی رحمت سے مایوس ہو جانا بھی کفر ہے۔

O ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ O اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ O (سورۃ الملک آیت: ۱۶،۱۷)

(کیا تم اِس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یکا یک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ O کیا تم اِس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے)۔

''یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے، جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو خدا ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے

سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور انکے دماغ توڑ دیئے جاتے جیسے اور جگہ ہے اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ (سورہ بنی اسراءیل آیت :68) یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور وہ کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے۔ یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم آپ دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر برا اور عبرتناک انجام ہوا''۔ [1]

''یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اس زمین پر تمہارا بقا اور تمہاری سلامتی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اپنے بل بوتے پر تم یہاں مزے سے نہیں دندنا رہے ہو۔ تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ جو یہاں گزر رہا ہے۔ اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کا رہینِ منت ہے۔ ورنہ کسی وقت بھی اُس کے ایک اشارے سے ایک زلزلہ ایسا آ سکتا ہے کہ یہی زمین تمہارے لیے آغوشِ مادر کے بجائے قبر کا گڑھا بن جائے، یا ہوا کا ایسا طوفان آ سکتا ہے جو تمہاری بستیوں کو غارت کر کے رکھ دے''۔[8]

۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورۃ النحل، آیت ۴۵، ۴۶، ۴۷)

(پھر کیا وہ لوگ جو (دعوت پیغمبر کی مخالفت میں) بدتر سے بدتر چالیں چل رہے ہیں اِس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے، یا ایسے گوشے میں ان پر عذاب لے آئے جدھر سے اس کے آنے کا ان کو وہم و گمان تک نہ ہو ۝ یا اچانک چلتے پھرتے ان کو پکڑ لے، یا ایسی حالت میں انہیں پکڑے جبکہ انہیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکنے ہوں؟ ۝ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے یہ لوگ اس کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی نرم خو اور رحیم ہے)۔

''امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہا اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے
اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ فرماتے ہیں: تَقَلُّبِهِمۡ سے مراد اِخۡتِلَافِهِمۡ ہے (یعنی ان کا اختلاف)

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہا اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ کے تحت روایت کیا ہے کہ اگر میں چاہوں تو سفر میں اسے پکڑ لوں۔

امام عبدالرزاق، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے تَقَلُّبِهِمۡ کا معنی اسفار هم روایت کیا ہے۔ امام ابن جریر، ابن ابی حاتم رحمہا اللہ نے حضرت الضحاک رحمہ اللہ سے اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ کے تحت روایت کیا ہے کہ دن اور رات میں وہ جس حال میں ہوں انہیں پکڑ لے۔ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ یعنی بعض کو عذاب دے اور بعض کو چھوڑ دے۔ اس ہی لیے کہ وہ ایک شہر پر عذاب نازل کرتا ہے پھر اسے ہلاک کر دیتا ہے اور دوسرے شہر کو چھوڑ دیتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ کے تحت روایت فرمایا ہے کہ وہ ان کے اعمال کم کر دے۔ یعنی تَخَوُّفٍ کا معنی کمی کرنا ہے۔ [4]

قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یعقوب بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، ان سے عمرو بن ابی عمرو نے بیان کیا، ان سے سعید بن ابی سعید مقبری نے اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو جس دن بنایا تو اس کے سو حصے کئے اور اپنے پاس ان میں سے ننانوے رکھے۔ اس کے بعد تمام مخلوق کے لیے صرف ایک حصہ رحمت کا بھیجا۔ پس اگر کافر کو وہ تمام رحم معلوم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے تو وہ جنت سے ناامید نہ ہو اور اگر مومن کو وہ تمام عذاب معلوم ہو جائیں جو اللہ کے پاس ہیں تو دوزخ سے کبھی بے خوف نہ ہو۔ (حدیث بخاری 6469)

ہم کو دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کس کس انداز میں احکامات دیئے ہیں اور سمجھایا ہے اس کے لیے ہم کو قرآن کے اسلوب کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

باب۔2

قرآن کا اسلوب

قرآن کریم میں جو احکامات اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں ان کے بیان کرنے کا طریقہ مندرجہ ذیل مختلف نوع آیات اور انداز میں کیا گیا ہے ان کا اسلوب نہایت موثر، تعلیم نہایت متوسط اور معتدل ہے:

(1) آیات محکمات:۔ یہ قرآن کی وہ آیات ہیں جس میں بالکل واضح انداز میں حرام وحلال، گناہ اور نیکی کرنے کے احکامات ہیں۔ یہ اتنے واضح اور آسان ہیں کہ ہر انسان ان کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے۔

اس مقام پر یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے بیشتر آیات میں مسلمانوں کو یا **ایھا الذین آمنو** ...... کہ کر احکامات صادر فرمائے ہیں وہیں بعض مقامات پر کافروں، مشرکوں اور یہودی وغیرہ سے بھی خطاب کیا ہے اور احکامات دیئے ہیں کہیں براہ راست بالواسطہ یا کہیں بلاوسطہ رسول ﷺ کے ذریعے خطاب ہوا ہے، غیر مسلموں کے لیے سب سے پہلا حکم ایمان لانے کا ہے جب ایمان نہ لائیں تو ان کے اعمال کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں۔ سمجھنے کی ضرورت یہ ہے کہ جو مشتر کہ احکامات مسلمانوں کو دیے گئے ہیں وہ تو ان پر قابل اطلاق ہر صورت میں ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ جو احکامات غیر مسلموں کو دیئے گئے ہیں وہ بھی مسلمانوں پر تا قیامات رسول ﷺ کی شریعت پر عمل کرنے کے لیے لازم ہیں۔ اس لیے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو احکامات یا تنبیہات غیر مسلموں کے لیے ہیں وہ مسلمانوں کے لیے نافذ عمل نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ بقرہ کی آیت 43 جس میں یہودیوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ یعنی باجماعت نماز مسلمانوں کے ساتھ ادا کرو۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر مسلموں کو تو حکم ہے مگر مسلمان اس سے بری الذمہ ہیں؟؟

O وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (سورۃ البقرہ آیت: ۴۳)

(نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام اصول یعنی عقائد و اعمال میں بنی اکرم ﷺ کی اتباع کرو نماز بھی

ان کے طریقہ پر پڑھو باجماعت پڑھو رکوع والی نماز ہو۔

''اگرچہ یہاں خطاب موجود بنی اسرائیل کو ہے جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز اور زکوٰۃ اسلام سے پہلے بنی اسرائیل پر فرض تھی، مگر سورۃ المائدہ میں وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ (آیت :۱۲) الخ سے ثابت ہے کہ نماز اور زکوٰۃ بنی اسرائیل پہ فرض تھی، اگرچہ اس کی کیفیت اور ہیت وغیرہ میں فرق ہو''۔

وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ رکوع کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں، اور اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ سجدہ پر بھی بولا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ بھی جھکنے کا انتہائی درجہ ہے، مگر اصطلاحِ شرع میں اس خاص جھکنے کو رکوع کہتے ہیں جو نماز میں معروف ومشہور ہے۔

آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ ''رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ''۔ یہاں ایک بات یہ قابل غور ہے کہ نماز کے تمام ارکان میں سے اس جگہ رکوع کی تخصیص کیوں کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نماز کا ایک جز بول کر کل نماز مراد لی گئی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ فرما کر پوری نماز مراد ہے، اور بعض روایات حدیث میں سجدہ کا لفظ بول کر پوری رکعت یا نماز مراد لی گئی ہے، اس لیے مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ، لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ نماز کے بہت سے ارکان میں سے رکوع کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟

''جواب یہ ہے کہ یہود کی نماز میں سجدہ وغیرہ تو تھا، مگر رکوع نہیں تھا، رکوع مسلمانوں کی نماز کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے راکعین کے لفظ سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمازی مراد ہوں گے، جن کی نماز میں رکوع بھی ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم بھی امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو، یعنی اول ایمان قبول کرو پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو''۔[3]

● باجماعت نماز کے احکام:۔

نماز کا حکم اور اس کا فرض ہونا تو لفظ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے معلوم ہو چکا تھا، اس کی جگہ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے لفظ سے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔[3]

''(اور جھکو جھکنے والوں کے ساتھ)یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر نماز پڑھا کرو نماز کو بلفظ رکوع ذکر فرمایا حالانکہ رکوع نماز کا ایک رکن ہے خود عین نماز نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حکم یہود کو ہے اور یہود میں رکوع نہ تھا۔اس آیت میں با جماعت نماز پڑھنے کی ترغیب وتحریض ہے''۔ [2]

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اس لیے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہوا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اس کو چھوڑ و اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی ہے جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز با جماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور جو حضرات واجب نہیں کہتے اُن کے نزدیک بھی نماز با جماعت بہت زیادہ مؤکد ہے۔اس آیت شریفہ سے نماز با جماعت کی اہمیت معلوم ہوئی۔احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بلاشک میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں، تاکہ آذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کے طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے۔ پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں (صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلا دیں (جو جماعت میں نہیں آئے)۔(رواہ احمد کمافی المشکوۃ ص ۹۷)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا اجر وثواب ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے اگر چہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔اور (فرمایا) کہ بلاشبہ پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اس کی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے

آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے بنسبت تنہا نماز پڑھنے کے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہوگی، اسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔ (رواہ ابوداوٗد والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے چل کر آتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہوجاتا تھا اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں آذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز باجماعت قائم نہ کیا جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہٰذا جماعت کی حاضری کو لازم کرلو کیونکہ بھیڑیا اُسی بکری کو کھا جاتا ہے جو گلہ سے دور ہوجائے۔ (رواہ احمد وابوداوٗد والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص۹۶)''۔[6]

احکام عامہ: (چند مثالیں)

جیسا کہ بہت ساری احادیث میں مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی سخت تاکید بیان کی گئی یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ جو لوگ دانستہ طور پر بغیر کسی شرعی عذر کے گھروں میں فرض نماز اکیلے پڑھتے ہیں اور مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے نہیں آتے وہ کفر میں مبتلا ہیں اور یہ منافقت کی نشانی ہے اور ان کی نمازیں ہی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں مگر میں ایسا نہیں کررہا کیوں کہ گھروں میں بچے، عورتیں اور بوڑھے لوگ بھی ہونگے۔ اس قدر سخت ناراضگی اور غصہ کا اظہار فرمایا گیا مگر آج کل کے پڑھے لکھے مسلمان صرف اس ایک حدیث مبارکہ کو دلیل بنا کر جس میں گھر کے مقابلے میں مسجد میں نماز پڑھنے کی 27 درجہ فضیلت بیان کی گئی گھروں میں مسلسل فرض نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ حدیث مسجدوں میں

باجماعت ادا کرنے کی رغبت دلانے کے لیے ہے نہ کہ کسی مرد کو گھروں میں نماز پڑھنے کی کھلی چھوٹ دینے کے لیے۔ اگر کسی کو مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت اور ثواب کا علم ہوجائے تو وہ مسلسل نماز باجماعت کا اہتمام کرے اور مسجد میں حاضر ہو چاہے اسے جو بھی تکلیف اٹھانی پڑے۔

جو فضائل باجماعت نماز ادا کرنے کے بیان کیے گئے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(i) مسجد آتے اور جاتے وقت ہر ہر قدم پہ ایک گناہ صغیرہ معاف ہوجاتا ہے۔

(ii) مسجد میں داخلے اور مسجد سے باہر نکلتے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے صرف اسلئے مأمور فرمائے ہیں کہ وہ سیاحت کرتے رہتے ہیں اور ان کا کام صرف یہ ہے کہ ہر مسجد میں دیکھیں جہاں جماعت کے لیے نمازی کھڑے ہورہے ہیں کیا وہ صف بندی صحیح طرح سے کررہے ہیں کہ نہیں، جو نمازی صف بندی کا خیال رکھتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کا ثواب یہ فرشتے لکھ لیتے ہیں۔

(iv) جتنے لوگ نماز باجماعت ادا کررہے ہوتے ہیں اتنا زیادہ ثواب ہر نمازی کو دیا جاتا ہے۔

(v) اگر کسی ایک نمازی کی نماز قبول ہوگئی تو سارے باجماعت ادا کرنے والوں کی نماز کی فرضیت قبول ہوجاتی ہے۔

(vi) اگر نماز میں مقتدی سے کوئی خطا ہوجائے تو اس کو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر امام سے کوئی واجب ادا کرنے میں خطا ہوجائے تو وہ سجدہ سہو کرلیگا سب کی نماز درست ہوجائیگی۔

(vii) جب مقتدی داہنی طرف سلام پھرتا ہے تو داہنی طرف موجود فرشتے دوسرے نمازی اور اگر داہنی طرف امام ہے تو سب کو سلامتی کی دعا کی جاتی ہے اس کے عوض اس کو بھی سب کی طرف سے دعا لکھ لی جاتی ہے یہی ثواب بائیں طرف سلام پھیرنے پر ملتا ہے۔

(viii) پہلی، دوسری اور تیسری صف میں حاضر ہونے کا ثواب بتدریج زیادہ ہے، اس کے علاوہ ہر صف میں مقتدی جتنا زیادہ امام کے قریب ہوگا اتنا زیادہ ثواب اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔

(xi) نماز پڑھنے کے بعد جب تک نمازی بیٹھا رہے گا اور ذکر، دعا اور تسبیحات میں مشغول رہے گا تو اس کا وہ وقت اعتکاف میں شمار ہوگا اگر وہ اعتکاف کی نیت کرلے۔

(x) نمازیوں پڑوسیوں کے ساتھ میل ملاپ اور خیر خیریت دریافت کرنے کا ثواب الگ ہے۔ان تمام حقائق اور حدیثوں کے بعد بھی اگر کوئی مرد تنہا نماز بلا کسی شرعی عذر کے گھر میں مسلسل ادا کرتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔اسے سچی توبہ کر کے اس سوچ اور عمل کو چھوڑ دینا چاہیے۔

اِسی ہی طرح سے کوئی حکم، وضاحت یا تنبیہ قرآن میں اگر کسی فرد یا قوم یا اہل کتاب کو دی جا رہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت میں مشترک ہے تو اس پر بھی مسلمانوں پر انفرادی یا اجتماعی طور پر عمل کرنا لازم ہے بعض مقامات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین اور مومنات (بعض صحابہ اور صحابیہ کرام رضی اللہ عنہ) کو مخاطب کر کے جو احکامات دے ہیں وہ بھی عام مسلمانوں پر لازم ہیں کہ اس کی اطاعت کریں۔

جیسے!

O يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (سورۃ التوبہ، آیت: ۷۳)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے)

''امام علامہ بیہقی نے شعیب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ارشاد فرمایا: کہ وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اگر اس کی طاقت نہ رکھیں تو اپنی زبان کے ساتھ، اور اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو پھر چاہئے کہ ان سے انتہائی ترش اور سخت چہرے کے ساتھ ملاقات کریں''۔ [4]

''مزید فرمایا: وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجئے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کئے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔اگر کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اس کے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔(راجع روح المعانی ومعالم التنزیل)'' [6]

اور سورۃ النور کی آیات 31-30 میں فرمایا:۔

O قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ Oوَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(سورۃ النور آیت:۳۰،۳۱)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے O اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر اِن لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیر دست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت

انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے اے مومنو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے)۔

امام عبد بن حمید رحمہ اللہ نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** یعنی جن کو دیکھنا حلال نہیں۔**وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** جو شرمگاہیں حلال نہیں۔

امام ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان شہوات سے اپنی نظریں جھکا کر رکھو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ **مِنْ اَبْصَارِهِمْ** میں **مِنْ فعل** کا صلہ ہے معنی یہ ہوگا جن چیزوں کی طرف دیکھنا ان کے لیے حلال نہیں ان سے وہ اپنی نظروں کو محفوظ رکھتے ہیں اور بدکاری سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔**ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ** ''یعنی نظر جھکانا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا''۔

امام احمد، حکم نے نوادر الاصول میں، طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے شعب الایمان میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو آدمی عورت کو پہلی نظر سے دیکھتا ہے پھر اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی عبادت پیدا کر دیتا ہے جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

آدمی کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا اپنی محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے۔ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔لیکن یہ معاف نہیں ہے کہ آدمی نے پہلی نظر میں جہاں کوئی کشش محسوس کی ہو وہاں پھر نظر دوڑائے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کی دیدہ بازی کو آنکھ کی بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔دیکھنا آنکھوں کی زنا ہے۔لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے۔آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے۔ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے۔بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں، یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔(بخاری، مسلم، ابوداؤد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) یعنی ناجائز شہوت رانی سے بھی پرہیز کریں، اور اپنا ستر دونوں کے سامنے کھولنے سے بھی، اس معاملے میں عورتوں

کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، لیکن عورت کے ستر کے حدود مردوں سے مختلف ہیں، نیز عورت کا ستر مردوں کے لیے الگ ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔[8]

O يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورۃ الحزاب آیت:۵۹)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

"تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر و افضل کون؟ (آیت:۵۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مومن عورتوں سے فرمادیں بالخصوص اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے کیونکہ وہ تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر و افضل ہیں کہ وہ اپنی چادریں قدرے لٹکا لیا کریں تاکہ جاہلیت کی عورتوں سے ممتاز ہوجائیں۔ اسی طرح لونڈیوں سے بھی آزاد عورتوں کی پہچان ہوجائے۔ جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو عورتیں اپنی دوپٹیا کے اوپر ڈالتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب اپنے کسی کام کاج کے لیے باہر نکلیں تو جو چادر وہ اوڑھتی ہیں، اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھک لیا کریں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سوال پر حضرت عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانک کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر بتادیا کہ یہ مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی چادر سے اپنا گلا تک ڈھانپ لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں، اس آیت کے اترنے کے بعد انصار رضی اللہ عنہ کی عورتیں جب نکلتی تھیں تو اس طرح لگی چھپی چلتی تھیں گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں، سیاہ چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کرتی تھیں۔ حضرت زہریؒ سے سوال ہوا کہ کیا لونڈیاں بھی چادر اوڑھیں؟ خواہ خاوندوں والیاں ہوں یا بے خاوند کی ہوں؟ فرمایا' دوپٹیا تو ضرور اوڑھیں اگر وہ خاوندوں والیاں ہوں اور

چادر نہ اوڑھیں تا کہ ان میں اور آزاد عورتوں میں فرق رہے۔'' [1]

گو کہ قرآن کے اصل مخاطب اس وقت کے موجودین، حاضرین تھے۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اسلام کی رحمت صرف اس وقت کے حاضرین وموجودین کے لیے مخصوص نہیں تھی بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں بھی شامل ہیں یعنی ان تمام قرآنی آیات میں جو احکام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا مومنین یا مومنات کو مخاطب کر کے دیے گئے وہ تمام انسانوں اور خاص کر مسلمانوں کے لیے لازم ہیں کہ ان کی اطاعت کریں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔ دنیا چاہے جتنی ترقی کر جائے یا شب وروز کی مصروفیات جو بھی ہو جائیں کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی نافرمانی کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ اس ہی طرح ایک عام خیال یہ ہے کہ چونکہ معاشرہ اتنا خراب ہے اور ہر طرف گناہ ہیں، فحش عریانی اور بے پردگی ہے تو مجبوراً ہم کو بھی ان میں ملوث ہونا پڑتا ہے یہ سوچ ہی غلط ہے یہی تو مسلمانوں کے لیے آزمائش ہے کہ وہ ان گناہوں کے ڈھیر سے اپنے آپ کو کس طرح بچا بچا کر زندگی گزارتے ہیں۔

گناہوں اور خباثت کی کثرت ان کے حلال ہو جانے کی دلیل نہیں ہے۔ قرآن کی آیات میں یہ وضاحت صاف طور پر کی گئی ہے کہ ناپاک/خبیث اور پاک یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی کثرت کہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔

O قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۟ (سورۃ المائدہ، آیت: ۱۰۰)

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی)۔

''اس جگہ لفظ خبیث اور طیب اپنے عموم کے اعتبار سے حرام وحلال مال و دولت کو بھی شامل ہے، اور اچھے برے انسانوں کو بھی، اور بھلے برے اعمال و اخلاق کو بھی۔ مطلب آیت کا واضح ہے کہ کسی عقل سلیم کے نزدیک نیک و بد اور بھلا برا برابر نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال و

حرام یا پاک و ناپاک چیزیں برابر نہیں اس طرح اچھے اور بُرے اعمال و اخلاق برابر نہیں، اسی طرح نیک و بد انسان برابر نہیں۔

آگے ارشاد فرمایا وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ،یعنی اگر چہ دیکھنے والوں کو بعض اوقات خراب اور خبیث چیزوں کی کثرت مرعوب کر دیتی ہے اور گرو پیش میں خبیث و خراب چیزوں کے پھیل جانے اور غالب آجانے کے سبب انہی کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں، مگر یہ انسانی علم و شعور کی بیماری اور احساس کا قصور ہوتا ہے''۔ [3]

''خبیث بری چیز کو اور طیب اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے خبیث کا ترجمہ ناپاک اور طیب کا ترجمہ پاک کیا ہے۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے اموال اور اچھے برے افراد سب شامل ہیں۔

اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ میں ارشاد فرمادیا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی بھی ہو۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں اس کثرت کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک اچھے نہیں ہو گئے۔ جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں اس میں بھی اکثر وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ ان کی کثرت دیکھ کر گناہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی گناہ کر رہے ہیں یہ بھی اللہ کے بندے ہیں، یہ جاہلانہ جواب ہے اللہ کے بندے تو ہیں مگر گناہگار بندے ہیں۔ تمہیں پرہیزگار بندوں کی راہ اختیار کرنی چاہئے گناہگار بندوں کے پیچھے کیوں چلتے ہو''۔ [6]

''انسان تو چاہتا ہے کہ اس کے پاس ہر شے کی بہتات ہو، لیکن ناجائز اور حرام طریقے سے کمایا ہوا مال اگر چہ کثرت سے جمع ہو گیا ہو مگر ہے تو خبیث اور ناپاک ہی۔ بے شک اس کی چکا چوند تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہو مگر اس میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبال:۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے'' [7]

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ O

فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(سورۃ انفال آیت: ۳۷)

(تا کہ اللہ گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ کر الگ کرے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کرے پھر اس پلندے کو جہنم میں جھونک دے یہی لوگ اصلی دیوالیے ہیں)۔

''امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے کہ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ کی تفسیر میں حضرت شہر بن عطیہ نے کہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں الگ کر دے گا جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کے لیے اعمال صالحہ کیے۔ پھر ساری کی ساری دنیا کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے حضرت ابن زید رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان تمام کو جمع کرے گا''۔[4]

''لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ گندی چیز اور پاک صاف چیز میں فرق ظاہر کر دیں۔ لفظ خبیث اور طیب دو متقابل لفظ ہیں۔ لفظ خبیث ناپاک، گندے اور حرام کے لیے بولا جاتا ہے اور طیب اس کے بالمقابل پاک، صاف ستھرے اور حلال کے لیے بولا جاتا ہے، اس جگہ ایک مالِ خبیث دوسرے مال خبیث کو کھینچتا ہے اور یہ پھر اموال خبیثہ آثارِ خبیثہ پیدا کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں جتنے اموالِ خبیثہ ہیں سب کو جہنم میں جمع فرما دیں گے۔ اور یہ مال والے بڑے خسارہ میں پڑ جائیں گے۔

اور بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ خبیث اور طیب کی مراد عام قرار دی ہے یعنی پاک اور ناپاک، پاک سے مؤمن اور ناپاک سے کافر مراد ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حالاتِ مذکورہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ پاک و ناپاک یعنی مؤمن و کافر میں امتیاز ہو جائے۔ مؤمنین جنت میں اور کفار سب ایک جگہ جہنم میں جمع کر دیئے جائیں''۔ [3]

ایسے غیر مسلم ممالک یا معاشرے جہاں گناہوں کی کثرت ہے وہاں بسنے والے مسلمانوں کے لیے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا بہت ہی مشکل اور بعض اوقات ناممکن ہے۔ عریانی، فحاشی، سود، زنا، بے پردگی،

نامحرموں میں اختلاط اور بہت سی حرام کاریوں میں گو وہ بالواسطہ شریک نہ بھی ہوں مگر اس معاشرے کا حصہ بن کر مستقل گناہ کبیرہ میں ملوث رہتے ہیں۔ نیز ان کی آنے والی نسلوں کے ایمان کی ضمانت کون دے سکتا ہے جس کی بنیاد انھوں نے خود ڈالی ہے۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ ایک بہت بڑی مسلمانوں کی تعداد صرف دنیا کی آسائشیں اور بہتر زندگی کے حصول کے لیے ان غیر مسلم ممالک میں جا کر سکونت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان ممالک کے غیر مسلم قوانین اور آئین کے پابند ہونے کا حلف بھی بغیر آخرت کے نتائج کے خوف اور جواب وہی کے مجبوراً اٹھا لیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ بار بار یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کو کبھی آخرت پہ ترجیح نہ دو۔ یعنی اپنے ایمان کو دنیا کی آسائشوں پر قربان نہ کرو۔ قرآن یا حدیث میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ ہر حالت میں اپنا طرز زندگی (Life Style) یا معیار زندگی (Standard of Life) کو برقرار رکھو یا بہتر سے بہتر بناتے چلے جاؤ چاہے گناہوں میں ہی ملوث کیوں نہ ہونا پڑے۔ بلکہ حدیث مبارک میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ فتنوں کے دور میں کہ اگر ایمان پر کوئی زد آئے تو وہ جگہ چھوڑ کر چلے جاؤ۔ پہاڑوں پہ سکونت اختیار کرو اور جڑی بوٹی کھا کر گزارا کرو۔ یہ یقیناً فتنوں کا دور ہے خاص کر وہ لوگ اور ان کے خاندان والے جو کافروں کے ملک میں جا کر کافروں کا رنگ وڈھب اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے لیے سخت وعید ہے۔

فرائض کو فراموش کر کے دین سے بے رغبتی اور آخرت کے انجام سے بے پرواہ ہو کر جو لوگ دنیا کو حاصل کر کے اس کی آسائشوں اور رنگینوں میں مست رہتے ہیں اور اپنے آپ کو کامیاب ترین انسان سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے قرآن کی یہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث ان کو سچی توبہ اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

O بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا O وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ط O (سورۃ الاعلیٰ، آیت ۱۶، ۱۷)

(مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو O حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے)۔

''امام عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر بیان کی ہے: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بلکہ لوگوں نے اس جلدی ملنے والی (دنیا) کو اختیار کر لیا ہے۔ بجز ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ حالانکہ آخرت بھلائی میں وَّ اَبْقٰى اور باقی رہنے میں اس سے کہیں بہتر ہے''۔

امام عبد بن حمید، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں مراد یہ امت ہے بے شک تم دنیوی زندگی کو ترجیح دو گے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے روکتا ہے جب تک وہ اپنے دنیوی معاملات کو اپنے دین پر ترجیح نہ دیں۔** اور جب وہ اپنی دنیا کے معاملات کو ترجیح دینے لگیں اور پھر کہیں: ۔لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو اسے ان پر لوٹا دیا جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے جھوٹ بولا ہے۔'' [4]

''یعنی تم لوگوں کی ساری فکر بس دنیا اور اس کی راحت و آسائش اور اس کی فائدوں اور لذتوں کے لیے ہے۔ یہاں جو کچھ حاصل ہو جائے، تم سمجھتے ہو کہ بس وہی اصل فائدہ ہے جو تمہیں پہنچ گیا۔اور یہاں جس چیز سے محروم رہے تمہارا خیال ہے کہ بس وہی اصل نقصان ہے جو تمہیں پہنچ گیا۔

یعنی آخرت دو حیثیتوں سے دنیا کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے: ایک یہ کہ اس کی راحتیں اور لذتیں دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہیں اور دوسرے یہ کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی''۔[8]

O ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (سورۃ النحل، آیت 107)

(یہ اس لیے کہ اُنہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا، اور اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو راہِ نجات نہیں دکھاتا جو اُس کی نعمت کا کفران کریں)۔

''ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر اور یہ لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں''۔[4]

اصحاب کہف کا واقعہ بھی لوگوں کے سبق کے لئے ہے جو ایک مشرک ملک سے (صرف اپنا ایمان

بچانے کے لیے) ایک غار میں جا کر پناہ اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

عموماً یہی سوچ ہوتی ہے کہ اول درجے کے ترقی یافتہ ممالک میں عیش اور ٹھاٹ کی زندگی بسر کرنا ہی اصل کامیابی ہے اور یہی لوگ آخرت میں بھی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس گمراہ کن سوچ اور عقیدے کی نہ تو قرآن اور نہ ہی کسی حدیث مبارکہ میں کوئی دلیل ہے۔

خلاصہ: جو بھی احکامات اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں غیر مسلموں، مشرکوں اور منافقوں اور مومنوں وغیرہ سے خطاب کر کے نازل فرمائے ہیں وہ سب مسلمانوں پہ بھی رسول ﷺ کی شریعت میں رہتے ہوئے نافذ عمل ہیں ورنہ مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑ سے نہیں بچ سکیں گیں۔

2) قصص انبیاء اور اقوام سابقہ: قرآن کریم میں متعدد مقام پر انبیاء کرام اور رسولوں کے قصے ہیں اور پچھلی قوموں کے حالات اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے قرآن شریف تاریخ (History) کی کتاب تو نہیں ہے۔ ان سارے قصّوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم آج کل کے انسان اور خاص کر مسلمان ان سے سبق حاصل کریں کہ پچھلی قومیں کیا کیا گناہ اور ظلم کرتی رہیں اور کس کس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو غارت کر دیا۔ اب اگر آج کے دور میں ہم بھی قرآن اور حدیث کے احکامات کو پس پردہ ڈال کر نافرمانیوں میں ملوث ہو گئے تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ قوموں پہ عذاب اس دنیا میں آتا ہے اور انفرادی حساب و کتاب جزا و سزا آخرت میں ہونی ہے۔

اس ہی طرح سے انبیاء کرام اور رسولوں کے قصوں میں بھی اگر غور وفکر کیا جائے تو بے شمار پیغامات موجود ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی کس طرز اور عقائد پر گزارنی ہے۔ یعنی واحدنیت، توکل، تقویٰ، انداز دعا، ایمانیات، اخلاقیات، انصاف وعدل ہدایت اور نصرت اور حقوق کے موضوعات پر لاتعداد اشارے ان میں موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم غور وفکر کر کے ان اشاروں وغیرہ کو سمجھ سکیں۔ اور اپنے اعمال درست کر سکیں۔

چند مثالیں غور طلب ہیں:۔

مثال(i):۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۷۳)

(اُس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ دیکھو اس طرح اللہ مُردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو)۔

یہاں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرمارہے ہیں کہ جو گائے ذبح کی ہے اس کا ایک گوشت کا ٹکڑا اس مقتول کے مارو (تاکہ وہ زندہ ہو جائے اور اپنے قاتل کا نام بتادے) کیا اللہ تعالیٰ گوشت کے ٹکڑے کے مارنے کے بغیر اس مقتول کو زندہ نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کر سکتے تھے وہ اس پر قادر ہیں۔

مثال (ii):۔ وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ كُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ۔ (سورۃ البقرۃ ۶۰)

(یاد کرو، جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کونسی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے اُس وقت یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو)۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے عصاء کو پتھر پر مارو اور اس طرح بارہ پانی کے چشمے نکل پڑے، کیا اللہ تعالیٰ بغیر عصاء کے مارنے پہ پانی کے چشمے نہیں نکال سکتے تھے؟ یقیناً وہ اس پر بھی قادر ہیں۔

مثال (iii):۔ وَ هُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۫

(سورۃ مریم ۲۵)

(اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی)۔

اس میں اللہ تعالیٰ بی بی مریمؑ کو حکم دے رہے ہیں کہ کھجور کے تنے کو ہلاؤ تازہ کھجوریں گرینگیں اس کو کھالو، کیا اللہ تعالیٰ بغیر تنے کو ہلاوانے کھجوریں نہیں گرا سکتے تھے، یقیناً وہ کر سکتے تھے اس پر بھی قادر ہیں۔

مثال (iv):۔ فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ ؕ فَانۡفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ

فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (سورۃ الشعراء ۶۳)

(ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ ''مار اپنا عصا سمندر پر'' یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا)۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنا عصاء سمندر پہ مار وہ پھٹ جائے گا اور گزرنے کے لیے راستہ بنا دیگا۔ کیا اللہ تعالیٰ بغیر عصا کے مارنے کے سمندر کو نہیں پھاڑ سکتے تھے؟ یقیناً وہ کر سکتے تھے وہ اس پر بھی قادر مطلق ہیں۔

مثال (۷):۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ (سورۃ ص:۴۲)

((ہم نے اُسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لیے اور پینے کے لیے)

یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دے رہے ہیں کہ اپنی ایڑی زمین پہ مارو چشمہ پھوٹ پڑے گا، اس سے نہاؤ اور اس میں سے پی لو شفا یاب ہو جاؤ گے) کیا اللہ تعالیٰ بغیر ایڑی کے مارے چشمہ نہیں نکال سکتے تھے، یقیناً وہ کر سکتے تھے وہ اس پر بھی قادر ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہر فعل اور ہر شہ پہ قادر ہیں تو یہ احکامات کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ جواب واضح ہے کہ میرے بندے اگر پہلے میرے حکم کی فرمانبرداری کرینگیں اور میرا کہنا مانے گیں تو میری طرف سے مدد آئیگی ان کو ہدایت نصیب ہو گی اور مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ یقیناً ''حرکت میں برکت ہے''۔ پہلی حرکت بندے نے کرنی ہے۔ حدیث قدسی مبارکہ میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ اگر میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں ایک ہاتھ آتا ہوں اس کی طرف اور اگر وہ ایک ہاتھ آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں، اگر وہ چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔ یہ سوچ ہی غلط ہے کہ ہم ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد آجائیگی یا ہمیں ہدایت نصیب ہو جائیگی اور ہماری مشکلات آسان ہو جائیں گی اور ہم دنیا و آخرت میں فلاح کے مستحق ہو جائیں گے۔ ہمارے اپنے بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر برے اور سخت حالات اترتے ہیں۔ قرآن بار بار اس حقیقت کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلاتا ہے۔ یعنی مصائب کا نزول بھی خاص اسباب وضوابط کے تحت ہوتا ہے۔ مثلاً بندوں کو کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ بندوں کے ہی بعض اعمال و افعال کے سبب ہوتی ہے۔ ٹھیک اس طرح کہ اگر کوئی شخص غذا میں احتیاط نہ

کرے تو بیمار یا ہلاک ہو جاتا ہے، کبھی کبھی ایک فلیٹ کی بے احتیاطی کی وجہ سے پوری بلڈنگ اور سارے فلیٹ میں آگ لگ جاتی ہے۔ یہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لیں۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال سابقہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لیے تنبیہ ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ کو تو معاف ہی کر دیتے ہیں۔

مثال (vi):۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ (سورۃ الانبیاء ۹۰)

(پس ہم نے اس کی دُعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دَوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے)۔

سورۃ انبیاء میں اللہ تعالیٰ بہت سے انبیاء کرام کی دعاؤں کا ذکر فرماتے ہیں، اور اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کی دعائیں اس لیے قبول کیں ”کیونکہ وہ سب نیکی کرنے میں جلدی کرتے تھے اور خوف اور امید صرف مجھ سے رکھتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے“ اس طرح ہمارے لیے بھی پیغام ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں تو پہلے ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بن جائیں اور نیکی کرنے میں جلدی کریں اور خوف اور امید صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ہماری بھی ساری دعاؤں قبول فرمائیں گے۔“

مثال (vii):۔ فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (سورۃ القصص: ۲۴)

(یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھا اور بولا ”پروردگار، جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے میں اس کا محتاج ہوں“)۔

اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سورت میں بیان فرما رہے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غلطی سے ایک فرعون کے قوم کے آدمی (قبطی) کا قتل ہو گیا تھا۔ وہ ڈر و خوف کے عالم میں مصر سے مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ کئی دنوں کی مسافت، صحرا کا سفر سخت دھوپ اور پیاس کی شدد برداشت کرتے ہوئے

جب وہ مدین پہنچے تو ایک کنویں پہ انھوں نے دو عورتوں کی بکریوں کو پانی پلایا اور خود بھی پانی پیا، پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک سائے کی طرف پلٹے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے رب جو خیر تو مجھے عطا کردے میں اس کا محتاج ہوں۔ یعنی ایک ذرا سی پانی اور سائے کی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اس شکر کے ادا کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مدین میں رہنے کا ٹھکانہ عطا فرمایا، بیوی عطا کی اور آگے جا کر نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پیغام واضح ہے کہ اگر ہم بھی اللہ تعالیٰ کی کسی ذرا سی نعمت کا احساس کر کے اس کا شکر ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری مشکلیں آسان فرما دیں گے اور ہمارا یہ عمل ہم کو بھی شاکرین کی صف میں کھڑا کر دے گا۔

3) : آیات فلکیات:۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ فلک میں موجود سات آسمان اور سیارے، ستاروں اور بڑے بڑے کرھوں کا ذکر ہے آج کے سائینس کے ترقی کے دور میں جو کچھ ماہر فلکیات مشاہدہ کر چکے ہیں وہ حیران کن اور ہماری عقل سے ماوراء ہے۔ Hubble Telescope اور Voyger اور James Webb Telescope جو تصویریں اور Data بھیجتا رہتا ہے اس کے مطابق بھی ہماری دنیا کے مقابلے میں لاکھوں، کروڑوں گنا بڑے بڑے ستارے، ان کا نظام شمسی، کہکشائیں اور ان کے جھنڈ (Clusters) اور روزن سیاہ (Blackholes) جو ہماری دنیا سے کروڑوں، اربوں نوری سال[1] کے فاصلے تک ہیں اور سب کائنات کا حصہ ہیں۔ یہ ستارے دنیا کے حجم کے مقابلے میں کتنے بڑے ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل چند ستاروں کے جمع شدہ اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔

(i) ایک عام آدمی کی جسامت (Size) سے ہماری دنیا تقریباً تیس (30) ارب کھرب گنا بڑی ہے۔

(ii) پھر ہمارا سورج ہماری دنیا سے 10 لاکھ گنا بڑا ہے۔

(iii) ایک دوسرا ستارہ (سورج) ایٹا کیرینائی (Etacarinae) ہمارے سورج سے بھی 50 لاکھ گنا بڑا ہے۔

(iv) بٹیل جوؤس (Betel Geuse) نامی ستارہ ہمارے سورج سے 30 کروڑ گنا بڑا ہے۔

(v) اور پھر V-Ycanismajorice کا تو کیا ہی کہنا، یہ ہمارے سورج سے کئی ارب گنا بڑا ہے اور

---

[1] نوری سال: وہ فاصلہ ہے جو کوئی شیئے روشنی کی رفتار (یعنی 3Lakh km/sec.) سے چل کر ایک سال میں پورا کرے۔

ہماری دنیا سے 4900 نوری سال کے فاصلے پر ہے۔

(vi) یہ بڑے بڑے ستارے (سورج) مل کر کہکشاں بناتے ہیں اور جس کہکشاں میں ہماری دنیا ہے، جس میں ہم رہتے ہیں اس کو Milky way کہکشاں کہتے ہیں اور اس میں 300 ارب سے زیادہ بڑے بڑے ستارے موجود ہیں۔

(vii) یہ ہماری کہکشاں اتنی بڑی ہے کہ اگر روشنی کی رفتار (یعنی 3 Lakh km/sec) سے کوئی شی چلنا شروع کرے تو اس کو ہماری کہکشاں کو پار کرتے کرتے ایک لاکھ سال لگ جائیگا، یعنی ہماری کہکشاں ایک لاکھ نوری سال بڑی ہے۔

(viii) بات یہیں ختم نہیں ہو رہی ہمارے پڑوس میں دوسری کہکشاں جس کا نام Andromeda ہے وہ ہماری کہکشاں سے دوگنا بڑی ہے یعنی دو لاکھ نوری سال کی جسامت کی ہے۔

(ix) پھر GlaxyM81 نامی ایک اور کہکشاں ہماری کہکشاں سے 60 گنا بڑی ہے۔

(x) دوسری کہکشاں Glaxy IC-1011 ہماری کہکشاں سے 600 گنا بڑی ہے۔

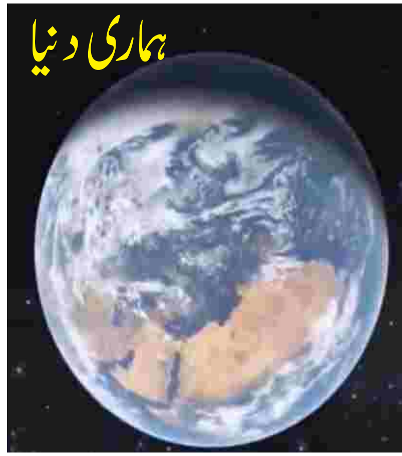
(xi) یہ بڑی بڑی کہکشاں مل کر ایک Cluster بناتی ہیں جس کو کہکشاؤں کا جھنڈ کہتے ہیں اور صرف ایک Cluster میں تقریباً 47 ہزار کہکشائیں دیکھی گئی ہیں۔

(xii) پھر بہت سارے Clusters مل کر ایک Super Cluster بناتے ہیں اور Super Cluster جس میں ہم رہتے ہیں اس میں تقریباً 100 عدد Clusters ہیں۔

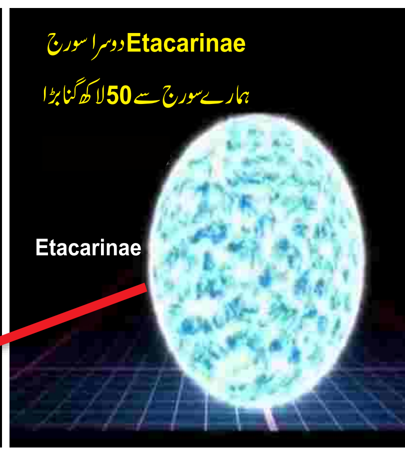
(xiii) ہماری کائنات میں تقریباً ایک کروڑ Super Cluster دیکھے گئے ہیں۔

اتنا کچھ علم حاصل کرنے اور اعداد و شمار اکٹھا کر لینے کے باوجود آج کے دور کے بڑے بڑے ماہر فلکیات کا یہی کہنا ہے کہ ''پوری کھڑکی کھول کر کائنات کو کہاں کون دیکھ سکتا ہے ہم نے تو ابھی تک جو کچھ ایک جھری سے نظر آیا ہے بس وہ ہی دیکھ سکے ہیں''

گرمیوں کی رات میں اگر مطلع صاف ہو تو آسمان ستاروں سے بھرا دیکھا جاسکتا ہے پورا آسمان ستاروں کی زینت سے چمک رہا ہوتا ہے اور کچھ ستارے تو ہماری زمین سے اتنی دور ہیں اتنی دور ہیں کہ اربوں سال


ہماری دنیا


ہمارا سورج
یہ ہماری دنیا سے دس لاکھ گنا بڑا ہے
Sun
دنیا


Etacarinae دوسرا سورج
ہمارے سورج سے 50 لاکھ گنا بڑا
Etacarinae


Betel Geuse ایک اور سورج ہے
یہ ہمارے سورج سے 30 کروڑ گنا بڑا
Betel Geuse


V-Ycanismajorice ایک اور
سورج ہمارے سورج سے کئی ارب گنا بڑا
Canismajorice


Milky Way Galaxy
ہماری کہکشاں جس میں 300 ارب سے
زیادہ بڑے بڑے سورج موجود ہیں


Andromeda
Andromeda ایک اور کہکشاں
ہماری کہکشاں سے دوگنا بڑی ہے


Galaxy M81
یہ کہکشاں ہماری کہکشاں سے 60 گنا بڑی ہے


Galaxy IC-1011
یہ کہکشاں ہماری کہکشاں سے 600 گنا بڑی ہے


قریب ترین کہکشاؤں کے جھنڈ میں 47 ہزار کہکشایں ہیں


''اورانہوں نے اللہ کی قدر رہی نہ کی جیسی اس کی قدر کرنے کا حق تھا''
(اوراس کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ) ''قیامت کے دن زمین اس کی مٹھی
میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے سیدھے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے''۔
(سورۃ الزمر آیت 67)
لامحدود کائنات جس کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں۔


25 کروڑ نوری سال کے فاصلے پہ واقع ایک روزن
سیاہ جس کی تصویر اور آواز ناسا نے ریکارڈ کی ہے
OUT OF THIS WORLD

گزرنے کے باوجود ان کی روشنی ابھی تک ہماری زمین تک نہیں پہنچ سکی ہے کہ وہ دیکھے جاسکیں۔

اس پوری کائنات میں ہمارا نظام شمسی ایک ذرے میں ذرے کے برابر بھی نہیں ہے اور پھر اس میں یہ 5-6 فٹ کا حضرت انسان اس کی کیا وقت اور حیثیت جو رب العالمین کا نافرمان بن کر وہ اعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ ہم کس شمار اور کس قطار میں ہیں؟

اب سمجھ میں آرہا ہے تاکہ یہ ہمارے رب کی کائنات کتنی وسیع وعریض ہے اور ''اللہ اکبر'' کہنے کا کیا مطلب ہے!

اللہ تعالیٰ کی تخلیق شدہ یہ کائنات خاص اصول اور ضوابط کے تحت اپنے نظام کو قائم ودائم کئے ہوئے ہے ''کن فیکون'' کے حکم سے نئے نئے ستارے وجود میں آرہے ہیں اور ساتھ ساتھ بڑے بڑے ستارے روزن سیاہ میں غرق ہوکر فنا بھی ہورہے ہیں تاکہ اس کائنات کا نظام/Balance قائم رہے اور اس کا وجود اللہ کے حکم سے باقی رہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

O اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَ لَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا (سورۃ فاطر آیت:۴۱)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا انہیں تھامنے والا نہیں ہے بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے)۔

''آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے۔ یہ دونوں اس کے فرمان سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے، روک سکے، نظام پر قائم رکھ سکے۔ اس حلیم وغفور اللہ کو دیکھو کہ مخلوق ومملوک، نافرمانی وسرکشی، کفروشرک دیکھتے ہوئے بھی بردباری اور بخشش سے کام لے رہا ہے، ڈھیل اور مہلت دیئے ہوئے ہے۔ گناہوں کو معاف فرماتا ہے''۔ [1]

○ فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ (سورۃ:الواقع,آیت:۷۵)

(پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی)۔

''امام عبد بن حمید اور ابن جریر رحمہا اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ سے مراد ستاروں کے ڈوبنے کی جگہیں ہیں۔ فرمایا: کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ سے مراد قیامت کے دن ستاروں کا گرنا اور بکھرنا ہے۔

امام عبد بن حمید رحمہ اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کی جگہیں ہیں۔

امام عبدالرزاق اور ابن جریر رحمہا اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ سے مراد ستاروں کی منازل ہیں'' [4]

○ وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ○ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ○ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ○

(سورۃ طارق آیت:۱تا۳)

(قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی ○ اور تم کیا جانو کہ وہ رات کو نمودار ہونے والا کیا ہے؟ ○ چمکتا ہوا تارا)

''پہلی قسم میں آسمان کے ساتھ طارق کی قسم ہے، طارق کے معنیٰ رات کو آنے والے کے ہیں، ستارے چونکہ دن کو چھپے رہتے ہیں اس لیے ستارہ کو طارق فرمایا اور خود قرآن نے اس کی تفسیر کر دی وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ، یعنی تمہیں کیا خبر کہ طارق کیا چیز ہے۔ پھر فرمایا: اَلنَّجۡمُ الثَّاقِبُ، یعنی ستارہ روشن۔ نجم کے معنی ستارہ کے ہیں۔ قرآن نے کوئی ستارہ متعین نہیں کیا، اس لیے ہر ستارہ اس کا مصداق ہوسکتا ہے، بعض حضرات مفسرین نے نجم سے خاص ستارہ ثریا یا زحل مراد لیا ہے اور کلام عرب سے لفظ نجم کا اس پر اطلاق ثابت کیا ہے۔ ثاقب کے معنی روشن چمکدار کے ہیں''۔ [3]

○ وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ○ وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ○ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ

يَسۡبَحُوۡنَ (سورۃ الیٰسین ،آیت:۳۸ تا ۴۰)

(اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے O اور چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے O نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں)۔

سورج کی رفتار میں مظاہر قدرت ہے..... وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا (اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے) سورج بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کا وجود مستقل اور اس کی روشنی مستقل نشانی ہے پھر اس کا اپنے ٹھکانہ کے لیے چلنا بھی مستقل نشانی ہے اس کی رفتار اور اس کا محور پر چلنا، اِدھر اُدھر نہ ہونا یہ سب اللہ کی قدرت قاہرہ کی نشانی ہے۔ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ (یہ اس کا مقررہ کیا ہوا ہے جو زبردست ہے علم والا ہے) سورج پابند ہے کہ اپنے محور پر چلے اور اسی رفتار پر چلے جو اس کی رفتار مقرر ہے گرمیوں کے زمانہ میں سورج خط استواء پر چلتا ہے اور سردیوں میں ہٹ جاتا ہے اور دوسرا محور اختیار کر لیتا ہے، اس کا جو راستہ خالق جل مجدہ کی طرف سے طے کر دیا گیا ہے اس کے خلاف نہیں چل سکتا۔

منازل قمر کا تذکرہ..... یہ بتانے کے بعد کہ آفتاب کا اپنے مستقر تک جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے چاند کے بارے میں فرمایا: وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِيۡمِ (اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے) یعنی جس طرح کھجور کی پرانی ٹہنی ٹیڑی ہو جاتی ہے اسی طرح مہینے کے اول میں اور آخر میں نظر کے سامنے بظاہر خمدار نظر آتا ہے۔ چاند کی جو منزلیں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ترتیب کے ساتھ انہیں میں چلتا رہتا ہے۔

سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا..... اس کے بعد چاند اور سورج کی رفتار اور رات اور دن کی آمد کے نظام بے مثال کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَا الشَّمۡسُ يَنۡۢبَغِىۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّيۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ (کہ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا کر پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے) مطلب یہ ہے کہ آفتاب رات کو محو نہیں کر سکتا، جو چاند کے منور ہونے کا وقت ہے۔

’’اور دن کا جتنا وقت مقرر ہے اس وقت کے ختم ہونے سے پہلے رات نہیں آسکتی، رات آگے بڑھ کر دن کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لے اور مقررہ نظام کے خلاف دن گھٹ جائے اور رات بڑھ جائے ایسا کوئی اختیار نہ رات کو ہے نہ دن کو ہے: وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) فلک گول چیز کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ دائرہ سے کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج کی حرکت مستدیر ہے‘‘۔ [6]

اگر لمحے بھر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کائنات سے ہٹ جائے تو یہ ساری کائنات ختم ہو جائیگی آج science بھی یہ تسلیم کرتی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ کائنات کی شروعات بھی ہوئی ہے اور یہ کبھی نہ کبھی اپنے معین وقت پہ ختم بھی ہو جائیگی اور یہ کائنات مستقل پھیل رہی ہے اور اپنی خاتمے کی منزل کی طرف مسلسل رواں دواں ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن فلکیات کی کتاب نہیں ہے مگر تمام حقائق جو اس میں 1400 سال پہلے بیان کیے گئے ہیں اور جس کو آج کا سائنس کا علم بھی تصدیق کرتا ہے کہ وہ سب صرف اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔ اس کائنات میں غور فکر کر کے ہر ذی علم اور باشعور انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کوئی ہستی ہے جو اس کائنات کی خالق، مالک اور تھامنے والی ہے۔ یہ کائنات یوں ہی وجود میں نہیں لائی گئی بلکہ اس کا ایک مقصد ہے یہ مقصد بھی قرآن میں بیان ہوا ہے۔

O وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَىٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔

(سورۃ ہود، آیت: ۷)

(اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے اب اگر اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، تم کہتے ہو کہ لوگو، مرنے کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، تو منکرین فوراً بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگری ہے)۔

’’آیت میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کا مقصد یہ بتلایا ہے۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا، یعنی یہ

سب چیزیں اس لیے پیدا کی گئیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں کہ کون تم میں سے اچھا (صالح) عمل کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان کو عمل کرنے والے انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے تا کہ وہ ان چیزوں سے اپنے معاش کا فائدہ بھی حاصل کریں اور ان میں غور کر کے اپنے مالک اور رب کو بھی پہچانیں اور اپنے رب کے حکم کے تابع ہو کر عمل صالح بھی کریں۔

''یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جگہ اَحۡسَنُ عَمَلًا فرمایا ہے، یعنی کون اچھا عمل کرنے والا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ نماز، روزہ، تلاوت وذکر کی عملی کثرت اور بہت بڑی مقدار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظر حسنِ عمل پر ہے، اسی حسن عمل کو ایک حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہو اور کوئی دنیوی غرض اس میں نہ ہو اور اس عمل کی صورت بھی وہ اختیار کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، جس کو رسول کریم ﷺ نے اپنے عمل سے بتلایا اور اُمت کے لیے اتباع سنت کو لازم قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل جو پورے اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ہو وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم ہوں''۔ [3]

حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ پہلے یہ کائنات پانی سے بھری ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے عرش اوپر گیا اور پانی ختم کیا گیا اور اس کی جگہ آسمان زمین اور سارے ستارے وغیرہ تخلیق کیے گئے اتنی وسیع وعریض کائنات کا وجود صرف اس لیے کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ ہم میں سے کون اچھے عمل (عمل صالح) کرتا ہے۔

4) آیات نفسی:۔ انسان اپنے وجود، جسم وجان میں اگر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں ہیں جس کا شمار کرنا بھی ناممکن ہے۔ ہمارا اپنا وجود کس طرح سے تخلیق کیا گیا ہے وہ ایک شاہکار ہے۔ اس کے ایک ایک عضو اور پھر باریک نسوں اور رگوں کے جال کو دیکھئے تو کس طرح سے ہمارا وجود کام کر رہا ہے اور ہم زندہ ہیں۔ حواس خمسہ، DNA اور اعصابی نظام پھر ہاضمے، خون کہ بہنے، سانس کے چلنے اور فضلہ کے اخراج کے نظام وغیرہ وغیرہ کس طرح سے مسلسل کام کر رہے ہیں تمام عضو کان آنکھ، ناک، زبان، پھیپھڑے، دل، دماغ، گردے وغیرہ کس ہم آہنگی اور ربط وضبط کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ہمارے لیے راحت وسکون کا

ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔صرف آنکھ کی ایک نعمت کا اگر انسان مشاہدہ کرے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کس قدر پے چیدہ اور کامل طرح سے اس کی تخلیق کی گئی ہے۔ جب ہم جو کچھ دیکھتے ہیں تو اس سے آنے والی روشنی کی توانائی (energy) ہماری آنکھوں میں داخل ہوتی ہے۔ وہاں وہ کیمیائی energy میں تبدیل ہوتی ہے پھر برقی توانائی میں تبدیل ہوکر باریک نسوں کے ذریعہ دماغ تک اس توانائی کی رسائی ہوتی ہے۔ دماغ اس کو دوبارہ تصویر میں تبدیل کر کے الٹی تصویر بناتا ہے اور آنکھ کی طرف واپس اسی نظارے کو بھیج دیتا ہے جو اس کو سیدھا کر کے ہمیں دکھاتی ہے۔ دونوں آنکھوں سے ملنے والی بیک وقت معلومات ہمیں جمع کر کے ایک نظارے کی شکل میں آن واحد میں مسلسل دیکھائی جارہی ہوتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے جو انکشافات 1400 سال پہلے انسان کے اپنے نفس کے بارے میں کئے وہ آج ہمارے سائنس کا علم ان کو حرف بہ حرف اور ترتیب بہ ترتیب درست قرار دے چکا ہے۔ مثال کے طور پر ماں کے پیٹ میں تین اندھروں میں بچے کی پیدائش کے مراحل، پہچان کے لیے انگلیوں کے پور کی تخلیق، اقسام نفس کا تعین، وغیرہ وغیرہ...... پھر انسان کو بولنے لکھنے پڑھنے، سوچنے سمجھنے، غور وفکر کرنے اور نئی نئی چیزیں دریافت اور ایجاد کرکر ارتقا کے اعلیٰ معیار طے کرنے کی جو صلاحیتیں عطا کی گئی یہی وہ ہیں جو اس کو اشرف المخلوقات کے درجے پہ فائز کرتی ہیں۔

○ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (سورۃ حم سجدہ، آیت: ۵۳)

(عنقریب ہم اِن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ اِن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟)۔

''سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی اپنی قدرت کاملہ اور وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کو دکھلاتے ہیں آفاق میں بھی اور خود ان کے اپنے تن بدن میں بھی۔[3]

نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں۔ اس کی صنعت و بناوٹ، اس کی ترکیب وجبلت، اس

کے جداگانہ اخلاق، مختلف صورتیں اور رنگ روپ وغیرہ، اس کے خالق وصانع کی بہترین یادگاریں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ پھر اس کا ہیر پھیر، کبھی کوئی حالت، کبھی کوئی حالت، بچپن، جوانی، بڑھاپا، بیماری، تندرستی، فراخی، رنج اور راحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں"۔ [1]

O وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ (سورۃ مومنون، آیت ۷۸)

(وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سُننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو)۔

"مطلب یہ ہے کہ بدنصیبو، یہ آنکھ کان اور دل و دماغ تم کو کیا اس لیے دیے گئے تھے کہ ان سے بس وہ کام لو جو حیوانات لیتے ہیں؟ کیا ان کا صرف یہی مصرف ہے کہ تم جانوروں کی طرح جسم اور نفس کے مطالبات پورے کرنے کے ذرائع ہی تلاش کرتے رہو اور ہر وقت اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی تدبیریں ہی سوچتے رہا کرو؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ناشکری ہوسکتی ہے کہ تم بنائے تو گئے تھے انسان اور بن کر رہ گئے نرے حیوان؟ جن آنکھوں سے سب کچھ دیکھا جائے مگر حقیقت کی طرف راہنمائی کرنے والے نشانات ہی نہ دیکھے جائیں، جن کانوں سے سب کچھ سنا جائے مگر ایک سبق آموز بات ہی نہ سنی جائے اور جس دل و دماغ سے سب کچھ سوچا جائے مگر بس یہی نہ سوچا جائے کہ مجھے یہ وجود کیسے ملا ہے، کس لیے ملا ہے اور کیا میری زندگی کی غایت ہے، حیف ہے اور میں پھر ایک بیل کے بجائے ایک انسان کے ڈھانچے میں ہوں"۔ [8]

یعنی اگر اتنی اعلیٰ درجے کی صلاحیتوں کے عطا ہونے کے باوجود انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت کرتے ہوئے عمل صالح نہیں کرتا تو وہ جانوروں سے بدتر ہے۔ یہی بات قرآن نے بارہا کہی ہے کہ یہ گناہ گار، کافر لوگ، چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں۔

O وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَہَنَّمَ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ۫ۖ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۹)

(اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں)۔

''جب یہ حقیقت سامنے آ گئی تو ایک انسان کا سمجھنا، دیکھنا، سننا دوسرے جانوروں کے سمجھنے، دیکھنے، سننے سے مختلف ہونا چاہئے اگر اس نے بھی صرف انہی چیزوں میں اپنی عقل اور بنیائی وشنوائی کی طاقتوں کو لگا دیا جن میں دوسرے جانور لگاتے ہیں اور جو کام انسان کے لیے مخصوص تھا کہ ہر چیز کے نتائج وعواقب پر نظر رکھے اور برائیوں سے بچے بھلائیوں کو اختیار کرے، ان پر دھیان نہ دیا، اس کو باوجود عقل رکھنے کے بے عقل، باوجود بینا ہونے کے نابینا، باوجود سننے والا ہونے کے بہرا ہی کہا جائے گا، اسی لیے قرآن کریم نے دوسرے جگہ ایسے لوگوں کو صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ یعنی بہرے، گونگے، اندھے فرمایا ہے''۔

اسی لیے آیتِ مذکورہ کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق فرمایا، اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ کہ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں کہ بدن کے صرف موجودہ ڈھانچہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ روٹی اور پیٹ ان کے فکر میں آخری معراج ہے، پھر فرمایا: بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ بلکہ یہ لوگ چوپاؤں اور جانوروں سے بھی زیادہ بے وقوف ہیں، وجہ یہ ہے کہ جانور احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں، ان کے لیے جزاء وسزا نہیں، اس کا مقصد اگر صرف موجودہ زندگی اور اس کے ڈھانچہ کی درستی تک رہے تو صحیح ہے، مگر انسان کو تو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس پر جزا وسزا ہونے والی ہے، اس لیے اس کا ان کاموں کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھنا جانوروں سے زیادہ بے وقوفی ہے، اس کے علاوہ جانور اپنے آقا و مالک کی خدمت پوری بجالاتے ہیں اور نافرمان انسان اپنے رب اور مالک کی خدمت میں قصور کرتا ہے اس لیے وہ جانوروں سے زیادہ بے وقوف اور غافل ٹھہرا، اسی لیے فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ''۔ [3]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ معنی حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے۔ تحقیق ہم نے (ایسے انسان) جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں۔ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا فرمایا: ان کے دل تو ہیں لیکن وہ امور آخرت میں سے کوئی شے سمجھتے نہیں۔ وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا

اوران کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ ہدایت کو دیکھتے نہیں۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اوران کے کان تو ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ حق بات سنتے نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں چوپاؤں کی طرح بنا دیا۔ پھر انہیں چوپاؤں سے بڑھ کر شریر بنا دیا اور فرمایا بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ پھر بتلا دیا کہ بے شک وہی لوگ بہت زیادہ غافل اور شریر ہیں۔ واللہ اعلم۔ [4]

حدیث:۔ دوزخ کی طرف سے ایک کشش پکارے گی۔ بس جتنے لوگ دنیا میں حق کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چل دیے تھے اور عمل صالح کی طرف سے اعراض کرتے اور مال سمیٹنے اور سمیٹ کرر کھنے میں مشغول رہے تھے۔ وہ سب دوزخ کی طرف کھنچے چلے آئینگے۔ بعض آثار میں ہے کہ دوزخ اول زبان قال سے پکاریگی "اِلَیَّ یا کَافِر، الیّ یا منافق الیّ یا جَامِع المالِ" (یعنی او کافر! او منافق! او مال سمیٹ کرر کھنے والے! اِدھر آ) لوگ اُدھر بھاگنے لگے۔ اس کے بعد ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح اٹھالیگی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھالیتا ہے۔ (العیاذ باللہ) [5]

5) آیات قرآنی: ہر ایک انسان اور خاص کر ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا لازمی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا ایک ایک جملہ صرف اللہ تعالیٰ نے کہا ہے نہ یہ جبرائیل علیہ السلام اور نہ ہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کہا ہے وہ جوں کا توں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا گیا تھا اور انہوں نے پھر انسانوں کو پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے اس کی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، اور قوت تاثیر کا کوئی ثانی نہیں ہے اس کی شریں بیانی، انداز ہدایت اور طرز بشارت اور انذار پتھر دلوں کو بھی موم کر کے معرفت ربانی اور رشد و ہدایت کی طرف رہبری کرتا ہے۔ کوئی اگر حق کا طالب ہو اور عمل کی نیت کے ساتھ اگر اس کا مطالعہ کرے تو اس میں غوطہ زن ہونے والے کو یہ قرآن اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر تقویٰ کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قرآن میں دیئے گئے تمام احکامات اور قوانین انسانی زندگی کے تمام شعبوں جیسے معاشرتی، معاشی، سیاسی معرفت، روحانیت، تزکیہ نفس، تنویر قلب، اور اخلاقیات وغیرہ کی کامیابی کے لیے ایک مکمل ضمانت ہیں۔ کوئی بھی ان کو کبھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ ان احکامات کو اختیار کر کے اور عمل صالح کرتے ہوئے ہر انسان کی آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور وہ اس دنیا اور آخرت میں چین سکون امن

اور فلاح کی زندگی گزار سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے جو انکشافات 1400 سال قبل کئے تھے جبکہ انسانی ارتقاء کا علم اس درجے تک نہیں پہنچ سکا تھا وہ آج ہماری سائنس اور دوسرے شعبوں کے علوم کی ترقی کی وجہ سے درست ثابت ہو چکے ہیں۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

i) دماغ کے ماتھے کی پیشانی کا حصہ گناہوں کے عوامل کا مرکز (سورۃ علق آیت 16-15)

ii) چوپایوں میں خون اور دودھ بننے کا نظام (سورۃ النحل، آیت 66)

iii) رات اور دن کا نظام اور سورج اور چاند کا فلک میں تیرنا اور گردش کرنا (سورۃ انبیاء، آیت 33)

iv) دو دریا/سمندروں کے بیچ میں سورش اور میٹھے پانی کی آڑ (سورۃ النحل آیت 61)

v) شہد کی مکھی کا چھتا اور مادہ مکھی کا شہد بنانے کا نظام (سورۃ النحل، آیت 69-68)

vi) چاند کی منعکس روشنی اور سورج کی چراغ کی مانند اپنی روشنی (سورۃ نوح آیت 16-15)

vii) کائنات کا مسلسل پھیلنا (سورۃ الزاریات، آیت 47)

viii) ہر شئ کی جوڑے میں تخلیق (سورۃ انبیاء آیت 30)

ix) بارش کے بعد زمین کا پھولنا پھٹنا اور پھر نباتات کا اگنا (سورۃ الحج آیت 5)

x) پانی سے ہر شئ کی تخلیق (سورۃ انبیاء آیت 30)

xi) بارش کے نظام میں ہواؤں کا دخل (سورۃ الروم آیت 48)

xii) بارش میں بجلی کے کڑکنے کی اور اس کی وجہ سے نباتات کے اگنے کی افادیت (سورۃ الروم آیت 24)

xiii) دو مشارق اور دو مغارب کا ہونا (یعنی زمین کا اپنے محور پر ایک طرف جھکا ہونا (سورۃ الرحمٰن آیت 17)

xiv) زمین کا شترمرغ کے انڈے کی شکل کا ہونا (سورۃ النازیات آیت 30)

xv) روشنی کی رفتار کا تعین اور حساب (سورۃ السجدہ آیت 5)

xvi) سمندر کے گہرائیوں کے اندھیرے (سورۃ نور آیت 40)

xvii) نظام اور مراحل تولید (سورۃ مومینون، آیت 14)

xviii) کھال میں درد محسوس کرنے والے خلیات (سورۃ نساء آیت 56)

xix) Big Bang نظریہ (سورۃ انبیاء آیت 30)

xx) کائناتی دھول (Cosmic Dust) (سورۃ فصیلات آیت 11)

xxi) نر یا مادہ بچے کی پیدائش میں مرد کا نطفہ ذمہ دار (سورۃ النجم آیت 46-45)

xxii) پہاڑوں میں سفید لال اور سیاہ رنگ کی وادیاں (سورۃ فاطر آیت 27)

xxiii) پہاڑ میخوں کے مانند گاڑ دیئے گئے تا کہ زمین میں اضطراب نہ ہو (سورۃ انبیاء آیت 31)

.....وغیرہ وغیرہ.....

اس کے علاوہ احادیث میں جو اس وقت درجنوں انکشافات کیئے گئے، اس میں سے بھی بیشتر سچ ثابت ہو چکے ہیں۔ جن قرآنی آیات کو انسانی ذہن فی الحال سمجھنے سے قاصر ہیں وہ سب بھی حق ہیں۔ ہمارا علم چونکہ فی الحال اس مقام تک نہیں پہنچ سکا کہ ہم ان کا ادراک کر سکیں۔ مثال کے طور پر سات (7) آسمان اور سات (7) زمین (ان کی حقیقت اور محل وقوع) روح کی حقیقت بڑے بڑے روزن سیاہ (Black Holes) جس میں ستارے ڈوب کر فنا ہو جاتے ہیں۔ آسمانوں میں بنے ہوئے بروج وغیرہ۔ مستقبل میں جب انسانی علم مزید ترقی کر کے کہیں اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا تو ان رازوں سے بھی ہم آشکار ہو سکتے ہیں۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ یہ باقی حل طلب انکشافات بھی سچ اور حق ہیں کیونکہ حکمت (Logic) کے اصول کے مطابق بھی اگر 85% انکشافات سچ ثابت ہو چکے تو باقی 15% (جن پہ لاعلمی کی وجہ سے دلائل نہیں اکھٹے کیے جا سکے) وہ بھی سچ تصور کیے جائیں گے۔

قرآن کا نزول جس دور اور عرب کے جس معاشرے میں ہوا وہاں لوگ دنیاوی علوم سے ناآشنا تھے، جہالت کا دور دورہ تھا۔ صرف عربی زبان اور عربی ادب میں لوگوں کو قابلیت حاصل تھی جس وجہ سے شعر و شعاری کا زیادہ رجحان تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمی تھے۔ اس کے باوجود ہزاروں اور پھر لاکھوں لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے اور کسی نے بھی کبھی قرآن اور حدیث میں بیان کردہ سیکڑوں انکشافات اور رازوں کو اپنے ایمان کی قبولیت کے لیے اول سچ ثابت کرنے کی شرط نہیں لگائی۔ وہ قرآن میں اترے ہوئے احکامات اور دلائل کی حقانیت اور صداقت کو قبول کرتے ہوئے ایمان لے آئے تھے اور اپنے عقائد اور اعمال اس کے مطابق درست کر لیتے تھے۔ مگر افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ آج کے دور کے پڑھے لکھے لوگ قرآن میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ درجنوں انکشافات کے عیاں ہونے کے باوجود وہ اُن چند رازوں کو اپنے بحث کا

موضوع بناتے ہیں جہاں تک انسانی علم ابھی تک رسائی حاصل نہیں کر سکا۔ حالانکہ ان بیشتر حقائق کے افشاں ہونے کے بعد کسی طرح کا شک وشبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہنے دیتا۔

یاد رکھیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور سائنس علم فطرت ہے۔ سائنس اور دنیا کے تمام علوم قرآن کے انکشافات اور احکامات کو حق ثابت کرتے رہے ہیں۔

(6) آیات الارضی

اگر ہم قرآن کو ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھیں اور اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور قرآن میں آیات کی ترتیب کو سمجھیں تو بے شمار حقائق تک ہماری رسائی ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ، آیت 29 میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ

O هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ O (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۹)

(وہی تو ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے)۔

اس کی بعد کی آیات میں پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اس دنیا میں ان کے آنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں حضرت انسان کی ضرورت کی ہر شئ پہنچادی تھی جو اس کی قیامت تک آنے والی ہر ضرورت کو پوری کر سکے۔ عربی کا لفظ ''جمیعا'' بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔ جس کے کوئی حدود وقیود نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ ہر وہ ضرورت کی چیزیں اور ان کی نوع جسکی کوئی حد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین اپنے خزانے مسلسل نکال رہی ہے اور انسان اپنے عقل وشعور اور علم وفن کا استعمال کرتے ہوئے اپنے آرام وآسائش کے لیے نت نئی ایجادات سے ارتقاء کی اعلیٰ منازل طے کر رہا ہے۔

زمین کے اندر چھپی بے شمار نعمتیں جیسے معدنیات، دھاتیں، تیل، گیس، کوئلہ، سونا، چاندی وغیرہ کے خزانے انسانوں کے لیے مسلسل ایک ذریعہ معاش اور ترقی کی ضامن ہیں۔ اس کے علاوہ خوبصورت پہاڑوں کے سلسلے، دریا، وادیاں، گھنے جنگل، سمندر اور صحرا سب انسانوں کے فائدے اور بقا کے لیے ضروری ہیں۔ حسین ورنگینی، پرندے، خوبصورت جانور، پانی میں بسنے والی مخلوق جیسے طرح طرح کی ناقابل یقین رنگت اور

بے شمار نوع کی حسین ترین مچھلیاں وغیرہ یہ سب حضرت انسان کے مشاہدے اور نظارے کے لیے ہی ہیں ورنہ ہرن کتنا خوبصورت جانور ہے مگر شیر کو اس کی خوبصورتی سے کیا مطلب، اس کو تو اپنی بھوک مٹانی ہے، وہ ہرن کو مار کے پھاڑ پھوڑ کے کھا جائیگا۔ یہی حال خوبصورت پرندوں اور مچھلیوں کا ہوتا ہے کہ ان کے حسن اور خوبصورتی کا شکار کرنے والے دوسرے جانوروں کو کوئی غرض یا سروکار نہیں ہوتا۔ یہ ساری کی ساری منظر کشی صرف حضرت انسان کے لیے کی گئی ہے کہ وہ اس میں غور وفکر کر کے اپنے خالق و مالک کو پہنچانے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کے احکامات کا پابند ہو جائے اور عمل صالح کرے۔

ان سب دلائل کے ساتھ ساتھ زمین سے اگنے والی اجناس، پھلوں، میوہ جات کے مختلف انواع واقسام اور ان کے پکنے کے مراحل کو بھی مشاہداتی دلیل کے طور پہ انسان کو دیکھنا چاہیے پھر دن رات کے بدلنے میں اور زمین کے مختلف خطوں میں موسموں کے آنے جانے میں بھی انسانیت کی بقاء کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار عقل وشعور اور علم وفن کی نعمتیں اور صلاحیتیں جس سے انسان اپنی ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایک غار کی زندگی سے نکال کر اس جدید پر رونق جگمگاتی اور پرآسائش زندگی گزارنے کے لائق بنالیا ہے دنیا میں بنے کشادہ دور جدید راستے، پر رونق بازار، بلند بالا عمارتیں، پرآسائش محلات، گھر اور نئی تیز رفتار آرام دہ سواریاں وغیرہ جن کا تصور بھی انسان پہلے نہیں کر سکتا تھا۔ مگر یہ آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی دنیا کی رونقیں اس لیے نہیں ہیں کہ انسان اس میں گم ہو جائے اور ان ہی کی طلب میں زندگی گزار دے بلکہ ان کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود کی طرف متوجہ ہو اور اپنے اعمال درست کرے۔

ے کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم ہے اس میں آفاق

ے عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
(علامہ اقبال)

***

باب-3

تکوینی اور تشریعی احکامات

اللہ تعالیٰ کے ان مزید دو احکامات کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(1) تکوینی احکامات: تکوینی احکامات وہ احکامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہر جان دار اور بے جان مخلوق کو دیئے گئے ہیں یا دیے جاتے رہتے ہیں۔ ان پر عمل نہ کرنے کا کسی کو کوئی بھی اختیار نہیں ہے۔ یعنی ان پر عمل کرنا ہر مخلوق کے لیے لازم ہے چاہے کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔ جیسے سورۃ حم السجدہ آیت 11 میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو فرمایا کہ تم دونوں میرے حکم میں آجاؤ اور تم کو آنا ہی ہوگا چاہے چاہو یا نہ چاہو (یعنی طوعاً اور کرھاً) تو انہوں نے کہا ہم آتے ہیں خوشی خوشی۔

O ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ (سورۃ حم السجدہ آیت:۱۱)

(پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اُس وقت محض دھواں تھا اُس نے آسمان اور زمین سے کہا "وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو" دونوں نے کہا "ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح")۔

"اس آیت میں آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ (لایتین) پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ اس وقت دھواں تھا یعنی اس کا مادہ دخان کی صورت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا فرمادیا اور زمین اور آسمان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں کو ہمارے حکم کے مطابق آنا لازم ہوگا خوشی سے آؤ یا زبردستی یعنی ہمارے احکام تکوینیہ جو تم دونوں میں جاری ہوں گے ان کے مطابق ہی تمہیں رہنا لازم ہوگا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو تمہارے اندر تاثیر ہوگی اس کے مطابق ہوگا تم اس کے خلاف نہیں کر سکتے اور یہ مقصد نہیں ہے کہ انہیں ماننے نہ ماننے کا اختیار دے دیا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ آسمان اور زمین دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ فرمانبرداری کے لیے حاضر ہیں۔"[3]

فلک میں موجود تمام ستارے، سیارے، کہکشائیں اور لامحدود مخلوق اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکامات کی پابند ہے اور اس کے مطابق مسلسل کام کررہے ہیں۔ ان کی رفتار، دائرہ کار، سمیت، وجود اور فنا ہونے کا وقت و مقام وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کے مطابق ہورہا ہے۔

اسی ہی طرح زمین، بادل، ہوا، سمندر، دریا اور پہاڑ وغیرہ کو بھی جو احکامات جس ساعت دے جاتے ہیں۔ وہ فوراً بجالاتے ہیں۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی ان تکوینی احکامات کے پابند ہیں اور بغیر کسی چوں چرا کے ان کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس ہی طرح زمین پہ بسنے والی تمام مخلوق جیسے چرند، پرند، چوپائے، درندے، شجر، حجر تمام حشرات الارض، کیڑے مکوڑے اور پانی میں بھی بسنے والی مخلوق، مچھلیاں، پودے، حجر و بحر وغیرہ وغیرہ سب کے سب ان ہی احکامات کے مطابق زندگی گزارر ہے ہیں۔ ان سب کو احکامات ودیعت کردیے گئے ہیں کہ کس طرح اپنی رہائش کا بندوبست کرنا ہے۔ رزق کیسے اور کہاں سے حاصل کرنا ہے، بچوں کی پرورش اور اپنی اور ان کی حفاظت کیسے کرنی ہے۔ شکار کرنے کا اور شکار سے بچنے کا طریقہ سب کچھ ان کی فطرت میں ڈال دیا گیا ہے۔

اس ہی طرح سے تمام انسانوں اور جنوں کو بھی بے شمار تکوینی احکامات مسلسل دیے جاتے ہیں۔ جس کا انکار کرنا اور جس پہ عمل نہ کرنا ان کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ مثال کے طور پر پیدائش اور موت کا وقت، تولید اور پرورش کے مراحل، حادثات، غم یا خوشی کے لمحات اور ان کے اثرات جسم کے اعضا کی نشوونما یا خرابی یعنی کسی بیماری کا پیدا ہوجانا یا اس سے شفایاب ہوجانا، ناخنوں کا بڑھنا، بالوں کا بڑھنا، یا جھڑ جانا DNA یا Cell میں کوئی تبدیلی واقع ہوجانا وغیرہ وغیرہ یہ سارے تکوینی احکامات تمام انسانوں اور جنوں کو مسلسل دیئے جاتے رہتے ہیں اور کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔

حتیٰ کہ ہماری موت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا رابطہ ہم سے ختم نہیں ہوتا اور وہ اپنی کمال صفات کے ساتھ موزوں اور مناسب احکامات جاری کرتا رہتا ہے۔

(2) تشریعی احکامات: یہ وہ احکامات ہیں جو حضرت انسان اور جنوں کو کسی شریعت کے نفاذ کے لیے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسولوں کی بعثت اور ان کی سنت کے ذریعے دیے جاتے ہیں۔ اِن احکامات کو ماننے یا نہ ماننے کا مکمل اختیار انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اگر کوئی ان احکامات پہ عمل کرے گا تو اس کی بہترین جزا اس دنیا اور آخرت میں اسے ملے گی اور جو عمل نہیں کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کا مستحق ہوگا۔

باب–4

اللہ تعالیٰ کا قانون/سنت

اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی کتاب اور رسولوں کے ذریعے ہر قوم کو حرام، حلال، نیکی اور بدی کے کاموں کی وضاحت کرتے رہے اور آخر میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انسانیت کے لیے ھادی بنا کر بھیجا اور قرآن کے ذریعے بھی نیکی اور بدی کے دونوں راستے واضح کر دیئے تا کہ انسان صالح عمل کرتے ہوئے چین، سکون، امن اور راحت کی زندگی گزارے اور دونوں جہاں میں اس کے لیے فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ تشریعی احکامات بھی عطا کئے تا کہ انسانوں کو مکمل اختیار ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے اس کی معرفت حاصل کریں یا نہ کریں اور پھر عطا کردہ عقل وشعور جیسی نعمت کو بروئے کار لا کر ان احکامات پر عمل کریں یا نہ کریں یعنی نیکی بدی کی کوئی ایک راہ اختیار کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین/سنت جو انسانوں اور جنوں کے لیے بنائے ہیں ان میں نہ تو کوئی تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی کوئی ان کو ٹال سکتا ہے۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

O وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ (سورۃ البلد آیت:۱۰)

(اور دونوں نمایاں راستے اُسے (نہیں) دکھا دیے؟)

''یعنی ہم نے محض عقل وفکر کی طاقتیں عطا کر کے اسے چھوڑ نہیں دیا کہ اپنا راستہ خود تلاش کرے، بلکہ اس کی راہنمائی بھی کی اور اس کے سامنے بھلائی اور برائی، نیکی اور بدی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیئے تا کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کر لے۔ یہ وہی بات ہے جو سورہ دھر میں فرمائی گئی ہے کہ ''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں، اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔'' [8]

''امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے سنان بن سعید کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دو راستے ہیں۔ پس تمہارے لیے شر کے راستے کو خیر کے راستے سے زیادہ پسندیدہ نہیں بنایا گیا۔'' [4]

اس ہی طرح سورۃ شمس میں اللہ تعالیٰ نے 7 چیزوں کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ ہم نے انسانوں میں نیکی اور

بدی الھام کردی پھر وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کو گناھوں سے آلودہ کیا۔

O فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَاO وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَاO (سورۃ شمس آیت ۸،۹،۱۰)

(پھر اُس کی بدی اور اُس کی پرہیزگاری اس پر الہام کردی O یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیاO اور نامراد ہوا وہ جس نے اُس کو دبادیا)۔

''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا الہام کے معنی دل میں ڈالنا۔ فجور کے معنیٰ کھلا گناہ اور تقویٰ کا مفہوم معروف و مشہور ہے۔ یہ جملہ بھی ساتویں قسم وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا کے ساتھ مربوط ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسانی کو بنایا، پھر اس کے دل میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کردیا، مراد یہ ہے کہ نفس انسانی کی تخلیق میں حق تعالیٰ نے گناہ اور طاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دیدی کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے گناہ کی راہ اختیار کرلے یا طاعت کی۔ جب وہ اپنے قصد و اختیار سے انہیں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی قصد و اختیار پر اس کو ثواب یا عذاب ملتا ہے۔ اس تفسیر سے وہ شبہ رفع ہو گیا کہ گناہ اور طاعت جب خود انسان کی تخلیق میں رکھ دی گئی تو وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوا۔ ایسی صورت میں وہ نہ کسی ثواب کا مستحق ہے نہ عذاب کا، اور یہ تفسیر ایک حدیث مرفوع سے مستفاد ہے۔

اس سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَاO وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا، یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا۔ تزکیہ کے اصلی معنی باطنی پاکی کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا۔ اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسادیا۔'' [3]

پھر سورۃ الدھر میں بھی فرمایا کہ ہم نے دونوں راستے انسان کو دکھادیئے اب چاہے وہ نیکی اور عمل صالح اختیار کر کے شکر گزار اور کامیاب ہوجائے یا پھر بدی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے کفر میں مبتلا ہو کر ناکامیاب ہوجائے۔

O اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (سورۃ الدھر آیت ۳)

(ہم نے اسے راستہ دکھادیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا)۔

''اور انسان کو صرف حیات دے کر آزمائش میں نہیں ڈالا بلکہ اس کو عقل وفہم سمع وبصر کا عطیہ دیا ہے وہ سمجھتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہدایت کو اس کی عقل وفہم پر نہیں رکھا بلکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے واسطے سے حق راہ بتائی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ تمام انسان اپنے خالق کو پہچانتے، مخلوق کو دیکھ کر خالق کی معرفت حاصل کرتے اور حضرات انبیائے کرام علیہم اصلاۃ والسلام نے جو دین پیش کیا، اسے قبول کرتے اور اللہ کے شکر گزار بندے بنتے لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہوگئیں اور ان میں سے بعض شکر گزار بنے اور بعض ناشکرے بن گئے۔ مومن بندے شکر گزار ہیں، غیر مومن یعنی کا فر ناشکرے ہیں، جنہوں نے عقل اور سمع وبصر سے حقیقی فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے کفر اختیار کر لیا۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: (تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال والا کون ہے)''[6]

نیکی اور بدی کے دونوں راستوں کی نشاندی کرنے اور انسانوں کو کلی اختیار دینے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس کے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پابندی نہ کرے اس کو سزا دے اور جو صالح اعمال کرتے ہوئے ان احکامات کا پابند رہے اس کو بہترین جزا دے۔

O لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ط مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا O وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا O (سورۃ نساء آیت: ۱۲۳، ۱۲۴)

(انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حامی ومددگار نہ پاسکے گا O اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی O)۔

''یعنی ایمان صرف آرزو کا نام نہیں ہے۔ ایمان وہ ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے، بہت سے لوگوں کو مغفرت کی اُمیدوں نے غفلت میں ڈال دیا یہاں تک کہ دنیا سے اس حال میں

چلے گئے کہ ان کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی انہوں نے کہا کہ ہم اللہ سے اچھا گمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے اس خیال میں جھوٹے تھے۔ اگر اللہ سے اچھا گمان رکھتے تو عمل بھی اچھے کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی آرزوؤں پر بھروسہ کر کے ہلاک ہوئے تم آرزوؤں پر بھروسہ نہ کرو۔ ایمان پر استقامت رکھتے ہوئے اعمالِ صالحہ انجام دیتے رہو''۔

بُرے اعمال کا بدلہ ملے گا.... پھر فرمایا: مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ (یعنی جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) ان الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ قانونی اعتبار سے ہر برائی پر مواخذہ ہے اس کی جزا مل جائے گی یہ قانون ہے۔ ضروری نہیں کہ واقعی طور پر ہر گناہ پر سزا مل ہی جائے کیونکہ سچی توبہ واستغفار سے بھی گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اعمال صالحہ سے بھی برائیوں کا کفارہ ہوجاتا ہے اور دنیا میں جو کچھ سزا ملتی ہے وہ چھوٹی موٹی تکلیف اور مصیبتوں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

مؤمنین مؤمنات کے لیے بھر پور ثواب...... پھر فرمایا: وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى (الآیۃ) اس آیت کے بارے میں لباب النقول میں حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا کہ جب آیتِ کریمہ لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِىِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ نازل ہوئی تو اہل کتاب نے مسلمانوں سے کہا کہ پھر ہم اور تم برابر ہوگئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتادیا کہ جو بھی کوئی شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس میں لفظ مؤمن بڑھا کر یہ بتادیا کہ اہلِ کتاب جب تک مؤمن نہ ہوں گے انہیں کسی عمل کا کوئی ثواب نہ ملے گا اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ لہٰذا مؤمن کافر میں برابری کی کوئی صورت نہیں۔ اہل ایمان سے جو یہ فرمایا کہ آرزوؤں پر مدار نہ رکھو۔ اس میں ایمان پر استقامت اور اعمالِ صالحہ میں مشغول رہنے کی تاکید فرمائی یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا ایمان کام نہ دے گا۔ اہل کتاب کافر ہیں۔ اگر کفر پر مر گئے تو انکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اہل ایمان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ پھر برابری کہاں ہوئی؟'' [6]

''پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کو مطابق اسکے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند، دین حق اور ہدایت پر چلنے والا، رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لیے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا۔ خلوص سے

یہ مطلب کہ فقط اللہ کی رضا مندی مطلوب ہو اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث کے موافق ہونے سے ٹھیک ہوجاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہوتو وہ عمل فاسد ہوتا ہے۔ اخلاص نہ ہونے سے منافقت آجاتی ہے۔ لوگوں کی رضا جوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہوجاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا۔'' [1]

○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ (ورۃ النجم آیت:۳۱)

(اور زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اُن لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنہوں نے نیک رویہ اختیار کیا ہے)۔

''لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور گمراہوں سے ہدایت یافتہ لوگوں کو الگ کر دیا اور ان کے اچھے برے احوال کو محفوظ رکھا تاکہ مشرکوں اور گناہ گاروں کو ان کے کئے کی سزا دے اور مخلص نیکوکاروں کو اچھا ثواب یعنی جنت عطا کرے۔ یا بالحسنی کا یہ مطلب ہے کہ ان کے سب سے اچھے عمل یعنی اخلاص کی جزا دے۔''[2]

یہی اللہ تعالیٰ کا جزا و سزا کا قانون (سنت) ہے۔ اس ہی قانون کے مطابق جن امتوں (قوموں) نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے رسولوں کو جھٹلایا یعنی کتاب کو پسِ پردہ ڈال کر رسولوں کی تعلیم پہ عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو اس دنیا میں ذلیل و پست اور تباہ کر دیا۔ قرآن بار بار مختلف اقوام (جیسے قوم نوحؑ، قوم ثمود، قوم عاد، قوم شعیبؑ، قوم لوطؑ، قوم فرعون وغیرہ) کی تباہی کا سبب اس ہی قانون تحت بیان کرتا ہے۔

اجتماعی اور انفرادی سزا و جزا اس ہی قانون کے تحت دی جاتی ہے فرق یہ ہے کہ قوموں، امتوں کو اجتماعی سزا یا جزا اس دنیا میں دے دی جاتی ہے مگر انفرادی طور پر ہر انسان کے اعمال پہ جزا و سزا کا فیصلہ آخرت میں ہونا ہے۔ زیادہ تر مواقع پر اللہ تعالیٰ انفرادی طور پر ہر انسان (کافر، مشرک، یا گناہ گار مسلمانوں وغیرہ) کو اس دنیا میں ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور گناہوں اور سرکشی پر فوراً نہیں پکڑ لیتے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ''حلیم'' بھی ہیں اور وہ اپنی اس صفت کا مظاہرہ کر کے انسانوں کو مسلسل سنبھلنے اور توبہ کر کے قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کر کے اپنے اعمال درست کرنے کا موقع فراہم کرتے رہتے ہیں تاکہ انسان دنیا اور آخرت کے عذاب

سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی یہ نہیں چاہتے کہ کسی بھی انسان کو سزا و عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ یہ بالکل اس ہی طرح ہے کہ کسی بھی منصف یا جج کی یہ ذاتی خواہش نہیں ہوتی کہ مجرم کو سزا دی جائے وہ تو ایک قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس لیے علماء کا قول ہے کہ ''ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں اس کی ذاتی خواہش بھی شامل ہو'' قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضا میں بڑا فرق ہے جس کو نظر انداز کر دینے سے بالعموم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ کسی چیز کا اللہ کی مشیت اور اس کے اذن کے تحت رونما ہونا لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ اللہ اس سے راضی بھی ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔ (کتابچہ تقدیر و مشیت الٰہی کی حقیقت، مولانا مودودی)۔ اس کے فیصلے تو اس کے بنائے ہوئے قانون (سنت) کے مطابق ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس سنت میں نہ کوئی تبدیلی اور نہ کوئی تغیر ممکن ہے۔

O اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (سورۃ فاطر آیت: ۴۳)

(یہ زمین میں اور زیادہ استکبار کرنے لگے اور بری بری چالیں چلنے لگے، حالانکہ بُری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں اب کیا یہ لوگ اِس کا انتظار کر رہے ہیں کہ پچھلی قوموں کے ساتھ اللہ کا جو طریقہ رہا ہے وہی ان کے ساتھ بھی برتا جائے؟ یہی بات ہے تو تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے)۔

''فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ (سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں) فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (سو آپ ہرگز اللہ کے سنت (قانون) میں تبدیلی نہ پائیں گے) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (اور آپ ہرگز اللہ کے سنت (قانون) میں منتقل ہونا نہ پائیں گے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ کافروں پر عذاب ہوگا خواہ دنیا و آخرت دونوں میں ہو، خواہ صرف آخرت میں ہو، اور یہ بھی دستور ہے کہ جو عذاب کا مستحق ہو اسی کو عذاب ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ انہیں چھوڑ کر کسی دوسری قوم کو عذاب ہو جائے جو مستحق عذاب نہ ہو، ان کا ڈھنگ اور طریقہ کار ایسا ہے جیسے عذاب کے منتظر ہوں اور وجہ اس کی عناد اور باطل پر اصرار ہے، چونکہ عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین نہیں اس لیے عذاب کے انتظار میں بیٹھے ہیں، انتظار کرنے سے عذاب سے حفاظت نہ ہو جائیگی۔ آنے والا عذاب آ کر رہے گا۔''[6]

○ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰۤى اِلَّا مِثۡلَهَا وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ (سورۃ الانعام آیت ۱۶۰)

(جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے، اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے، اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا)۔

''اس آیت کے الفاظ میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہاں لفظ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فرمایا ہے عَمِلَ بِالۡحَسَنَةِ نہیں فرمایا، تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ محض کسی نیکی یا بدکام کر لینے پر یہ جزا و سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ جزا و سزا کے لیے موت کے وقت تک اس عمل نیک کا قائم رہنا شرط ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نیک عمل کیا، لیکن پھر اس کے کسی گناہ کی شامت سے وہ عمل حبط اور ضائع ہو گیا تو وہ اس عمل پر جزا کا مستحق نہیں رہا، جیسے معاذ اللہ کفر و شرک تو سارے ہی اعمال صالحہ کو برباد کر دیتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے گناہ ایسے ہیں جو بعض اعمالِ صالحہ کو باطل اور بے اثر کر دیتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہے لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى، یعنی تم اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا ایذا پہونچا کر باطل اور ضائع نہ کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کا عملِ صالح احسان جتانے یا ایذاء پہنچانے سے باطل اور ضائع ہو جاتا ہے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھالتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جو اعمالِ صالحہ نوافل اور تسبیح وغیرہ کئے گئے ہیں وہ دنیا کی باتیں کرنے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔''[3]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں مقدر کر دی ہیں اور پھر انہیں صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ پس جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک مکمل نیکی کا بدلہ لکھا ہے اور اگر اس نے ارادہ کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنے یہاں دس گنے سے سات سو گنے تک نیکیاں لکھی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور پھر اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنے یہاں ایک نیکی لکھی ہے اور اگر اس نے ارادہ کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اپنے یہاں اس کے لیے صرف ایک برائی لکھی ہے۔ (حدیث صحیح بخاری 6491)

یہ بات اور ہے کہ اللہ تعالیٰ خصوصی فضل وکرم کا معاملہ فرمائیں اور اپنے ہی بنائے ہوئے قانون جب چاہے اور جس کے لیے چاہے توڑ دے یا بدل دے۔اس کی حکمت وہ ہی خوب جانتا ہے کسی کو اختیار نہیں کہ وہ اس کو چیلنج کرے۔وہ مالک کل ہے، ''فعّالٌ لمایُرید'' ہے۔وہ جو چاہے کرتا ہے۔مگر ہم سے یہ نہیں کہا گیا کہ اس کی اس صفت پر بھروسہ کرتے ہوئے دانستہ طور پر گناہوں میں ملوث رہیں اور سچی توبہ نہ کرتے ہوئے جو چاہیں جیسے چاہیں اس کے احکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے بداعمال کرتے رہیں اور جزا وسزا کی فکر نہ کریں۔اور یہ سوچ کر بیٹھے رہیں کہ موت کے وقت توبہ کرلیں گے۔

O اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ ط وَ كَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًاO وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا O (سورۃ النساء آیت ۱۷،۱۸)

(ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق اُنہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہےO مگر توبہ اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت وقت آ جاتا ہے اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی، اور اسی طرح توبہ اُن کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہےO)۔

''توبہ کی توفیق بھی صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور موت کے وقت کی توبہ اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں ہے۔اس لیے فلاح پانے کے لیے ہم کو عمل صالح کرتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے''۔

عبدان نے بیان کیا، ان سے ابوحمزہ نے، ان سے اعمش نے، ان سے سعد بن عبیدہ نے، ان سے ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اور ان سے علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کھرید رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اسی اثناء میں) فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا جہنم کا یا جنت کا ٹھکانا لکھا جا چکا ہے، ایک مسلمان نے اس پر عرض کیا: یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! پھر کیوں نہ ہم اس پر بھروسہ کر لیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں عمل کرو کیونکہ ہر شخص (اپنی تقدیر کے مطابق) عمل کی آسانی پاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی (فأما من أعطی واتقی) الآیہ پس جس نے راہ للہ دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔۔۔ الخ۔ (حدیث بخاری 6605)

ایک اور اللہ تعالیٰ کا قانون سنت جو آگے بیان کیا جارہا ہے وہ ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خاص کر ان مسلمانوں کو جو غیر مسلم ممالک میں سکونت اختیار کر کے کافر اور مشرکوں کے ملازم بن جاتے ہیں اور پھر ان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ہمارے مسلمان بھائیوں کی زبان نہیں تھکتی۔

پہلے تو اگر کسی کو غلط فہمی ہے تو وہ اس حقیقت کو سمجھ لے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے نبی اور پیغمبر آئے سب کے سب مسلمان تھے اور سب کا دین اسلام تھا، صرف ان کی شریعتوں میں فرق تھا، یعنی حرام، حلال اور جائز ناجائز کی تفاصیل میں فرق تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (جن کا لقب اسرائیل تھا) وہ اور ان کے بارہ بیٹے (یعنی بنی اسرائیل) سب مسلمان تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بھی مسلمان تھے۔ نہ وہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے۔ اس ہی طرح حضرت یعقوبؑ ان کے والد حضرت اسحٰقؑ اور ان کے دادا حضرت ابراہیمؑ سب کے سب مسلمان تھے۔

O مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورۃ آل عمران: آیت ۶۷)

(ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا)۔

یہودیت یا نصرانیت کوئی دین نہیں ہے۔ یہ صرف قوموں کے نام ہیں۔ پھر قرآن کے نزول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد پچھلی تمام کتابیں، صحیفے اور شریعتیں منسوخ ہوگئیں ہیں۔ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات اب قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے لازماً نافذ عمل ہیں۔ اس لیے کوئی بھی انسان کسی بھی نسل سے ہو، گورا، کالا، یورپ، امریکا، افریقہ یا دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی ہستی کو شریک نہ کرتے ہوئے اس کا اقرار کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ کافر ہے اور مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اس کے علاوہ کوئی دین اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں۔ جو بھی کوئی اور

طریقہ زندگی (دین) اسلام کے سوا اپنائے گا وہ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والا اور نامراد ہوگا۔

○ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۣ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (سورۃ آل عمران آیت ۱۹)

(اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے اُن لوگوں نے اختیار کیے، جنہیں کتاب دی گئی تھی، اُن کے اِس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کردے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی ہے)۔

○ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۸۵)

(اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا)۔

قرآن بار بار اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ تمام غیر مسلموں، کافروں اور مشرکوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور ان کا ٹھکانا ہمیشہ کے لیے جہنم ہے الا یہ کہ وہ اس دنیا میں موت سے قبل سچی توبہ کر کے دین اسلام کو قبول کرلیں۔ اب جو ہمارے مسلمان بھائی اس نظریہ کے قائل ہیں کہ ''تمام دین اور فرقے ٹھیک ہیں اور ہم کو سب کا احترام کرنا چاہیے'' ان کے لیے بہتر ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں احادیث کا مطالعہ کریں اور اپنے عقائد درست کرلیں۔

غیر مسلموں کو ان کے نیک اعمال کی جزا اس دنیا میں دے دی جاتی ہے:

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ کافر مشرک اور غیر مسلم بہت اچھے اعمال بھی کرتے ہیں جو تمام انسانیت کے لیے فائدہ مند ارام اور آسائشوں کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں مثلاً انہوں نے آج کے دور میں دنیا کے تمام علوم کے شعبوں میں بے پناہ محنت اور لگن سے کام کر کے ایجاد اور ترقی کے عروج کی اعلیٰ ترین کامیابیاں حاصل

کرلیں ہیں۔ چانداور دوسرے سیاروں پہ کمند ڈال دیں۔ پھر عمومی طور پر کچھ اچھے اوصاف جیسے وعدے اور وقت کی پابندی کرنا ، دیانتداری سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا، قوانین کا احترام دوسروں کی مدد، چندہ و خیرات اور انسانی دوستی وغیرہ جسے اعلیٰ صفات کو اپناتے ہوئے ایک نہایت منظم، محفوظ اور امن وامان والا معاشرہ اپنے لوگوں کے لیے بنالیا ہے جو بدعنوانی، جھوٹ اور غربت سے بالعموم آزاد ہے ہم مسلمان بھی ان کی ترقی اور عروج کو دیکھ کران کے اچھے اوصاف کے گن گاتے رہتے ہیں مگر یہ یادرکھیں کہ ''اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے''

O ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (سورۃ ال عمران آیت:۱۸۲)

(یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے)۔

اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضایع نہیں کرتے ان لوگوں کے تمام اچھے اعمال اوصاف اور نیکیوں کا اجران کو اس دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کے نتیجے میں ان کو ایک پرآسائش زندگی جس میں بہترین گھر، سڑکیں، سواریاں، کامیاب معیشت اعلیٰ قسم کی تعلیم اور طبی سہولیات، بیوئی، بچوں کے ساتھ چین اور امن کے ماحول کے ساتھ ایک معین مدت تک کے لیے عطا کردی جاتی ہے۔ پھر چونکہ انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں وقت اور قوت صرف دنیا کا علم اور ترقی کے لیے وقف کررکھیں ہیں۔ اس لیے اس دنیا میں ان کو دوسروں پہ غلبہ اور فتح کے دروازے بھی کھول دیے جاتے ہیں مگر وحی کے علم (یعنی قرآن اور حدیث) کی غفلت کی وجہ سے ان کے لیے آخرت میں اب کوئی حصہ نہیں ہے اور ان کے سارے اچھے اعمال کی جزا چونکہ دنیا میں مل چکی ہوگی اس لئے وہ آخرت میں حبط کر لیے جائیں گے۔ لازم تو یہ تھا کہ دنیا کے علم کے ساتھ ساتھ وحی قرآن وحدیث کے علم پہ بھی عمل پیرا ہوتے۔

اب اس کے برعکس ذرا مسلمانوں کی حالت زار کو سمجھنے کی کوشش کریں! اللہ تعالیٰ کا قانون (سنت) ہے کہ جب کسی قوم امت کو کوئی کتاب دی جاتی ہے اور اس کے طرف کسی رسول کو بھیجا جاتا ہے اور پھر وہ امّت زبان سے دعوی تو کرے کہ یہ کتاب ہماری ہے اور یہ رسول ہمارے ہیں مگر کتاب اور رسول کے احکامات پر عمل نہ کرے اور ان کی ایک کثیر تعداد گناہ فسوق و فجور میں مبتلا ہوکر عمل صالح کرنا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس امت پر عذاب کا کوڑا برساتے ہیں، یہ عذاب مختلف شکلوں میں نازل ہوتا ہے۔ کافروں اور مشرکوں کو غلبہ عطا کر کے لاکھوں امتی ہلاک کردیئے جاتے ہیں۔ ان کے گھر بار شہر تباہ برباد ہوجاتے ہیں یا آپس میں فرقے

پیدا کر کے فساد برپا کر دیا جاتا ہے۔ دہشت گردی، چوری ڈاکہ اور بدعنوانی اور اغواء جیسے گھناؤنے جرائم سے ان کا معاشرہ اور معیشت تباہ کر دی جاتی ہے۔ یا پھر نا اہل اور بدعنوان حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو لوگوں کا خون چوس کر انہیں فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے خودکشیوں پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اکثر اللہ تعالیٰ کا عذاب زمین اور آسمان سے مختلف آفات کی صورت میں بھی نازل ہوتا ہے۔لیکن افسوس اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان بے عمل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احساس تک نہیں ہوتا کہ سچی توبہ کر کے قرآن اور حدیث کی طرف لوٹیں اور اپنے اعمال درست کریں۔ یہ سب اس وجہ سے کہ انہوں نے امتی ہونے کے دعویٰ کے باوجود وحی کے علم پر عمل نہیں کیا اور قرآن کو چھوڑ دیا۔ یہی استغاثہ اللہ کے رسول ﷺ آخرت میں اپنی امت کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں گے۔

○ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (سورۃ فرقان آیت:۳۰)

(اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا)۔

"**شکایت نبوی ﷺ**:۔ قیامت والے دن اللہ کے سچے رسول آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی امت کی شکایت جناب باری تعالیٰ میں کریں گے کہ نہ یہ لوگ قرآن کی طرف مائل تھے نہ رغبت سے قبولیت کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اوروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے تھے جیسے کہ کفار کا مقولہ خود قرآن میں ہے کہ وہ کہتے تھے: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور وغل کرو۔ یہی اس کا چھوڑ رکھنا تھا۔ نہ اس پر ایمان لاتے تھے، نہ اسے سچا جانتے تھے، نہ اس پر غور و فکر کرتے تھے، نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، نہ اس پر عمل تھا، نہ اس کے احکام کو بجالاتے تھے، نہ اس کے منع کردہ کاموں سے رکتے تھے بلکہ اس کے سوا اور کاموں میں مشغول و منہمک رہتے تھے جیسے شعر و شاعری، غزلیات، باجے گاجے، راگ راگنیاں، اسی طرح اور لوگوں کے کلام سے دلچسپی لیتے تھے اور ان پر عامل تھے، یہی اسے چھوڑ دینا تھا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم و منان جو ہر چیز پر قادر ہے، ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے ناپسندیدہ کاموں سے دست بردار ہو جائیں اور اس کے پسندیدہ کاموں کی طرف جھک جائیں۔ وہ ہمیں اپنے کلام کی سمجھ دے اور دن رات اس پر عمل کرنے کی ہدایت دے، جس سے وہ خوش ہو، وہ کریم و وہاب ہے۔" [1]

"قرآن کو عملاً ترک کر دینا بھی گناہِ عظیم ہے:۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور و متروک کر دینے

سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے۔ مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرتیں ہیں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئیگا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کریگا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔'' [3]

چونکہ وحی کے علم اور عمل سے غافل رہے اس لیے ایک اور سزا ایسے امتیوں کو یہ دی جاتی ہے کہ دنیا کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت بھی ان سے تلف کر لی جاتی ہے۔ اس کے دروازے ان کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں۔ سخت کم ہمتی، کاہلی، ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور دنیا کے علم اور ترقی کے حصول میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، ہمیشہ پسماندہ اور غیر مسلموں کے مرہونِ منت اور زیر اثر رہ کر زندگی گزارتے ہیں اور اس ہی پے فخر کرتے رہتے ہیں۔ ہم کئی سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ مسلمانوں کو دنیائے علم میں کوئی نمایاں کارکردگی حاصل کرنے میں کتنے Nobel Prize ملے ہیں۔ جبکہ غیر مسلموں کو تو سیکڑوں کے حساب سے یہ تمغے دیئے جا چکے ہیں۔

آج کے دور میں جو مسلمانوں کی حالت زار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ان قوانین، سنت کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کوئی اگر یہ سمجھنا چاہے کہ مسلمان مغلوب کیوں ہیں اور کافر غالب کیوں ہو گئے ہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ مسلمان صرف اب نام کے مسلمان ہیں وہ مومن نہیں ہیں۔ قرآن مسلسل مسلمانوں کو مومن بننے کا تقاضہ کرتا ہے مومن وہ ہے جو مسلمان ہونے کے بعد عمل صالح کرتا رہے۔

ایک اور بہت پریشان کن اور غور طلب حقیقت یہ ہے کہ آج کے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آحادیث/سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غافل ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو صحیح طرح سے سمجھ بھی نہیں سکتے۔ یہ بھی مسلمانوں کی پستی اور گمراہی کا بڑا اسبب ہے۔

باب-5

احادیث اور سنت رسول ﷺ کی اہمیت

اگر ہم قرآن شریف کو ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھیں تو ہم کو علم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں بار بار فرماتے ہیں کہ ''**اطیعواللہ واطیعوالرسول**'' یعنی حکم یہ دیا جارہا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ عربی میں اطاعت کے معنی ہیں کہ جو کہہ دیا گیا اس پر عمل کرنا، قرآن شریف میں جو بھی احکامات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی عمل کرنے کا حکم دیا اس کو ویسے ہی کرنا ہے جیسا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر کے بھی دکھا دیا ہے۔ یہی سنت ہے اور سنت کا ذخیرہ احادیث شریف میں موجود ہے۔ ہر مسلمان کے لیے سنت کے مطابق عمل کرنا اس عمل کی قبولیت کے لیے شرط لازم ہے۔ اگر استطاعت ہونے کے باوجود کوئی عمل نہیں کرتا وہ سخت گناہ گار اور سخت سزا کا مستحق ہے۔

دین اسلام میں عمل کرنے کا سارا دارومدار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنے والی وحی پر ہے۔ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کتاب اللہ (یعنی قرآن) اور دوسری سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنے آخری خطبہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب کو یہ تاکید کر گئے ہیں کہ ''میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک قرآن اور دوسری میری سنت۔'' اس لیے وحی کی دو اقسام ہیں ایک وحی جلی جو کہ قرآن ہے اور دوسری وحی خفی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثابت شدہ اقوال، افعال اور تقاریر ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بھی عمل یا بات یا حکم اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں کرتے تھے اس لیے ان کی سنت کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔ یعنی سنت سے مراد تین چیزیں ہیں، (1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول (2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل (3) کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات یا عمل ہوتے ہوئے دیکھا یا سنا اور اسے منع نہیں فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا۔ اسے تقریر کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات (جو قرآن مجید میں ہیں) کو سمجھنے کے لیے اور ان پر صحیح طرح عمل کرنے کے لیے سنت کا مطالعہ اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ بدقسمتی سے مغربی ماحول اور اس کی تعلیم کی یلغار کی وجہ سے اور پھر دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کے باعث مسلمانوں میں قرآن اور آحادیت کی تعلیم کا رجحان وقت کے ساتھ رفتہ رفتہ ختم ہوتے ہوتے صرف علماء کرام، مولویوں اور مدارس تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس

ہی وجہ سے ہم اور ہماری نسلیں احادیث کی اہمیت سے ناواقف ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عمومی اور بنیادی طور پر دو طبقات پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ پڑھے لکھے مسلمان جن کے علم اور عمل کا دائرہ صرف ان احادیث پر مبنی ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے گھر، اپنے خاندانوں یا اپنے آباؤاجداد، بزرگوں سے سنیں اور ان کو عمل کرتے ہوئے دیکھا یا جو معاشرے میں عموماً رائج ہوگئیں ہیں۔ جیسے سنتوں کی تعداد، نماز کا طریقہ، روزے کی سنتیں، حج اور عمرے کے ارکان، ولادت اور تدفین وغیرہ کے چند احکامات وغیرہ وغیرہ ان لوگوں کا اپنا کوئی احادیث کا مطالعہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی موضوع پر تحقیق کرنے کے لیے ان کے گھروں میں مستند احادیث کا کوئی ذخیرہ ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی لاعلمی اور کم فہمی کی وجہ سے جھوٹی اور من گھڑت احادیث کو بھی صحیح جان کر اس پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک پورا دین صرف وہی ہے جسے انھوں نے اپنے گھر والوں یا خاندان والوں کو عمل کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کے خلاف اگر کوئی حدیث بیان کی جائے یا سنت پر عمل کرنے کو کہا جائے تو وہ ان کو سخت ناگوار ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کے نفس اور طرز زندگی پر بہت گراں گزرتا ہے۔ ہاں ایسی احادیث جن کا ان کے طرز عمل سے تعلق نہیں وہ ان کو قبول ہیں جیسے اللہ کے رسول ﷺ کی وہ احادیث جس میں قیامت کی پیش گوئیاں کی گئیں ہیں وغیرہ وغیرہ ان پر نہ صرف یقین رکھتے ہیں بلکہ فخریہ بیان بھی کرتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ جیسا کہہ گئے ویسا ہی ہو رہا ہے۔

دوسرا طبقہ ان مسلمانوں کا ہے جو مغربی ماحول، تہذیب اور تعلیم سے مرعوب ہونے کی وجہ سے احادیث کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ وہ قرآن کو اپنی ناقص عقل سے سمجھ کر اپنے عقائد قائم کرتا ہے اور اس پر ہی عمل پیرا رہتا ہے۔ منکر حدیث کے اس بہت بڑے طبقے نے ''جدید اسلام'' کی بنیاد ڈال دی ہے اور وہ سنت رسول ﷺ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔

''میں تمہارے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرے احکامات میں سے کوئی حکم آتا ہے جس میں، میں نے کسی چیز کا حکم دیا ہے یا کسی چیز سے منع کیا ہے اور وہ شخص کہے ہم اس حکم کو نہیں مانتے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جو پایا اس پر عمل کرلیا (سنن ابی داؤد کتاب السنہ باب 6 حدیث 4607)

اس طرح کوئی مسلمان اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ تو کرے مگر سنت رسول ﷺ کا انکاری ہو تو اس کے لیے قرآن میں سخت وعید ہے۔

○ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ ال عمران آیت:۳۱)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگوں سے کہہ دو کہ، "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے")۔

محبت کے دعویداروں کو تنبیہ.... جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے اور صرف اللہ سے محبت کرنے کے دعویدار ہیں ان کے لیے تو آیت شریفہ میں تنبیہ ہے ہی کہ جب تک محبوبِ رب العالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک نہ کہو گے ان کی دعوت اور ان کا دین قبول نہ کرو گے اللہ سے محبت کرنے والوں میں اللہ کے نزدیک شمار نہ ہو گے اور تمہاری محبت اور محبت کا دعویٰ سب ضائع ہے۔ بیکار ہے اور اکارت ہے۔ ساتھ ہی ان مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے جو اللہ سے محبت کے بھی دعویدار ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا بھی بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرتے ہیں لیکن بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع اور اطاعت سے دور ہیں۔ کاروبار بھی حرام ہے پھر بھی اللہ ورسول سے محبت ہے۔ داڑھی منڈی ہوئی ہے پھر بھی محبت کا دعویٰ ہے۔ لباس نصرانیوں کا ہے پھر بھی مدعیان محبت ہیں، ملکوں کو کافروں کے قوانین کے مطابق چلاتے ہیں پھر بھی محبت کرنے والے ہیں، یہ محبت نہیں محبت کا دھوکہ ہے اور جھوٹا دعویٰ ہے۔ **اگر اللہ سے محبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرو۔**[6]

○ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۠ (سورۃ النساء آیت:۱۴)

(اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اُسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے)۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی پر وعید:۔

"احکامِ خداوندیہ پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں خدائے پاک کے قانون کو توڑنا اور حد بندیوں سے آگے بڑھنا بغاوت ہے اور قانون کی پاسداری کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضامندی اور اس کے انعامات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ فرمانبرداروں کے لیے باغ ہیں جو دارالنعیم میں ہوں گے۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں

داخل ہوجانا بہت بڑی کامیابی ہے اور جولوگ حدود وقوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ نافرمان ہیں۔ نافرمانوں کی سزا دوزخ کا عذاب ہے جو ذلیل کرنے والا ہے۔اس میں ہمیشہ رہیں گے، جولوگ اللہ تعالیٰ کے دین کونہیں مانتے یا جھوٹے منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اللہ کے قوانین کو غلط قرار دیتے ہیں ان کو ظالمانہ قوانین بتاتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں وہ تو کافر ہیں ہی ان کے لیے سزا دائمی اور ابدی ہے ان کو دوزخ سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا اور جولوگ ایمان رکھتے ہوئے بے عمل ہیں سزا کے مستحق وہ بھی ہیں۔اللہ کی جب مشیت ہوگی ان کی دوزخ سے رہائی ہوجائے گی''۔[6]

انسانوں کو اپنی فلاح کے لیے چار چیزوں پر عمل کرنا لازم ہے جس کا ذکر قرآن میں سورۂ نور آیت 52 میں بھی کہا گیا ہے۔

O وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَخۡشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقۡہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ

(سورۃالنورآیت:۵۲)

(اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں)۔

چار شرطیں:۔اس آیت میں چار چیزیں بیان کرکے فرمایا ہے کہ جو ان چار چیزوں کے پابند ہیں وہ ہی بامراد اور دین و دنیا میں کامیاب ہیں۔ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا جب وہ سُنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمولیا ہے تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیتِ مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب وغریب اس طرح بیان کی ''وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ'' فرائض الٰہیہ سے متعلق ہے۔''وَ رَسُوۡلَہٗ'' سُنتِ نبوی کے متعلق ہے۔''وَ یَخۡشَ اللّٰہَ'' گزشتہ عمر کے متعلق ہے۔''وَ یَتَّقۡہِ'' آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔جب انسان ان چار چیزوں کا عامل ہوجائے تو اس کو فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانا ملے۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے۔ اوتیت جوامع الکلمہ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔(قرطبی) [3]

O قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ O (سورۃالنور آیت ۵۴)

(کہو ''اللہ کے مطیع بنو اور رسول ﷺ کے تابع فرمان بن کر رہو لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول ﷺ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اُس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اُس کے ذمہ دار تم ہو اُس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے'')۔

اس آیت 54 میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ (ﷺ) کا ذکر فرما رہے ہیں پھر دو الفاظ میں ایک آسان مگر جامع فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ ''جس نے ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی اطاعت کی اس کو ہدایت مل گئی۔ یعنی جس کے اعمال سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو گئے وہ ہدایت یافتہ ہو گیا۔

پھر منکر حدیث کے لیے سخت حکم سورۃ حشر کی آیت نمبر 7 میں موجود ہے:۔

O وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ (سورۂ حشر آیت: ۷)

(جو کچھ بھی اللہ اِن بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے جو کچھ رسول ﷺ تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ اللہ سے ڈرو)۔

''**منکرینِ حدیث کی تردید:**........آج کل بہت سے ایسے جاہل لیڈر پیدا ہو گئے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ حدیث شریف حجۃ شریعہ نہیں ہے اور اس لیے بہت سی اسلامی چیزوں کا انکار کرتے ہیں، یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور کفر ہے یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے ماننے والے ہیں اگر قرآن کے ماننے والے ہوتے تو یہ کیوں کہتے کہ حدیث شریعہ نہیں ہے قرآن میں تو اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ فرمایا ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں کا

مقصد اسلام میں تحریف کرنا ہے۔قرآن کو ماننا نہیں ان لوگوں کو دشمنان اسلام پیسے دے کر اس پر آمادہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں کفر پھیلائیں۔(العیاذ باللہ)'' [6]

''اس آیت کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں۔اس منشا کو یہ بات اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ ''جو کچھ رسول تمہیں دے'' کے مقابلہ میں ''جو کچھ نہ دے'' کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے گئے ہیں بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ''جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کر دے) اس سے رک جاؤ''۔اگر حکم کا مقصود صرف اموال فے کی تقسیم کے معاملہ تک اطاعت کو محدود کرنا ہوتا تو ''جو کچھ دے'' کے مقابلہ ''جو کچھ نہ دے'' فرمایا جاتا۔منع کرنے یا روک دینے کے الفاظ اس موقع پر لانا خود یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ حکم کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر و نہی کی اطاعت ہے۔یہی بات ہے جو خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائی ہے۔'' [8]

منکر احادیث کے دلائل کا جواب:۔

ان منکرین حدیث کا احادیثوں پر اعتراض کرنے کی بنیادی طور پر دو وجوہات بتائی جاتی ہیں۔

جیسا پہلے بیان ہوا ہے، ایک تو یہ کہ مستند احادیث پر عمل کرنا ان کے نفس خواہشات اور خاندانی طور طریقوں کے خلاف ہے اس لیے ان کے نفس پر بہت بھاری گزرتی ہیں۔دوسرے یہ کہ احادیث کے جمع کرنے کا نظام، راویوں کے لمبے سلسلے اور ان کی روایات اور شخصیات پر شدید شک وشبہات کی وجہ سے کسی بھی حدیث کا مستند اور صحیح ہونا ان کے نزدیک دلالت نہیں کرتا۔حالانکہ حدیثوں کو جمع کرنے، ان کی تصدیق اور صحت کے اعتبار سے ان کی قسمیں اور طبقات مقرر کرنے کا ایک اہم اور علم کا بہت بڑا شعبہ (Science) اور فن ہے جس کو ''فن اسماء الرجال'' کہتے ہیں۔محدثین نے اپنی پوری کی پوری زندگی اس فن میں کھپا کر اپنے پیغمبر علیہ صلوۃ والسلام کی حیات طیبہ اور سنت کی حفاظت جس طرح کی ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔جب حدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرمائے کی تدوین ہو چکی تو ان راویوں کے حالات اور درجات بھی تحقیق کے بعد جمع کیے گئے۔ہر راوی کا نام اس کی کنیت، اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے آباؤ اجداد کون تھے، کس مزاج اور طبیعت کے تھے، کن کن صحبتوں میں رہے، حافظہ کیسا تھا، تقویٰ اور ذہانت کے لحاظ سے کیا درجہ اور معیار تھا، کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا، طالب علمی کے زمانے میں کہاں کہاں

کی خاک چھانی، کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔غرض یہ کہ ان لاکھوں راویان حدیث کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کر کے احادیث کے اقسام اور طبقات کا تعین کرنے کے بعد اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیا قدیم اور جدید کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اس جانفشانی تحقیق کے عمل کے بعد محدثین نے مختلف نوعیت اور نسبت کے اعتبار سے احادیث کے بہت سے اقسام متعین کر دیئے ہیں مثلاً۔حدیث مقبول، غیر مقبول، مرفوع، صحیح، حسن، ضعیف، موضوع وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر اسپنگر جس کی اسلامی دشمنی مشہور ہے اس نے بھی ''الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ'' کے انگریزی مقدمے میں لکھا ہے۔''کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو'' (کتاب فن اسماء الرجال، تحریر مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری)

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا اور بات کی حفاظت کا اہتمام بھی قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے کرنا تھا۔اس لیے اپنے بلند صفات کے ایسے بندے بھی پیدا فرمائے جو اس کار خیر کو انجام دے سکیں۔

امام المحدثین حضرت محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کی قوت حافظہ اور یادداشت کا ذکر خاص طور سے مؤرخین نے ان کی سیرت میں کیا ہے۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت حدیثوں کو لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔حافظہ اتنا غضب کا تھا کہ تقریباً اسی (80) ہزار احادیث لفظ بہ لفظ زبانی روایت کر دیتے تھے۔ (کتاب سیرۃ البخاریؒ، تصنیف مولانا عبدالسلام مبارک پوری)

اس طرح محدثین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ خداداد حافظہ، کمال بصیرت، تقویٰ اور مسلسل جدوجہد اور کاوشوں کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاکھوں کی تعداد میں سنتیں احادیث میں محفوظ ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنے بندوں تک ان سنتوں کو پہنچانے کا ذریعہ بنا دیا تاکہ انسان ان پر عمل پیرا ہو کر جنت کا حصول آسان کر سکیں۔

اب ان حقائق کے بعد جس نے بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی اس کے لیے بشارت ہے۔

O وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاؕ (سورۃالنساء آیت:۶۹)

(جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں)۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لیے بشارتِ عظیمہ:

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرادری کا ذکر ہے۔ یہاں بطور قاعدہ کلیہ فرمانبرداروں کا عظیم مرتبہ ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہوگی۔

آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ **المرء مع من احب** (انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی) اس کے عموم میں دونوں باتیں داخل ہیں، اچھوں سے محبت کی تو اچھوں کے ساتھ ہوگا اور بُروں سے محبت کی تو بُروں کے ساتھ ہوگا۔ نیز اس کا عموم دنیا و آخرت دونوں کے لیے شامل ہے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بُروں کے ساتھ بُرے لوگ ہوتے ہیں اور اچھوں کے ساتھ اچھے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح سے آخرت میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ہر ایک اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **المرء علی دین خلیلہٖ فلینظر احد کم من یخالل** (رواہ الترمذی وابوداؤد) (یعنی انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے)

جس نے نماز کی پابندی نہ کی قارون و فرعون کے ساتھ ہوگا:۔... حضرت عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا جس نے نماز کی پابندی کی وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی اور (اس کے ایمان کی) دلیل ہوگی اور (اس کی) نجات (کا سامان) ہوگی اور جس نے اس کی پابندی نہ کی اس کے لیے نہ تو نور ہوگی نہ دلیل ہوگی اور نہ نجات کا سامان ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ ص ۵۹)

علماء حدیث نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کی پابندی نہ کرنے والے کئی قسم کے ہیں، کچھ لوگ مال کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے ۔ یہ لوگ قارون کے ساتھ ہوں گے اور کچھ لوگ حکومت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ فرعون کے ساتھ ہوں گے اور کچھ لوگ ملازمت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ ہامان کے ساتھ ہوں گے۔ (یہ شخص فرعون کا وزیر تھا) اور جو لوگ تجارت کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے وہ ابی بن خلف کے ساتھ ہوں گے یہ مشرک تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے قتل کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح اچھے لوگ اچھے لوگوں کے ساتھ ہوں گے اس طرح بدعمل بُرے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ [6]

اس کے برعکس جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانے اور اس پر عمل نہ کرے اس کے لیے سخت وعید بھی قرآن میں کئی جگہ موجود ہے۔ جیسے

O مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا (سورۃ النساء آیت ۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا، تو بہرحال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے)۔

''جس شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی (اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت عقلاً بھی واجب ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی واجب ہوئی) اور جو شخص (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے) رُوگردانی کرے سو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (بطور ذمہ داری کے) ان کا نگراں کر کے نہیں بھیجا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کفر نہ کرنے دیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض پیغام پہنچا دینے سے پورا ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد بھی وہ کفر کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی باز پُرس کا اندیشہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے فکر رہیں)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے''۔ [3]

اور شدید ترین جہنم کی وعید سورۃ النساء آیت 115 میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے:

O وَ مَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا

(سورۃ النساء، آیت ۱۱۵)

(مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے)۔

''یعنی دلیل یقینی سے ثابت ہونے اور قطعی طور پر معلوم ہونے کے بعد کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے جو شخص فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے گا، یہ شرط لگانے کی وجہ اس لیے ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی کسی کو اطلاع نہ پہنچے یا اطلاع پہنچ جائے مگر ذریعہ اطلاع اور سلسلہ روایت یقینی نہ ہو اور اس صورت میں یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے خلاف کرے یا انتہائی ذہنی کوشش کے بعد بھی مراد حدیث سمجھنے میں مجتہد سے غلطی ہو جائے تو ایسا شخص آیت کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ بعض علماء نے مخالفت رسول سے مراد لیا ہے مرتد ہو جانا یعنی جو شخص ظہور توحید و رسالت کے بعد دین سے لوٹ جائے گا جیسا طعمہ کے متعلق روایت میں آیا ہے۔

وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور مومنوں کے رستہ کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلے گا۔ یعنی اس اعتقاد اور عمل کے خلاف چلے گا جس پر اہل ایمان کا اجماع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔'' میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے''۔

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے۔ یعنی جس گمراہی کو اس نے اختیار کر رکھا ہے ہم وہی اس کو دیدیں گے اور اس کی پسندیدہ غرض میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے وہ دنیا میں جس چیز پر اعتماد رکھتا ہے آخرت میں ہم اس کو اسی کے سپرد کر دیں گے۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ جو لوگ جس کی پوجا کرتے تھے اس کے پیچھے چلے جائیں۔ اس نداء کے بعد جو کوئی بھی اللہ کے سوا کسی بت یا استھان کی پوجا کرتا تھا بغیر آگ میں گرے نہیں رہے گا۔

وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ **وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا** اور جہنم (حق سے روگردانی کا) برا انجام ہے۔

''بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول طعمہ بن ابیرق کے متعلق ہوا تھا۔ صورت یہ ہوئی کہ طعمہ کی چوری

جب کھل گئی تو اس کو اپنی رسوائی اور ہاتھ کاٹے جانے کا اندیشہ ہوا اس لیے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور دین سے لوٹ گیا۔اس پر آیت وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ نازل ہوئی اس آیت میں وعید عذاب کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا ہے۔مخالفت رسول اور اتباع غیر سبیل المومنین۔مخالفت رسول تو تنہا بھی حسب نصوص قطعیہ موجب عذاب ہے۔ دوسری شرط موجود ہو یا نہ ہو لہٰذا رسولوں کے اجماعی راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلنا بھی بجائے خود موجب وعید ہوگا گویا دونوں شرطوں کا مجموعہ اگر موجود نہ بھی ہو صرف ایک شرط موجود ہو تب بھی وعید عذاب اس پر مرتب ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ (جس طرح مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، حرام ہے اسی طرح) اجماع کی مخالفت بھی حرام ہے لہٰذا اتباع اجماع واجب ہے''۔ [2]

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ مومنین کے طرز عمل اور ان کے راستوں پر چلنے کا حکم دے رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مومینن کون تھے؟ ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس لیے اگر اب ہم اس دور میں قرآن کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرز زندگی کو نہیں اپناتے تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو صادر ہو چکا کہ ایسے لوگوں کے لیے جہنم تیار ہے۔ہم اب اپنے گریبانوں میں ذرا جھانک لیں، اپنے گھر کے ماحول اور اپنے شب وروز کا تجزیہ کرلیں اور خود فیصلہ کریں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اس دنیا سے پردہ پوش ہونے کے بعد ہم انسانوں اور خاص کر مسلمانوں کو یہ کیسے علم ہو کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں اور ان کے اقوال و احکامات کیا تھے؟ یہ اس ہی وقت ممکن ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کہیں موجود ہوں اور ہم ان جمع شدہ احادیث کے خزانوں میں سے ہر موضوع کی احادیث کا مطالعہ کر سکیں اور پھر اپنے اعمال اس کے مطابق درست کرنے کے پابند ہو جائیں۔معروف اور مستند محدثین میں جن کا جمع کیا ہوا ذخیرہ با آسانی کتابوں کی شکل میں، اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں کے ترجمہ کے ساتھ دستیاب ہے۔اس میں سرفہرست......امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداود، ترمذی، نسائی وغیرہ ہیں۔امام احمد بن حنبلؒ نے تو تحقیق کر کے ہر صحابی اور صحابیہ رضی اللہ عنہن کی روایت کی ہوئی ہزاروں احادیث کو اپنی تصنیف ''مسند احمد'' میں الگ الگ جمع کر دیا ہے۔

قرآن اور احادیث کو سمجھنے کے ضمن میں ایک غلطی جو عموماً مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صرف

قرآن کی ایک آیت اور ایک حدیث کو (بغیر اس کے پس منظر کو سمجھے) دلیل بنا کر اپنے عقیدے یا عمل کا جواز پیش کر دیا جاتا ہے اور بہت سے لاعلم لوگ اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ کسی عالم سے پہلے پورے قرآن کے تجوید کا علم حاصل کیا جائے اور ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، اس کو سمجھ کر پڑھا جائے اور اور پھر جو موضوع زیر انتخاب ہے اس کی مناسبت سے ساری مستند احادیث کا حوالہ لینے کے بعد کسی عقیدے یا عمل کی درستگی کی سند لی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بعض اعمال کے بارے میں مکروہ، حلال یا حرام ہونے کے احکامات بتدریج اتارے ہیں۔ جیسے مثال کے طور پر شراب کے بارے میں پہلے فرمایا کہ شراب و جوا بُرے شیطان کے کام ہیں اس میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی مگر اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے اور پھر سورۃ النساء میں فرمایا نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو اور سورۃ المائدہ میں شراب کو قطعاً حرام کر دیا۔

○ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (۲۱۹)

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۱۹)

(لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجیئے حاجت سے زائد چیز، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے، تاکہ تم سوچ سمجھ سکو)۔

○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ (سورۃ النسآء، آیت: ۴۳)

(اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو، ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات

ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے)۔

O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ O (سورۃ المائدہ، آیت: ۹۱-۹۰)

(اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو۔ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرا دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آجاؤ)۔

یہی بتدریج احکامات قرآن اور احادیث میں پردے کے بارے میں اور مردوں کے لیے نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کے احکامات کے بارے میں بھی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

تنبیہ: اب ان تمام اوپر بیان کی گئیں اللہ تعالیٰ کی آیات اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث کی اہمیت کے باوجود اگر کوئی انسان اللہ کی نشانیوں کو نہیں پہنچانتا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کو نصیب نہیں ہوتی تو اس کے لیے قرآن مجید میں ''استدراج'' کی سزا کی بڑی وعید ہے۔ عربی میں ''استدراج'' کے معنی ہیں کہ کسی گناہ گار قوم یا فرد کو بہت دھیرے دھیرے ہلاکت اور عذاب کی طرف اس طرح لے جانا کہ اس کو علم اور شبہ تک نہ ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور وہ اپنے گناہ آلودہ زندگی میں مست رہے:

O وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ

(سورۃ الاعراف، آیت: ۱۸۲)

(رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے، تو انہیں ہم بتدریج ایسے طریقہ سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی)۔

O وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۸۳)

(میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، میری چال کا کوئی توڑ نہیں ہے)۔

''اس آیت میں اس شبہ کا جواب ہے کہ جب قومی ترقی کا مدار حق پرستی اور حق وانصاف کی پیروی پر ہےتو دوسری غیر مسلم قومیں جو حق سے سراسر دور ہیں وہ کیوں دنیا میں پھلتی پھولتی نظر آتی ہیں، جواب یہ ہے وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی ہم اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اپنی حکمت و رحمت کی بناء پر دفعتاً نہیں پکڑتے بلکہ آہستہ آہستہ تدریجاً پکڑتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی، اس لئے دنیا میں کفار دفجار کی مالداری یا عزت و جاہ سے دھوکہ نہ کھایا جائے، کیونکہ وہ درحقیقت ان کے لیےکوئی بھلائی کا سامان نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے،استدراج کے معنی درجہ بدرجہ،آہستہ آہستہ کوئی کام کرنے کےآتے ہیں،اصطلاحِ قرآن وسنت میں استدراج اس کو کہا جاتا ہے کہ بندہ کے گناہ پر دنیا میں کوئی تکلیف ومصیبت نہ آئے جوں جوں وہ گناہ میں آگے بڑھتا جائے،دنیاوی مال واسباب اور بڑھتے جائیں،جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنی بدکرداری پر کسی وقت تنبیہ نہیں ہوتی اور غفلت سے آنکھ نہیں کھلتی اور اپنے برے اعمال اس کو برے نظر نہیں آتے کہ وہ ان سے باز آنے کی فکر کرے۔

یہ استدراج کفار کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور مسلمان گناہ گار کے ساتھ بھی، اسی لیے صحابہ اور سلفِ صالحین کو جب کبھی دنیا کی نعمت و دولت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تو غلبہ خوف کی وجہ سے استدراج سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں یہ دنیا کی دولت ہمارے لیے استدراج نہ ہو۔

''تیسری آیت میں اسی استدراج کا بیان ہے۔وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ میں یعنی ان گناہ گاروں کومہلت دیتا رہتا ہوں،میری تدبیر بڑی مضبوط ہے''۔ [3]

احادیث کی اہمیت ایک مختصر سی مگر بالکل واضح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یوں بیان کی ہے کہ:

''جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ میں سے نہیں''(مستند حدیث، بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد، مشکاۃ، وغیرہ)

مسئلہ سمجھنے کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ''ہم کو علم نہیں تھا''۔آخرت میں جہالت یا لاعلمی کوئی عذر نہیں تسلیم کیا جائیگا۔ پوچھا جائے گا دین کا علم کیوں نہیں حاصل کیا کہ اس پر عمل صالح کرتے؟؟۔

باب-6

صالح اعمال

تعریف، تفصیل اور آھمیت

تعریف: ہمارا ہر وہ عمل جو ایمان لانے کے بعد قرآن اور حدیث کے احکامات کے مطابق ہے وہ عمل صالح ہے ورنہ وہ عمل غیر صالح ہے عمل اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۃً صادر ہو یہ فعل سے اخص ہے کیونکہ فعل کا لفظ کبھی حیوانات کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں جن سے بلا قصد افعال سرزد ہوتے ہیں بلکہ جمادات کی طرف بھی منسوب ہو جاتا ہے مگر عمل کا لفظ ان کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے۔ نیز عمل کا لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال پر بولا جاتا ہے۔(مولانا مودودیؒ)

تفصیل: اگر ہم قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کریں تو ہمیں علم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الذین آمنو...... سے خطاب کر کے براہ راست متعدد احکامات ان مسلمانوں کو صادر فرمائے ہیں جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سیکڑوں مقام پر حرام و حلال کی تفصیلات ہیں اور نواہی (Don't) اور اوامر (Do) کا ذکر ہے۔ پھر احادیث مبارکہ میں ہزاروں اعمال ہیں جن کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم ہے۔ نیز قرآن شریف میں پچھلے انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے قصے ہیں جس میں براہ راست یا بلواسطہ بے شمار سبق آموز احکامات ہیں جو انسانوں کی فلاح کے لیے مشعل راہ ہیں۔

اب جو کوئی بھی انسان خاص کر مسلمان اپنی پوری استطاعت، استعدات اور وسائل کو بروئے کار لا کر ان احکامات کے مطابق عمل کرتا ہے وہ عمل صالح، کا عامل ہے ورنہ اپنی کسی غفلت، سستی، یا لاعلمی کی وجہ سے اگر ان احکامات پر عمل پیرا نہیں ہوتا تو وہ عمل غیر صالح کا مرتکب ہو کر نقصان اور سزا کا مستحق ہے۔

اب سمجھنے کی ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ کون کون سے عوامل ہیں جو کسی عمل کو ''صالح'' یا ''غیر صالح'' مقام پر متعین کرتے ہیں؟ ان اعمال کی فہرست تو اس مقام پر نا قابل رقم ہے مگر مختصراً حسب ذیل بیان کی جاسکتی ہے۔

(i)عقیدہ/ایمان بالغیب

(ii)فرائض کی پابندی

(iii)ہاتھوں کے اعمال

(iv)آنکھوں کے اعمال

(v)کانوں کے اعمال

(vi)زبان کے اعمال

(vii)پیروں کے اعمال

(viii)دل کے اعمال/نیات

(ix)فیصلے

(x)تبلیغ دین اور اقامت دین کے فرائض

(xi)جہاد فی سبیل اللہ

(xii)حقوق کی ادائیگی

قرآن وحدیث سے ان اعمال کی چند تفاضیل کو فرداً فرداً سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(i)عقیدہ/ایمان باالغیب:

سب سے اول شرط جو عمل صالح کی قبولیت کے لیے لازم ہے وہ ہمارا عقیدہ توحید اور ایمان بالغیب ہے۔
عقیدہ توحید: یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا اور صرف اس کی ہی عبادت کرنا (عبادت کا مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے)۔اس کے لیے لازم ہے کہ کلمہ پڑھنا اور مسلمان ہو جانا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ زبان سے کلمہ ادا کر لینے سے کوئی بھی انسان صرف ''ایمان باالسان'' کا حق دار ہو جاتا ہے۔یعنی اب کسی بھی مسلم معاشرے میں اس کو مسلمانوں کے وہ تمام حقوق ملیں گے جو شرعاً جائز ہیں۔مثلاً وہ کسی مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے، وراثت کا حق دار ہوگا، مساجد میں جا کر مسلمانوں کے ساتھ عبادات کر سکتا ہے۔تدفین وغیرہ کی رسومات کا حق دار ہوگا اور کسی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے، شرعی قوانین کے مطابق عدل وانصاف کا حق دار ہوگا، مسلم طرز حکومت میں امیر چن سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ......مطلب یہ کہ مسلم معاشرے

میں اس کو مسلمانوں کے تمام حقوق حاصل ہوں گیں۔کوئی بھی کلمہ گو مسلمان کو کافر یا جہنّمی نہیں کہہ سکتا۔مگر اس ایمان باالسان کے بعد اگر ایمان اس کے دل میں داخل نہ ہوگیا ہوتو اس کے اعمال صالح بھی آخرت میں اس کے لیے کوئی فائدہ مند نہ ہوں گیں۔جیسا کہ قرآن میں سورۃ الحجرات، آیت 14 میں وضاحت کی گئی ہے وہ مسلمان تو ہوگا مگر مومن کے درجے پر فائز نہ ہوگا۔

○ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۴)

(یہ بدوی کہتے ہیں کہ ”ہم ایمان لائے“ اِن سے کہو، تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ”ہم مطیع ہو گئے“ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری اختیار کرلو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا، یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے)۔

”**ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تولیں:** (آیت: ۱۴) کچھ گنوار لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعوے کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتی تھیں۔ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے۔یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے، اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، نبی کی اطاعت میں آئے ہیں۔اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، جبرئیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ انہون نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں۔پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھتے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔“ [1]

امام عبد بن حمید اور ابن منذر رحمہا اللہ نے حضرت داؤد بن ابی ہند سے یہ قول بیان کیا ہے کہ ان سے ایمان کے بارے سوال کیا گیا۔تو انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور کہا کہ اسلام سے مراد اقرار ہے اور الْاِيْمَانُ سے مراد تصدیق ہے۔امام ابن جریر اور ابن منذر رحمہا اللہ نے اسی آیت کے ضمن میں حضرت

زہری رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہمارے رائے یہ کہ اسلام کلمہ (قول) ہے اور اَلْاِیْمَانُ عمل ہے۔'' [4]

اس کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے شرک، بدعتوں، لادنیت اور فرقہ پرستی سے پاک عقیدہ ضروری ہے۔

ایمان باالغیب: ۔ یعنی غیب کی تمام حقیقتوں پر صرف زبان سے نہیں بلکہ دل سے ایمان لانا، اس بات کا مکمل یقین ہونا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفاتوں کے ساتھ ہمیشہ سے موجود ہے اور موجود رہے گا۔ فرشتے موجود ہیں، جنت ہے، دوزخ ہے، برزخ کی زندگی پر ایمان، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے جس پر جزا و سزا ملنی ہے۔ اس ہی طرح تمام گزرے ہوئے انبیاء کرام اور پیغمبرؑ اور ان پر اتری ہوئی کتابوں پر ایمان، پھر یہ ایمان کہ قرآن فرقان حمید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے جس میں کوئی تبدیلی یا تحریف تا قیامت ممکن نہیں ہے۔ اور یہ ایمان کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ تھے اور قرآن مجید اور احادیث پر عمل کرنا ہی اس دنیا اور آخرت میں فلاح کی ضمانت ہے۔

(ii)فرائض کی پابندی:

صحیح عقیدہ اور ایمان باالغیب کے بعد ایک کلمہ گو مسلمان کے لیے سب سے زیادہ اہم چیز فرائض کی پابندی ہے۔ یعنی پانچ وقت کی نماز کو قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ اور حج ادا کرنا (جب فرض ہوجائے)۔ یہ تمام فرائض اس طرح ہی ادا کرنے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں احکامات ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت سے عمل کر کے بتائے ہیں۔ کسی فرض کو بغیر کسی شرعی عذر کے ترک کر دینا، اس سے انحراف کرنا یا اس کو غیر سنت کے طریقے سے ادا کرنے کی صورت میں عمل صالح کی قبولیت کی کوئی ضمانت نہیں ہے اِلّاء کہ سچی توبہ کر کے اپنے اس گناہ کے عمل کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ ان فرائض کی اہمیت تو قرآن اور حدیث مبارکہ میں متعدد بار بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا نماز قائم کرنے کا حکم تقریباً 70 دفعہ تو باالواسطہ اور 700 دفعہ بالا واسطہ آیا ہے۔ حالانکہ ایک دفعہ کا حکم دینا ہی اس کی فرضیت کے لیے کافی تھا۔ پھر اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو مردوں کے لیے نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا لازم ہے۔

گھروں میں نماز اکیلے پڑھ لینے کے خلاف احادیث مبارکہ میں سخت وعید آئیں ہیں (جو پہلے بیان

ہو چکی ہیں)، قرآن شریف میں بار بار یہ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو۔ یعنی ہر عمل جو آخرت کے لیے افضل ہے اس کو ترجیحاً ادا کرو، اور دنیا کی مصروفیات اس وقت یا تو چھوڑ دو یا مؤخر کر دو، تنبیہ یہ بھی ہے کہ جو دنیا کا عمل نماز کی اذان ہونے کے بعد اور جماعت کے اختتام تک کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں ڈالتے۔

قرآن و حدیث میں نماز کی بہت سخت تاکید آئی ہے، اس ضمن میں کچھ اہم نکات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اولاً یہ کہ نماز کے لیے قرآن میں یہ نہیں کہا گیا کہ نماز پڑھا کرو یا ادا کیا کرو بلکہ ہر مقام پر حکم یہ ہے کہ نماز قائم کرو۔ کوئی عمل مستقل کے بنیادوں پر قائم اس طرح ہوتا ہے کہ وہ عمل ایک خاص وقت پر ایک خاص (یعنی سنت کے) طریقے سے اور مسلسل بار بار اپنے وقت پر کیا جائے، تبھی وہ عمل قائم شدہ ہو سکتا ہے۔ افسوس اور فکر کی بات یہ ہے کہ نماز اس طرح گھروں اور معاشرے میں انفرادی یا اجتماعی طور پر قائم نہیں ہے، مگر دوسری لغویات اور بہت سے گناہ کی رسومات ہم نے بہت اہتمام کے ساتھ قائم کر رکھی ہیں، جیسے پیدائش کے دن کی سالگرہ، شادی کی سالگرہ، تیجہ برسی، Mothers Day, Fathers Day وغیرہ وغیرہ، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ نماز کو سب سے پہلے اپنی ذات پر پھر اپنے اہل و عیال اپنے گھر والوں اور خاندان والوں پہ قائم کیا جائے، دوم سورہ العنکبوت آیت نمبر ۴۵۔ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نماز فحاشی اور برائی (گناہ) سے روکتی ہے۔

○ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ

(سورۃ العنکبوت، آیت ۴۵)

((اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو)۔

اخلاص خوف اور اللہ کا ذکر (آیت ۴۵)

''اللہ تبارک تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور ایمان داروں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ قرآن کریم کی

تلاوت کرتے رہیں اور اسے دوسروں کو بھی سنائیں اور نمازوں کی نگہبانی کریں اور پابندی سے پڑھتے رہا کریں، نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور نالائق حرکتوں سے باز رکھتی ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس نمازی کی نماز نے اسے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے باز نہ رکھا، وہ اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔' ابن ابی حاتم میں ہے کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ جسے اس کی نماز بے حیائی اور فحش کاموں سے نہ روکے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز اسے اللہ سے اور دور کرتی جا رہی ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔'' جو نماز کی بات نہ مانے اس کی نماز نہیں۔ نماز بے حیائی سے اور بدفعلیوں سے روکتی ہےس کی اطاعت یہ ہے کہ ان بے ہودہ کاموں سے نمازی رک جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے جب ان کی قوم نے کہا کہ اے شعیب کیا تمہیں تمہاری نماز حکم کرتی ہے؟۔ تو حضرت سفیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہا'' ہاں اللہ کی قسم نماز حکم بھی کرتی ہے اور منع بھی کرتی ہے۔'' حضرت عبداللہ سے کسی نے کہا فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے آپ نے فرمایا۔ نماز اُسے نفع دیتی ہے، جو اس کا کہا مانے۔

'' یہاں بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ نماز کے پابند ہونے کے باوجود بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جو بظاہر اس آیت کے ارشاد کے خلاف ہے۔

اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نماز نمازی کو گناہوں سے منع کرتی ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ جس کو کسی کام سے منع کیا جائے وہ اس سے باز بھی آ جائے، آخر قرآن وحدیث سب لوگوں کو گناہوں سے منع کرتے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ اس منع کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے اور گناہوں سے باز نہیں آتے، خلاصہ تفسیر مذکور میں یہی توجیہہ لی گئی ہے''۔ [3]

''امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ نماز میں تین خصلتیں ہیں، اخلاص خشیت اور اللہ کا ذکر، وہ نماز جس میں یہ تین خصلتیں نہ ہوں وہ نماز نہیں، اخلاص نمازی کو نیکی کا حکم دیتا ہے، خشیت اسے برائیوں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد قرآن ہے جو اسے حکم بھی دیتا ہے اور روکتا بھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی نماز اسے فحش اور منکر سے نہ روکے تو اس کی نماز نہیں، بعض الفاظ میں ہے اس کے ساتھ اس کی اللہ تعالیٰ سے دوری میں اضافہ ہوتا ہے''۔[4]

اب سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کیا کروڑوں مسلمان جو روزانہ نماز ادا کر رہے ہیں، ان کو نماز نے فحاشی اور برائی سے روک رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہے نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان تو غلط نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان معاشرے میں فحاشی، عریانی اور گناہ عام ہیں۔ کوتاہی یقیناً ہم مسلمانوں کی طرف سے ہے اگر ہم نماز کی نوعیت پر غور کریں تو اس کوتاہی کا جواب ہم کو مل جائے گا۔ نماز دراصل قرآن کی آیات اور اس کی دعاؤں کا مجموعہ ہے، نماز میں جو قرآن کی آیات پڑھی جارہی ہوتی ہیں، چاہے وہ امام صاحب جھری نمازوں میں تلاوت کر رہے ہوں یا ہم سری نمازوں میں خود آہستہ سے پڑھ رہے ہوں، کیا ہم ان کے معنی سمجھ رہے ہوتے ہیں، کیا جب وہ آیات پڑھی جارہی ہوتی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان ہورہی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی تاکید ہورہی ہوتی ہے، فرائض کی پابندی کا حکم ہو، جنت اور دوزخ کا بیان ہورہا ہوتا ہے، گزری ہوئی نافرمان قوموں کی تباہی کا حال ہے، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے بعد اللہ تعالیٰ کے احکامات سنائے جارہے ہوں کیا ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کیا پڑھا جارہا ہے؟ یا جو کچھ آیات ہم خود پڑھ رہے ہوتے ہیں ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں؟ اسی طرح بڑے بڑے گناہ کبیرہ کی ممانعت کی آیات پڑھی جارہی ہوں۔ جیسے رشوت کا لین دین (سورۃ بقرۃ آیت 188)، سود میں ملوث ہونے کا مطلب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کر دینا (سورۃ بقرۃ آیت 279،278) وراثت کے احکام (سورۃ النساء)، جھوٹ، زنا، فحاشی عریانی، بدعنوانی، شراب، جوا اور اس طرح کے وہ سیکڑوں احکامات جو ہماری معاشرتی، معاشی اور تجارتی سیاسی زندگی کے شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں یا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے اور جزا وسزا کے مستحق ہونے کے معیار بیان ہورہے ہوں کیا ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کیا پڑھا جارہا ہے؟۔ آخری پارہ کی چھوٹی چھوٹی سورتیں تو بیشتر مسلمان یاد کر لیتے ہیں مگر ان میں ایمانیات، آخرت جنت و دوزخ اور گناہ گار لوگوں کے لیے جو سخت ترین عذاب بیان کیا گیا ہے کیا ہم کو کبھی اس کا ادراک بھی ہوتا ہے کہ ہمارے دل اور وجود پہ اس کا کوئی اثر ہو؟ کوئی مسلمان اگر جاہل رہا ہو تو چاہیے تو اس کو بھی کہ قرآن سمجھ کر جتنا اس کے استطاعت کے مطابق ہے معنی کے ساتھ پڑھنا سیکھ لے، مگر پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے آخرت میں کیا جواب ہوگا، اگر پوچھا گیا کہ کیوں نہیں ساری زندگی میں سے

کچھ وقت نکال کر قرآن اور نماز سمجھ کر پڑھنا نہ سیکھ سکے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء آیت ۴۳ میں فرمایا ہے کہ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ کہ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو، جب تک نماز میں جو کہہ رہے ہو اس کو سمجھنے نہ لگو۔ اس بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب کسی شخص پہ نیند کا غلبہ ہو رہا ہو اور نماز پڑھنے میں بار بار اونگھ جاتا ہو تو اسے نماز چھوڑ کر پہلے سو جانا چاہیے۔

O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (سورۃ النساء آیت: ۴۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ نماز اُس وقت پڑھنی چاہیے، جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کرلو، الا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے، یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشش فرمانے والا ہے)۔

''اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ (یعنی ایسی حالت میں نماز مت پڑھو) کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو (اس وقت تک نماز مت پڑھو۔ مطلب یہ ہے کہ ادائے نماز تو اپنے اوقات میں فرض ہے اور یہ حالت ادائے نماز کے منافی ہے، پس اوقاتِ صلوۃ میں نشہ کا استعمال مت کرو، کبھی تمہارے منہ سے نماز میں کوئی کلمہ خلاف نہ نکل جائے۔''[3]

حدیث مبارکہ میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا نماز میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا تم نے اس میں سمجھ کر پڑھا۔ یعنی نماز کی فضیلت کا اتنا ہی درجہ زیادہ ہے جتنا اس کو سمجھ کر پڑھا جائے، آیت ۴۳ سے

یہ استدلال نہ کرنا چاہیے کہ جو کوئی عربی عبارت کا مطلب نہیں سمجھتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ نماز کی فرضیت تو ادا ہو جاتی ہے مگر ادراک کی نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالی نے ہدایت ان لوگوں کو ہی عطا کرتے ہیں جو اس کی خواہشمند ہوں اور اس کے لیے کوشش بھی کریں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے عرب جن کی مادری زبان عربی ہے وہ بھی قرآن یا نماز سے استفادہ حاصل کر کے ہدایت یافتہ نہیں ہوتے۔ عقائد کی درستگی اور فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ اب سمجھنے کی ضرورت یہ بھی ہے کہ ہماری ذات اور اعضاء سے کیا گیا اعمال سرزرد ہو جاتے ہیں جو صالح یا غیر صالح ہوتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے ہم کو جزاء یا سزا کا مستحق بناتے ہیں، اس ضمن میں چند صالح اعمال حسب ذیل درج کیے گئے ہیں۔ مکمل تفصیل قرآن اور حدیث کے مطالعہ کر کے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(iii)ہاتھوں کے اعمال

حلال رزق کمانا، کھانا اور کھلانا، کسی طرح بھی سود کے لین دین میں ملوث نہ ہونا، چوری ڈاکہ زنی، بدعنوانی، بے جاقتل اور مار پیٹ سے ہاتھوں کو بچانا، نامحرموں کو چھونے سے پرہیز کرنا (یعنی ہاتھوں کے زنا سے بچنا) جھوٹے حلفی بیان نہ لکھنا یا لکھوانا، راستے سے کوئی رکاوٹ ہٹا دینا، دین کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہاتھوں سے جہاد کرنا یا کسی برائی کو ہاتھوں سے روکنا، قرض اور وصیت کو لکھنا یا لکھوانا، صدقہ وخیرات کرنا دین کی تبلیغ لکھ کر کرنا، کسی کے ساتھ نیکی ہاتھوں سے کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

(iv)آنکھوں کے اعمال:

نامحرموں کے ستر سے آنکھوں کو جھکا کر رکھنا،، خود اپنا ستر اور زینت ڈھانپ کر رکھنا کہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے (یعنی پردے کے احکامات کی مکمل پابندی کرنا) فحاشی اور عریانی کے نظاروں اور مواد سے آنکھوں کو بچانا، کسی پہ شہوت بھری نظریں ڈالنے (یعنی آنکھوں کا زنا) سے مکمل پرہیز کرنا، آنکھوں کی خیانت سے بچنا اور حسد بھری نظریں ڈالنے سے اجتناب کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

(v)کانوں کے اعمال:

''فحش کلامی، لہو ولعب اور لغویات سننے سے کانوں کو بچانا (جیسے موسیقی گانا باجا، گالی گلوچ، یا فحش گفتگو

اور مذاق وغیرہ) غیبت اور بدگمانی کرنا اور سننے سے بچنا، محفل میں بیٹھ کر سرگوشیاں سننے سے اجتناب کرنا، قرآن اور حدیث کے درس سننا اور دین کا علم سیکھنا''۔

حدیث 1:

''حضرت اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کیلیے ہدایت ورحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری طنبور، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹا دوں۔ (ابوداؤد)''

حدیث 2:

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایسا کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا، اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔ (ترمذی)''

حدیث 3:

کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی گانے والی باندی کے پاس اس لیے بیٹھے تاکہ اس کا گانا سنے تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (ابن عساکر)

اب ذرا قرآن کی ان مندرجہ ذیل آیات پہ اگر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارا منہ بند کر دیا جائے اور پھر ہمارے اعضا کو اللہ تعالیٰ گویائی بخشیں گے اور وہ ایک ایک کر کے ہمارے نیک (صالح اعمال) اور برے (یعنی غیر صالح اعمال) بیان کرنا شروع کر دیں گے،

O حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ الحم السجدہ آیت ۲۰)

(پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں)۔

O وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورۃ الحم السجدہ آیت ۲۱)

(وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے "تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟" وہ جواب دیں گی "ہمیں اُسی خدا نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے اُسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اُسی کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو)۔

O وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ

(سورۃ الحم السجدہ آیت ۲۲)

(تم دنیا میں جرائم کرتے وقت جب چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ کبھی تمہارے اپنے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے جسم کی کھالیں تم پر گواہی دیں گی بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو بھی خبر نہیں ہے)۔

O یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

(سورۃ النور، آیت ۲۴)

(وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے)۔

O وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۶)

(کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے)۔

(vi) زبان کے اعمال:

قرآن کی تلاوت کرنا، تفاسیر اور احادیث پڑھنا اور بیان کرنا، کبیرہ گناہ جیسے چغلخوری، غیبت، تجسس، گالی گلوچ، فحش گفتگو اور مذاق، تہمت، جھوٹی گواہی وغیرہ سے بچنا۔ والدین بزرگوں کی اور شوہر کی

فرمابرداری کرنا اوران کی جائز احکامات کا انکار نہ کرنا۔تمیز اورادب سے پیش آنا وغیرہ۔

(vii)پیروں کے اعمال:

باجماعت نماز کے لیے مسجد کی طرف جانا اوراس کی پابندی کرنا، اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اقامت کی کوششوں کے لیے نکلنا، دین کے دوسرے فرائض کے لیے گھر سے نکلنا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانا، کسی کی مدد یا مزاج پرسی کے لیے جانا، نماز جنازہ اور تدفین وغیرہ میں شرکت کے لیے جانا وغیرہ وغیرہ

(viii)دلوں کے اعمال:

دل میں کسی مسلمان کے لیے کینہ وبغض نہ رکھنا اور دل کواس گناہ سے پاک رکھنا، بدگمانی اور غیظ وغصہ سے دل کو صاف رکھنا، اخلاص تواضع اور صبر وشکر کے اوصاف اپنانا، بری نیتوں سے دل کو پاک رکھنا، ارادتاً فحش اور شہوت بھرے وسوسوں سے دل کو بچانا، سورۃ الزلزال اوراس کی تفاسیر پر بھی ذرا غور کریں۔

O وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ﴿۵﴾ (سورۃ الزلزال، آیت ۲ تا ۵)

(اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی (2) اور انسان کہے گا کہ یہ اِس کو کیا ہو رہا ہے (3) اُس روز وہ اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی (4) کیونکہ تیرے رب نے اُسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہوگا (5))۔

''روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،: ذرا زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے اور اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، خواہ اچھا ہو یا برا (معجم الطبرانی)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز زمین ہر اس عمل کو لے آئے گی جو اس کی پیٹھ پر کیا گیا ہو۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیات تلاوت فرمائی (ابن مرودیہ، بیہقی) حضرت علی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سب روپیہ اہل حقوق میں تقسیم کرکے اسے خالی کردیتے تو اس میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر زمین سے فرماتے: ''تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق ہی کے ساتھ خالی کردیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو براہ راست خود جانتا ہے، مگر آخرت میں جب وہ عدالت قائم کرے گا تو جس کو بھی سزا دے گا، انصاف کے تمام تقاضے پورے کرکے دے گا، اس کی عدالت

میں مجرم انسان کے خلاف جو مقدمہ قائم کیا جائے گا اس کو ایسی مکمل شہادتوں سے ثابت کر دیا جائے گا کہ اس کے مجرم ہونے میں کسی کلام کی گنجائش باقی نہ رہے گی،

سب سے پہلے تو وہ نامہ اعمال ہے جس میں ہر وقت اس کے ساتھ لگے ہوئے کراماً کاتبین اس کے ایک ایک قول اور فعل کا ریکارڈ درج کر رہے ہیں۔(ق۔آیت ۱۷۔۱۸-الانفطار آیات ۱۰۔۱۲) یہ نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ پڑھ اپنا کارنامہ حیات اپنا حساب لینے کے لیے تو خود کافی ہے(بنی اسرائیل ۱۴) انسان اسے پڑھ کر حیران رہ جائے گا کہ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس میں ٹھیک درج نہ ہو۔(الکہف ۴۹)۔اس کے بعد انسان کا اپنا جسم جس سے اس نے دنیا میں کام لیا ہے، اللہ کی عدالت میں اس کی اپنی زبان شہادت دے گی کہ اس سے وہ کیا کچھ بولتا رہا ہے، اس کے اپنے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے کہ ان سے کیا کیا کام اس نے لیے(النور ۲۴)۔اس کی آنکھیں شہادت دیں گی، اس کے کان شہادت دیں گے کہ ان سے اس نے کیا کچھ سنا، اس کے جسم کی پوری کھال اس کے افعال کی شہادت دے گی، وہ حیران ہو کر اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تم بھی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟ اس کے اعضا جواب دیں گے کہ آج جس خدا کے حکم سے ہر چیز بول رہی ہے اسی کے حکم سے ہم بھی بول رہے ہیں۔ (حم السجدہ ۲۰ تا ۲۲) اس پر مزید وہ شہادتیں ہیں جو زمین اور اس کے پورے ماحول سے پیش کی جائیں گی، جن میں آدمی اپنی آوازیں خود اپنے کانوں سے اور اپنی حرکات کی ہو بہو تصویریں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، اس سے بھی اگے بڑھ کر یہ کہ انسان کے دل میں جو خیالات، ارادے اور مقاصد چھپے ہوئے تھے اور جن نیتوں کے ساتھ اس نے سارے اعمال کیے تھے وہ بھی نکال کر سامنے رکھ دیئے جائیں گے جیسا کہ آگے سورہ عادیات کی آیات ۹، ۱۰، ۱۱ میں فرمایا یہی وجہ ہے کہ اتنے قطعی اور صریح اور نا قابل انکار ثبوت سامنے آ جانے کے بعد انسان دم بخود رہ جائے گا اور اس کے لیے اپنی معذرت میں کچھ کہنے کا موقع باقی نہ رہے گا،(المرسلات آیت ۳۵۔۳۶)''[8]-

''مومن بندوں کو کسی موقع پر بھی ثواب کمانے سے (اگرچہ تھوڑا ہی سا عمل ہو) غفلت نہیں برتنی چاہیے جیسا کہ گناہ سے بچنے کی فکر بھی لازم ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کا ہمیشہ یہی طرز رہا ہے جس قدر بھی ممکن ہو جانی اور مالی عبادت میں لگے رہیں۔ اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کریں، اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا موقع مل جائے تو کہہ لیں، ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کرنے کا موقع ہو تو اس کی تلاوت کرنے سے

دریغ نہ کریں، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتقوالنار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد فبکلمۃ طیبہ

(دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو، سو اگر وہ بھی نہ پاؤ تو بھلی بات ہی کہہ دو)

(رواہ البخاری ص ۱۷۹ ج ۲)[6]

(ix) فیصلے اور کوشش:

ہمارے روزمرہ اور ہر ساعت کے فیصلوں اور کوششوں کے اثرات ہمارے اعمال پر مرتب ہوتے ہیں، اگر ہمارے فیصلے اور کوششیں شریعت کے مطابق ہیں تو اعمال بھی صالح ہوں گے وگرنہ غیر صالح اعمال کی وجہ سے ہم گناہ اور سزا کے مستحق ہو جائیں گے، ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ۲۴ گھنٹوں میں جب تک ہم سو نہیں جاتے ہم کیا فیصلے کر رہے ہیں، مثلاً نماز کے لیے موذن بلا رہا ہے ہم جائیں یا نہ جائیں؟ جدھر دیکھنے سے منع کیا گیا ہے ادھر دیکھیں یا نہ دیکھیں؟ یہ کہیں یا نہ کہیں؟ یہ سنیں یا نہ سنیں؟ یہ کام کریں نہ کریں؟ ادھر جائیں یا نہ جائیں؟ وغیرہ وغیرہ پھر اس طرح غیر شرعی رسومات (جیسے شادی بیاہ کی۔ ولادت اور تدفین کے بعد کی رسومات وغیرہ وغیرہ) منانے کے فیصلے حرام و حلال کی تمیز اور دوسرے حقوق ادا کرنے کے فیصلے ہماری روزمرہ زندگی کا حصّہ ہیں جس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوں گے"۔

قرآن اور احادیث میں صحیح فیصلے اور نیکی کی طرف کوشش کرنے کی سخت تاکید آئی ہے مثال کے طور پر سورۃ النجم کی آیت ۳۹۔۴۰۔۴۱۔ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

O وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿ۙ۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ﴿۪۴۰﴾ ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ﴿ۙ۴۱﴾ (سورۃ النجم کی آیت: ۳۹ تا ۴۱)

(اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اُس نے سعی کی ہے (39) اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی (40) اور اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی (41))۔

"اس ارشاد سے بھی تین اہم اصول نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پا سکتا، الا یہ کہ اس عمل میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو،

تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی وعمل کے بغیر کچھ نہیں پا سکتا۔

یعنی آخرت میں لوگوں کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی اور یہ دیکھا جائے گا کہ کون کیا کر کے آیا ہے، یہ فقرہ چونکہ پہلے فقرے کے معاً بعد ارشاد ہوا ہے اس لیے اس سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ پہلے فقرے کا تعلق آخرت کی جزا وسزا ہی سے ہے اوران لوگوں کی بات صحیح نہیں ہے جو اسے اس دنیا کے لیے ایک معاشی اصول بنا کر پیش کرتے ہیں، قرآن مجید کی کسی آیت کا ایسا مطلب لینا صحیح نہیں ہوسکتا جو سیاق وسباق کے بھی خلاف ہو اور قرآن کی دوسری تصریحات سے بھی متصادم ہو‘‘۔[8]

اللہ پاک نے بار بار قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو دو راستے دکھا دیئے ہیں ایک صراط مستقیم یعنی حلال اور نیکی کا اور دوسرا بدی یعنی حرام اور برائی کا۔ اب قرآن اور حدیث کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہم کو نیکی وحلال کی روش اختیار کرنی چاہیے اور بدی کے اعمال کو ترک کر دینا چاہیے، لیکن اس زندگی میں ہمارے تمام تر فیصلے اور کوششیں صرف اور صرف وہ نصیب العین حاصل کرنے کے لیے ہونی چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی رضا شامل ہو، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور قانون یہ بھی ہے کہ اگر کوئی انسان اپنی آزادانہ خواہش کے مطابق کوئی کام، رتبہ یا پیشہ اختیار کرنا چاہے اور مسلسل اس زندگی میں اس کے لیے شب وروز بھاگ دوڑ کرتا رہے، اور اپنی ساری قوت اور اپنا سارا مال اور وقت اس ہی نصب العین کو حاصل کرنے میں صرف کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا یہ مقصد عموماً حاصل کروا دیتے ہیں، یعنی کوئی (نیکی یا بدی کا) مقصد حاصل کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد کی جائے تو وہ مقصد عموماً حاصل ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر تصوّر کریں کہ کسی گھرانے میں ایک بچہ ہے جس کی آواز بہت اچھی ہے، گھر والوں کو بھی اس کا احساس ہوگیا، اب وہ بچے سے گانا گانے کی فرمائش کرنے لگے، وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ مختلف خاندان اسکول اور کالج کی محفلوں میں بچے نے اپنا ہنر دکھانا شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دین اور دنیا کی تعلیم کو خیر باد کہہ کر اب وہ بچہ مسلسل گانے کی مشق اور سر تال سیکھنے میں لگ گیا، اور دن رات بڑا گلوکار بننے کی جدوجہد میں لگا دیئے، موسیقی کے آلات بھی خرید لیے اور سارے اوقات گانے کی مشق میں گزارنے لگا، دھیرے

دھیرے اسٹیج، ریڈیو سے ہوتا ہوا فلم کی دنیا میں بھی مشہور ہو گیا اور ایک وقت آیا کہ وہ پوری دنیا میں اس کا نام ہو گیا اور خوب شہرت اور مال کمایا، جس نصب العین کیلئے جدوجہد کی اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ عطا کر دیا۔ اس کے برعکس ایک بچہ کہیں دین دار گھرانے میں پیدا ہوا اور آواز اور لحن اس کا بھی اچھا تھا، گھر والوں نے اسکی تربیت پہ توجہ دی اور دین کی طرف رغبت دلائی اور حلال نصب العین حاصل کرنے میں اس کی مدد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس نے قرآن شریف اور احادیث مبارکہ اور فقہ وغیرہ کے مضامین میں اعلیٰ سندیں حاصل کرنے کے ساتھ قرآن شریف کو حفظ کرنے اور اس کی قرأت سیکھنے میں سارے وسائل اور وقت لگا دیا، عمر کے ساتھ ساتھ وہ ایک بڑا اقاری، حافظ اور مفتی بن گیا اور پوری دنیا میں اس کی بھی شہرت ہو گئی۔

اب یہ دونوں انسان جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو ان کا جو معاملہ ہونا ہے وہ نہایت غور طلب اور تنبیہ شدہ اوصالح پر گزری آیات ۴۰ اور ۴۱ میں یوں فرمایا گیا ہے۔

''اب ان کی کوشش دیکھی جائے گی اور ان کو انہیں کے مطابق اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا''۔ یعنی دنیا میں جس چیز کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کی تھی وہ تو عطا کر دی گئی اب آخرت میں جانچ و پڑتال ہوگی کہ اپنی زندگی اور محنت کس نیک یا بدی کے حصول کے لیے صرف کر دی اور اس کے مطابق ہی جزا اور سزا دی جائے گی، راستے کا چناؤ ہم نے کرنا ہے مگر جو راستہ ہم اختیار کر لیتے ہیں اس راستے پر اللہ تعالیٰ ہمیں آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں، اور اس ہی کی توفیق دیتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے مطابق اب اگر ہم اپنے ماحول اور معاشرے سے پہ نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی فلمی اداکار یا اداکارہ ہے، کوئی رقاصہ، جواری، ذخیرہ اندوز، بڑا دھوکہ باز، غنڈہ بدمعاش ہے۔ اور بدعنوانی وغیرہ کے گناہوں کے پیشے کو اختیار کر بیٹھا اور کوئی معاشرے کا معزز فرد بن کر معلم، متقی، مفتی اور صالح انسان کے درجے پہ فائز ہو گیا ہے، اب اگر گناہ کار انسان نے مرنے سے قبل سچی توبہ نہ کی تو ان دونوں انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو اوپر کی ان آیات میں آچکا ہے۔

ہم ذرا اپنی ذات پہ بھی ایک نظر ڈالیں اور غور کریں کہ ہماری دن بھر کی مصروفیات اور فیصلوں کا مقصد صرف دنیا اور دنیا کی لذتیں حاصل کرنے کے لیے ہے یا ان میں کچھ آخرت کا بھی حصّہ ہے۔ اگر آخرت

کا حصہ نہیں ہے یا کم ہوتو یہ بہت ہی خطرناک صورت حال ہے اور ہمیں اپنے اعمال کی درستگی کی فوراً فکر کرنی چاہیے، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ آیت نمبر ۴۴۔۴۵۔۴۷ بھی دیکھ لی جائیں جس میں بھی فرمایا گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب (قرآن شریف) کے مطابق اپنی زندگی میں فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

O اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّ نُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَ اخۡشَوۡنِ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ O (سورۃ المائدہ آیت:۴۴)

(ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی سارے نبی، جو مسلم تھے، اُسی کے مطابق اِن یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور اِسی طرح ربانی اور احبار بھی (اسی پر فیصلہ کا مدار رکھتے تھے) کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے پس (اے گروہ یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں)۔

O وَ كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَ الۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَ الۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَ الۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ O (سورۃ المائدہ آیت:۴۵)

(توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے

برابر کا بدلہ پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں)۔

O وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (سورۃ المائدہ آیت: ۴۷)

(ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں)۔

''پھر انہیں کافر ظالم اور فاسق کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں، گو یہ آیت شانِ نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص شامل ہے، بنو اسرائیل کے بارے میں یہ آیات اتری مگر اس امت کو بھی یہی حکم ہے، ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی فرماتے ہیں، جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا جانے کے باوجود اس کے خلاف کیا، وہ کافر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا اس کا یہ حکم ہے جس نے انکار تو نہ کیا، وہ ظالم اور فاسق ہے، خود اہل کتاب ہو خواہ کوئی''۔ [1]

''یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کیے ہیں، ایک یہ کہ وہ کافر ہیں دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے''۔ [8]

''امام ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ تم بھی کتنی اچھی قوم ہو جو میٹھی چیز ہو وہ تمہارے لیے اور جو کڑوی ہو وہ اہل کتاب کے لیے گویا آپ کی رائے تھی یہ آیات مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

امام عبد بن حمید اور ابو الشیخ نے حضرت ابو مجلز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق

فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے، انہیں لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے‘‘۔ [4]

ان آیات کے سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہ آیت یہود کی برائیوں کے بارے میں اتری ہیں، یہودی اپنی کتاب زبور اور پھر قرآن شریف کے احکامات میں نازل ہوئے فیصلوں کو نہیں مانتے تھے کیونکہ اس میں ان کی غرض اور نفسانی خواہشات پوری نہیں ہوتی تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کے لیے سخت الفاظ میں گمراہی کی وعیدیں سنائیں۔ قرآن شریف کے اصول کی مطابق اگر ان آیات کو عام انسانوں اور خاص کر مسلمانوں کے لیے تاکیداً حکم میں لیا جائے پھر اگر ہم اپنے فیصلے قرآن مجید (اور احادیث مبارکہ) کے احکام کے مطابق نہیں کرتے تو یہ آیت ہم کو بھی کافر، فاسق اور ظالم جیسے گناہ گاروں کے صف میں لا کھڑا کرنے کے لیے کافی ہے۔

عربی میں ’’حکم‘‘ کے معنے فیصلہ کرنے کے ہوتے ہیں اس لیے عربی میں عدالتوں کو ’’محکمہ‘‘ کہتے ہیں، (یعنی جہاں فیصلے کیے جائیں) ظاہر ہے یہ آیات صرف عدالتوں کے جج صاحبان یا کسی مصنف کے بارے میں تو نہیں ہیں۔ ہر مسلمان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں جو بھی فیصلے کرتا ہے کیا وہ قرآن مجید اور احادیث کے مطابق ہیں کہ نہیں؟

ہماری عدالتوں پر بیٹھے ہوئے جج صاحبان کے لیے بھی ان آیات میں بہت سخت لمحہ فکریہ اور بہت تنبیہ اور ڈراوا ہے کہ وہ کسی نظام کے تحت کیا فیصلے صادر فرما رہے ہیں۔ اس دور کا عدالتی نظام انگریزوں کا بنایا ہوا سینکڑوں سال پرانا ہے، اس نظام میں گناہوں کی گواہیاں اور وکیلوں کی مباحثے کی صلاحیتوں کے بنیاد پر ہی فیصلے صادر فرمائے جاتے ہیں۔ جج کی اپنی فقہی صلاحیتوں، علم اور تحقیق کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جس معاشرے میں بدعنوانی، رشوت، جھوٹ اور غنڈا گردی جیسے بڑے بڑے گناہ عروج پر ہوں وہاں عدل و انصاف کا ان عدالتوں سے ملنا ناممکنات میں سے ہے۔ یہ سارا کا سارا نظام امیروں کی پشت پناہی اور غریبوں کی اذیت اور دہائی کے لیے کارفرما ہے، یہی وجہ ہے کہ صاحب اقتدار اور امیروں کو ان کے جرم پر سزا نہیں ہوتی اور غریب مقدمہ بازی میں سالوں ذلیل ہونے کے باوجود عدل و انصاف کی توقع نہیں کرسکتا۔ یہ انگریزوں کا نظام عدالت جس میں ضمانت قبل از گرفتاری، ضمانت بعد از گرفتاری، وعدہ معاف گواہ کی گنجائش،

حکم امتناہی اور پھر تاریخ پر تاریخ بڑھانے وغیرہ جیسی نامعلوم کتنی قانونی شقیں موجود ہیں جو جلد اور مناسب عدل وانصاف کی راہ میں مسلسل رکاوٹ ہیں، پھر ذرا غور کریں کہ کسی نے اگر اربوں روپوں کا غبن کیا ہے تو وہ صرف چند فیصد اس کا ادا کر کے باعزت رہائی حاصل کر لیتا ہے، ایک عدالت نے اگر مجرم قرار دے بھی دیا تو دوسری اعلیٰ عدالت اس کو باعزت بری بھی کر سکتی ہے۔ملزم نے اگر پولیس کے سامنے اقرار جرم کر بھی لیا تو وہ عدالتوں میں جا کر مکر جاتا ہے۔گواہان کو راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے یا ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔گواہی کے دستاویزات کا سارا رکارڈ جلا دیا جاتا ہے۔اب کر لو جو انصاف کے نام پر فیصلہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مقابلے میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کبھی بھی کسی معاشرے میں عدل وانصاف اور امن کے ضامن نہیں ہو سکتے، جب تک ہم شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دیے گئے قوانین اور حدود کو پوری طرح نافذ نہیں کرتے ہم اس گناہ اور فساد شدہ معاشرے میں ناانصافیوں اور ظلم سے نجات حاصل نہیں کر سکتے، اس پورے ماحول میں ہمارے جج اور منصف حضرات ذرا اپنا مواخذہ خود کر کے دیکھیں کہ وہ روزانہ کس قانون اور نظام کے تحت کیا فیصلے صادر فرمارہے ہیں؟ کہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا اعلان کیا ہوا حکم ان پہ قابل اطلاق تو نہیں ہے؟

اب یہی نہیں بلکہ اگر کوئی مسلمان آخرت کے خوف سے اس پورے نظام کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی یہ کوشش قبول کی جائے گی۔نیکی کی طرف اٹھنے والا ہر قدم عمل اور کوشش اگر وہ عین شریعت کے مطابق کیا جائے تو اس کا اجر محفوظ ہے چاہے وہ کوشش اور سعی کامیاب ہو یا نہ ہو۔

O وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۹)

(اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے، اور ہو وہ مومن، تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی)۔

''پہلا حال صرف کافر منکر آخرت کا ہو سکتا ہے اس لیے اس کا کوئی بھی عمل مقبول نہیں اور دوسرا حال مومن کا ہے اس کا وہ عمل جو اخلاص نیت کے ساتھ آخرت کیلئے ہو اور باقی شرائط بھی موجود ہوں وہ مقبول

ہو جائے گا اور اس کے بھی جس عمل میں اخلاص نہ ہو یا دوسری شرطیں مفقود ہوں وہ مقبول نہیں ہوگا''۔

بدعت اور خود رائی کا عمل کتنا ہی اچھا نظر آئے مقبول نہیں: اس آیت میں سعی و عمل کے ساتھ لفظ **سعیھا** سے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ ہر عمل اور ہر کوشش نہ مفید ہوتی ہے نہ عنداللہ مقبول بلکہ عمل وسعی وہی معتبر ہے جو مقصد (آخرت) کے مناسب ہو اور مناسب ہونا یا نہ ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لیے جو نیک اعمال خود رائی اور منگھڑت طریقوں سے کیے جاتے ہیں جن میں بدعات کی عام رسوم شامل ہیں وہ دیکھنے میں کتنے ہی بھلے اور مفید نظر آئیں مگر آخرت کے لیے سعی مناسب نہیں۔ اس لیے نہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں اور نہ آخرت میں کارآمد۔

''اور تفسیر روح المعانی نے **سعیھا** کی تشریح میں سعی کے مطابق سنت ہونے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل میں استقامت بھی ہو یعنی عمل مفید مطابق سنت بھی ہو اور اس پر استقامت اور مداومت بھی ہو بدنظمی کے ساتھ کبھی کر لیا کبھی نہ کیا اس سے پورا فائدہ نہیں ہوتا''۔[3]

''اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ جو شخص آخرت کا طالب ہو اور اس کے لیے کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مقبول ہو گی اور اللہ کے یہاں اس کی محنت اا ور کوشش کی قدر کی جائے گی۔ یعنی اس کی محنت اور سعی کا ثواب دیا جائے گا۔ اس میں تین شرطیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ آخرت کا طلب گار ہو یعنی نیت صحیح ہو خالص آخرت کے ثواب کا ارادہ ہو اور دوسری شرط یہ بتائی کہ آخرت کے لیے کوشش کرے اور یہ ایسی کوشش ہو جسے آخرت کی کوشش کہا جا سکے، یعنی اس کے اعمال اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے موافق ہوں (اگر طالب آخرت ہو لیکن اعمال غیر شرعی ہوں جیسا اہل بدعت کے اعمال ہیں تو ایسے اعمال مقبول نہیں) اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو اگر مومن نہ ہوگا تو آخرت میں کوئی عمل فائدہ مند نہ ہوگا۔ خواہ کیسا ہی طالب آخرت کا مدعی ہو اور اپنے خیال میں آخرت کے لیے محنت اور ریاضت کرتا ہو جیسا کہ سادھو اور راہب محنتیں کرتے ہیں۔ **فاولئك كان سعيهم مشكورا** (اہل ایمان کی سعی کی قدردانی کی جائے گی) یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور انہیں جنت عطا فرمائے گا اور جتنا جتنا عمل کیا اس سے بہت زیادہ بڑھا کر عمل کو کئی گنا کر کے اجر عطا فرمائے گا''۔[7]

کسی بھی نیکی کے عمل کے قبول ہونے کی شرط یہی ہے کہ پورے اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی جائے، اگر ریا کاری یا ذاتی مفاد کا حاصل کرنا کسی نیکی سے مقصود ہوتو وہ نیکی آخرت میں عمل صالح ہونے کے بجائے غیر صالح عمل بن جائے گی۔

O فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (سورۃ انبیاآیت ۹۴)

(پھر جونیک عمل کرے گا، اِس حال میں کہ وہ مومن ہو، تو اس کے کام کی ناقدری نہ ہوگی، اور اُسے ہم لکھ رہے ہیں)

''اللہ تعالیٰ''الشکور'' (قدردان) ہے، اگر کسی کے دل میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت موجود ہے تو اس کے اخلاص اور ایثار کے مطابق اس کے ہر نیک عمل کی جزا دی جائے گی، ایسے کسی شخص کے چھوٹے سے عمل کی بھی ناقدری نہیں کی جائے گی۔

رہے وہ لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یا مسلمان نہیں ہیں لیکن نیکی اور بھلائی کے مختلف کام بھی کرتے ہیں تو اللہ کو ان کے ایسے کسی عمل سے کوئی سروکار نہیں۔ بہرحال جو کوئی بھی نیکی کا کوئی کام اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کی نیت کے بجائے محض دکھاوے یا کسی اور غرض کی بنا پر بھی کرے گا تو اسے اس کا کوئی اجر آخرت میں نہیں ملے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص الیکشن لڑنا چاہتا ہے اور اس کے لیے گھر گھر جا کر خیرات بانٹ رہا ہے تو اس کے اس عمل کے پیچھے اس کا خاص مقصد اور مفاد ہے نہ کہ اللہ کی رضا، لہٰذا اللہ کے ہاں ایسا کوئی بھی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔

(وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ 94) اور ہم اس کے لیے (اس کے اعمال کو) لکھ رہے ہیں۔

خالص ہماری رضا کے حصول کے لیے یا ہمارے دین کی سربلندی کے لیے جو جہاں اور جب کوئی عمل انجام پا رہا ہے ہم اسے اپنے ہاں لکھ رہے ہیں تا کہ ایسے ہر ایک عمل کا پورا پورا اجر دیا جائے''۔ [7]

اس ہی طرح مثال کے طور پر اگر ہم اپنے کسی مریض کی عیادت کو جاتے ہیں اور دل میں نیت اور مقصود یہ ہو کہ وہ مریض ہماری عیادت سے خوش ہو جائے گا یا خاندان میں ہمارے اخلاق کا چرچہ ہوگا تو یہ نیکی

کا عمل اللہ تعالیٰ کے حضور قبول نہیں ہوگا۔

O اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (سورۃ الدھر آیت ۲۲)

(یہ ہے تمہاری جزااور تمہاری کارگزاری قابل قدر ٹھیری ہے)۔

"اصل الفاظ ہیں كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا۔ یعنی تمہاری سعی مشکور ہوئی، سعی سے مراد وہ پورا کارنامہ حیات جو بندے نے دنیا میں انجام دیا، جن کاموں میں اس نے محنتیں اور جن مقاصد کیلئے اس نے اپنی کوشش صرف کیں ان سب کا مجموعہ اس کی سعی ہے اور اس کے مشکور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قابلِ قدر قرار پائی۔ شکریہ ہے کہ جب بندے کی طرف سے خدا کے لیے ہوتو اس سے مراد اس کی نعمتوں پر احسان مندی ہوتی ہے اور جب خدا کی طرف سے بندے کے لیے ہوتو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خدمات کی قدر فرمائی، آقا کی یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ بندہ جب اس کی مرضی کے مطابق اپنا فرض انجام دے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرے"۔ [8]

آخرت میں تو انسان اپنا سارا فریب خود دیکھے گا اور اس کی نیتیں اس کے نامہ اعمال میں کھل کر سامنے آجائیں گیں کہ کسی وقت کونسا نیکی کا عمل کس نیت سے کیا تھا۔

O يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى (۳۵) (سورۃ النازعات، آیات ۳۵)

(جس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا)۔

یعنی جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبہ کا دن آ گیا ہے جس کی اسے دنیا میں خبر دی جارہی تھی، تو قبل اس کے کہ اس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے، اسے ایک ایک کر کے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کر کے آیا ہے، بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہوجاتے ہیں جس میں موت انکو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو اپنی پوری زندگی کی فلم ان کی چشم تصور کے سامنے ایک لخت پھر جاتی ہے"۔[8]

(x) تبلیغ دین اور اقامت دین کے فرائض

قرآن مجید اور احادیث کے مطابق تبلیغ دین اور اقامت دین کے صالح اعمال کو کرنا بھی دین کا ایک اہم

فریضہ ہے، جس کو بھی اللہ تعالیٰ نے استطاعت، استعداد اور وسائل دیئے ہیں اس کے باوجود اگر کوئی اس اہم فریضہ سے غفلت یا سستی کرتا ہے تو وہ سخت گناہ گار اور اپنی اس لا پرواہی کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوگا۔ یہ مسلمانوں پر اہم ذمہ داریاں ہیں اور چونکہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد یا تو ان فرائض سے ناواقف ہے یا ان کو ادا کرنے میں بھی سخت غفلت کا شکار ہے۔ اس لیے ان دو امور کو الگ الگ اور تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(x.i) **تبلیغ دین:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل جتنے بھی نبی و پیغمبر بھیجے گئے وہ سب ایک شریعت لے کر اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے، ان کو اس وقت جو کتابیں یا صحیفے دیئے گئے انہیں اس وقت کی مناسبت سے زندگی گزارنے کے طریقے یعنی عبادات، حلال و حرام (Dos & Don'ts) وغیرہ کے احکامات صادر فرمائے گئے، پھر جوں جوں انسانی ارتقا نے ترقی کی، شریعت کے احکامات میں ردو بدل ہوتا رہا اور پرانی شریعتیں منسوخ ہوتی رہیں پھر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معبوث ہونے کے بعد اور قرآن شریف کے مکمل نزول کے بعد دین اسلام کی شریعت مکمل ہوگئی۔

O حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المائدہ آیت ۳)

(تم پر حرام کیا گیا مُردار، خون، سُور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو یہ سب افعال فسق ہیں آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے (لہٰذا حرام وحلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں اُن کی پابندی کرو) البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر اُن میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔

''اللہ تعالیٰ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ ''میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل مکمل کر دیا، تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں، نہ اس نبی کے سوا اور کسی نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے، اللہ نے تمہارے نبی کو خاتم النبین کہا ہے، انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے، حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں، حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں، دین وہی ہے جسے یہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں۔ جیسے فرمان باری ہے، وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا، جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم میں عدل والا ہے۔ دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے، چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں، اس لیے تم بھی اس پر راضی رہو۔ یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے''۔ [1]

یعنی اب قیامت تک ہر انسان کو دین اسلام قبول کرنا ہوگا اور اس کی شریعت کا پابند ہونا ہوگا کیونکہ اب تو نہ کوئی اور رسول آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب (شریعت) نازل کی جائے گی، اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپنے حصے کا تبلیغ دین کا کام کر گئے۔

نتیجہ یہ کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر تقریباً 3/2 علاقے میں نہ تو صرف اسلام پھیل گیا بلکہ اس کی شریعت کا نفاذ بھی ہو گیا تھا، بعدازاں مسلمانوں کی اپنی کوتاہیوں اور قرآن مجید اور سنت رسول کی رفتہ رفتہ ترک کر دینے کی وجہ سے مسلمان مغلوب ہوتے چلے گئے۔ اور آج ہم بطور مسلمان جس ناکامی اور ذلت کا شکار ہیں اس سے ہم سب خوب واقف ہیں۔ تبلیغ دین کی اہمیت اور اس کی فرضیت ہمارے ذہنوں سے نکل گئی ہے یا اس مغربی تہذیب نے بالکل نکال دی ہے۔ ماسوائے چند تبلیغی جماعتوں کے اس کام کو

انفرادی یا اجتماعی طور پر کرنے کی کوشش نا کافی اور غیر معیاری ہونے کی وجہ سے اس کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہورہے، نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے گمراہی اور سرکشی اور جہالت کا شکار ہیں، تبلیغ دین کا ہدف صرف غیر مسلموں کو دین اسلام کی دعوت دینا ہی نہیں بلکہ لاعلم ۔۔گناہ گار اور سرکش مسلمانوں کو بھی دین کی تعلیم دیتے ہوئے ان کے انفرادی عقائد کو درست کرنا، فرائض کی اہمیت اور عبادات کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کرنا اور پھر بڑے بڑے گناہ کبیرہ سے ان کو باز رکھنا اور ان گناہوں کی نحوست اس کے نتائج اور سزاؤں سے ان کو آگاہ کرنا یہ سب تبلیغ دین کی فرائض میں شامل ہیں۔

اب اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اللہ کے رسول کے ارشادات سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہیں، سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ میں جو اللہ تعالی کا فرمان ہے اس کا مفہوم اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیچ کی امت بنایا ہے، یعنی اس سے پہلے جو مختلف قومیں اور امتیں گزر گئیں اور جو لوگ انسان بعد میں آنے والے ہیں ان کے لیے یہ امت ایک درمیان کی امت ہے۔ اس امت کو یعنی ہم سب کو آخرت میں گواہی دینی ہوگی کہ ہم کو جو پیغام ہمارے رسول ﷺ نے پہنچایا تھا وہ ہم نے اپنے سامنے والے انسانوں کو بھی پہنچا دیا تھا اور رسول ﷺ بھی ہم پر گواہ ہوں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کرتے ہوئے، اللہ تعالی کا پیغام جوں کا توں اپنی امت یعنی ہم تک پہنچا دیا تھا۔ اب اگر ہم اپنے حصّہ کا تبلیغ دین کا فریضہ نہ ادا کر سکے تو ہم آخرت میں کیسے گواہی دینے کے قابل ہوں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو نافرمانوں کی صف میں شامل کر دیا جائے گا۔ (معاذ اللہ)

○ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۳)

(اور اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ’’امت وسط‘‘ بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو)۔

’’پھر یہ جو فرمایا کہ تمہیں ’’امت وسط‘‘ اس لیے بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو‘‘ تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت ہر رسول ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے گواہی دے گا کہ فکرِ صحیح اور عمل صالح اور نظامِ عدل کی جو تعلیم اللہ نے

اسے دی تھی وہ اس نے سب کو بے کم وکاست پوری کی پوری پہنچا دی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا، اس کے بعد رسول ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھایا جائیگا، اور یہ شہادت دینی ہوگی کہ رسول ﷺ نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا وہ تم نے انہیں پہنچانے میں اور جو کچھ رسول نے تمہیں کر کے دکھایا تھا وہ تم نے انہیں کر کے دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔[8]

اگر کوئی مسلمان یا امام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اپنے مقدور بھر کرتا رہے تو وہ اس گرفت سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے ۹ ذی الحجہ کو جو آخری خطبہ حج دیا تھا اس میں اس موضوع پہ ان کا فرمان تھا کہ،

۞ یاد رکھو تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک دن اپنے اعمال کے جوابدہی کے لیے حاضر ہونا ہے،، خبردار رہو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔

۞ یاد رکھنا میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا نہ کوئی نیا دین لایا جائے گا، میری باتیں اچھی طرح سمجھ لو۔

۞ میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، قرآن اور میری سنت، اگر تم اس کی پیروی کی تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

۞ سنو، تم لوگ جو موجود ہو اس بات کو اگلے لوگوں تک پہنچانا، اور پھر وہ لوگ اگلے لوگوں تک پہنچائیں، اور یہ ممکن ہے کہ بعد والے میری بات کو پہلے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں کہ بہتر سمجھ (اور عمل) کر سکیں۔ پھر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا اور براہ راست سننے والوں سے کہا۔

۞ اے اللہ گواہ رہنا میں نے تیرا پیغام تیرے لوگوں تک پہنچا دیا۔

اس کے ساتھ ہی سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ کی ذمہ داری جو رسول اللہ ﷺ پر تھی وہ پوری ہوئی اور جس گواہی کا ذکر ہے اس کا آخرت کے ساتھ تعلق ہے، اب رہتی دنیا تک یہ ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے حصے کا تبلیغ دین کا کام کرتے رہیں۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس خطبہ حج کے بعد اپنے گھر جانے کے بجائے پوری دنیا میں

پھیل گئے تا کہ تبلیغ دین کا فریضہ ادا کر سکیں۔

نیکی کا حکم دینا (امر بالمعروف) اور برائی سے روکنا (نہی عن المنکر) ہر ایک مسلمان پہ فرض ہے، جس کی جتنی استطاعت ہو اور جہاں کہیں بھی جس پہ بھی اس کا زور چلتا ہو اس کے ساتھ یہ بھلائی کرنا لازم ہے، مرد کی کفالت میں جو بھی رشتہ دار ہیں وہ اس کی ذمہ داری ہیں، اگر کوئی مرد یہ عمل نہیں کرتا تو وہ گناہ گار ہو کر اللہ تعالیٰ کو آخرت میں جواب دہ ہوگا، اس ہی لیے حدیث مبارک ہے کہ۔

''برائی (گناہ) کو اگر ہاتھ سے روکنے کی سکت ہو تو ہاتھ سے روکو وگرنہ زبان سے منع کرو اور اس کی بھی اگر سکت نہیں ہے تو کم از کم دل میں اس برائی (گناہ) کو برا سمجھو اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے''۔

قرآن مجید میں اس فریضہ کا متعدد بار ذکر ہوا۔

O كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ ال عمران آیت ۱۱۰)

(اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو یہ اہل کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا اگر چہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں مگر اِن کے بیشتر افراد نافرمان ہیں)۔

''مسلمان کی اوّلین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرے۔ نیکیاں کرتا رہے گناہوں سے بچتا رہے اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو گناہوں سے بچاتا رہے اور دینی ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے۔ خود نیک بن جانا اسلامی معاشرہ باقی رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے رہیں اور نیکیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکیں تب اسلامی معاشرہ باقی رہے گا۔ چونکہ انسان کے اندر بہیمت کے جذبات بھی ہیں اور اس کی پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے اس لیے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ بیٹھتے

ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں ایسے لوگوں کو صحیح راہ پر باقی رکھنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت: ۔آیت بالا میں حکم فرمایا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف کرتی ہو اور نہی عن المنکر کرتی ہو۔ جو کام اللہ کی رضامندی کے ہیں ان کو معروف اور جو کام اللہ کی ناراضگی کے ہیں ان کو منکر کہا جاتا ہے۔ پانچ آیات کے بعد پھر اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور فرمایا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ اور سورہ توبہ میں ارشاد ہے۔

O وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۃ التوبہ۔آیت ۷۱)

(مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے)۔

اس کے علاوہ دوسری آیات میں بھی قرآن مجید میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور ضرورت بتائی ہے سورہ توبہ کی آیت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام مومنین کی خاص امتیازی صفات ہیں احادیث شریفہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت بتائی گئی ہے، صحیح مسلم ص ۵۱ ج ۱، میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

{مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ, فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ, فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ, وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ}

(یعنی تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے یعنی برائی کرنے والے کو اپنے زور کی طاقت سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے (یعنی برائی کرنے سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ (صرف دل سے برا جان کر خاموش رہ

جانا اور ہاتھ یا زبان سے منع نہ کرنا) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے)

معلوم ہوا کہ ہر شخص نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا مامور ہے۔ اپنے گھر کے بڑے اداروں کے، بڑی کمپنیوں اور فرموں کے ذمہ دار حکومتوں کے عہدیدار بقدر اپنی قوت اور طاقت کے اس فریضے کو انجام دیں، گھر کے لوگ اپنی زوج، اولاد، نوکروں اور رشتہ داروں کو نیکیوں کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے میں پوری قوت استعمال کریں، لیکن افسوس ہے کہ اپنے اولاد کو دنیاوی دھندے تو سکھاتے ہیں اور تجارتی کاروباری باتیں سمجھاتے ہیں لیکن فرائض وواجبات کا انہیں حکم نہیں دیتے اور گناہوں سے انہیں نہیں روکتے"۔ [6]

''سب سے بہتر شخص کون؟ اور سب سے بہتر امت کا اعزاز کس کو ملا؟ (سورۃ ال عمران آیت 110)
اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام امتوں پر بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو، تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو، اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو۔ ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت منبر پر تھے کہ حضور کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو، سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا، سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا، سب سے زیادہ رشتے ناطے ملانے والا ہو۔" (مسند احمد)[1]

امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت پر بھی وہی احوال آئیں گے جو بنو اسرائیل پر گزرے ہیں، اگر ان میں سے کسی نے اعلانیہ اپنی ماں سے نکاح کیا ہوگا تو میری امت میں بھی اسی کی مثل ہوگا، بنو اسرائیل اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب جہنم میں ہوں گے مگر صرف ایک جماعت کے۔ آپ سے عرض کیا گیا وہ ایک جماعت کون سی ہوگی؟ فرمایا جو اس راستہ پر ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔ [4]

سورۃ ال عمران آیت ۱۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ فریضہ اب اس امت یعنی ہم مسلمانوں کو ادا کرنا ہے۔

O يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(سورۃ ال عمران آیت: ۱۱۴)

(اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں یہ صالح لوگ ہیں)

''اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں کیونکہ ان کو اللہ سے خوف کامل ہے اور ان کے ہوا و ہوس کا سلسلہ کوتاہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اس سے پہلے کہ ایسا بڑھاپا آجائے جس میں سر ہلنے لگے یا غفلت کی حالت میں موت آجائے یا (حرکت سے) روک دینے والی بیماری پیدا ہو جائے یا ناامید کر دینے والی تاخیر آجائے نیک اعمال کر لو۔ رواہ البیہقی عن ابی اماتہ۔''[2]

اس ہی طرح اجتماعی طور پر حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ برائیوں کو پھیلنے سے روکے، اور نیکی کو فروغ دینے کا بندوبست کرے۔

O اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (سورۃ الحج آیت: ۴۱)

(یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے)

''یعنی اللہ کے مددگار اور اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمانروائی بخشی جائے تو انکا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامت صلوۃ ہو، ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوۃ میں صرف ہو، ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے

بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے اوران کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہو، اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اوراس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہرنکال کررکھ دیا گیا ہے۔کوئی سمجھنا چاہےتو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے''۔[8]

''یہ تو اس آیت کے شانِ نزول کا واقعاتی پہلو ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے ان کا حکم عام ہوتا ہے، اسی لیے آئمہ تفسیر میں سے ضحاکؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالی ملک وسلطنت عطا فرمادیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفاء راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے''۔(قرطبی)[3]

اب اگر ہم یہ فریضہ ادانہیں کررہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اعمال اس سلسلے میں صالح نہیں ہیں اس کام کی ابتدا ہرانسان (مسلمان) کو سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع کرنی ہے۔اعمال صالح کرتے ہوئے ہرمرد اور عورت اپنے گھر میں اس بات کو یقینی بنائے کہ وہ خود نیکی اختیار کرکے گھر کے دوسرے افراد کو بھی نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔اس سلسلے میں اگر سختی بھی کرنی پڑے تو دین میں اس کی بھی اجازت ہے،مثال کے طور پر حدیث کے مطابق اگر بچہ دس سال کی عمر کے بعد نماز نہیں پڑھتا یا سستی کرتا ہے تو مارنے کا حکم ہے،اس ہی طرح اگر زوجین میں سے کوئی بدزبانی، بداخلاقی یا نافرمانی کرے یا زیادتی کرے اور ایک دوسرے کو حقوق ادا نہ کرے تو سوۃ النساء آیت ۳۴ (آیت نشوز) کے مطابق بیوی پر سختی کرنے اور ہلکی مار مارنے کی بھی اجازت دی گئی ہے تا کہ گھر والوں کو برائی سے روکا جاسکے۔

O اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا (سورہ النسا آیت:۳۴)

(مردعورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں اُن کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں اُن سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر تم وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالا تر ہے)۔

''مردعورتوں سے افضل کیوں؟ جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم، رئیس اور سردار ہے۔ ہر طرح سے اس کا محافظ ومعاون ہے اسی لیے کہ مردعورتوں سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں ہی رہی بعینہ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری) اسی طرح ہر طرح کا منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مردعورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر، نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا پورا کرنا۔ پس مرد فی نفسہ بھی افضل ہے اور بہ اعتبار نفع کے اور حاجت براری کے بھی اس درجہ بڑا ہے۔ اسی بناء پر مرد کو عورت پر سردار مقرر کیا گیا جیسے اور جگہ فرمان ہے۔ وللرجال علیھن درجۃ الخ، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مطلب یہ کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اس کے بال بچوں کی نگہداشت، اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا، جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، اپنے خاوند کی فرمابرداری کرے، اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے جنت میں چلی جا''۔ [1]

''یہ مطلب نہیں ہے کہ تینوں کام بیک وقت کر ڈالے جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نشوز کی حالت میں ان تینوں تدبیروں کی اجازت ہے۔ اب رہا ان پر عمل درآمد، تو بہرحال اس میں قصور اور سزا کے درمیان تناسب ہونا چاہیے، اور جہاں ہلکی تدبیر سے اصلاح ہوسکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام نہ لینا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیویوں کے مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے بادلِ ناخواستہ دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند

ہی فرمایا ہے۔تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو پٹے بغیر درست ہی نہیں ہوتیں۔ایسی حالت میں نبی ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ منہ پر نہ مارا جائے، بے رحمی سے نہ مارا جائے اور ایسی چیز سے نہ مارا جائے جو جسم پر نشان چھوڑ جائے''۔ [8]

ان آیات کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ زوجین (میاں و بیوی) ایک دوسرے پہ زیادتی کریں ہاں اگر جس گھر میں اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے احکامات پامال کیے جارہے ہوں۔ جہاں دین کے فرائض کی اور حقوق کی ادائیگی نہ کی جارہی ہو محرم اور نامحرم کا تصور نہ ہو، فحاشی اور عریانی اور گانا باجا، ٹی وی اور موبائل فون کے ذریعہ گناہ پھیل رہا ہو، بے پردگی کا رجحان ہو اور حرام رزق کی فراوانی ہو وغیرہ وغیرہ، وہاں اگر زوجین نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نہیں روکتے تو ان کیلئے اس فریضہ سے کوتاہی کے باعث آخرت میں سخت پکڑ ہے۔عموماً اخلاقیات کے نام پر یا پھر ذاتی اور خاندانی مصلحتوں کو بنیاد بنا کر اس فریضہ کو گھروں اور خاندانوں میں نظر انداز کیا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل چھوٹے چھوٹے عذاب کے جھٹکے آتے رہتے ہیں، کبھی ذہنی جسمانی یا مالی پریشانیوں کے شکل میں، کبھی حادثات یا پیاروں کی اموات یا موذی امراض کی صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے گھر والوں کو تنبیہ فرماتے رہتے ہیں، کہ توبہ کر کے اپنے اعمال صالح کرلیں۔اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہوتا دراصل یوں ہے کہ جب کوئی انسان خاص کر مسلمان گناہوں میں ملوث رہتا ہے تو ایک وقت کے بعد وہی گناہ اس کی طرف آفات اور مصیبتوں کی شکل میں لوٹا دیئے جاتے ہیں، پھر وہ انسان کہتا پھرتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ اللہ تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں کہ کیا ہوا کچھ نہیں ہوا، یہ تمہارے ہی غیر صالح اعمال تھے جو تمہارے منہ پہ مار دیئے گئے۔یہی قانون اللہ تعالیٰ سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۶۵، میں جنگ احد میں ہونے والے ابتدائی نقصانات کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔

O اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۃ ال عمران آیت:۱۶۵)

(اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ

بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے اے نبی ﷺ! اِن سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر رہے)۔

''مسلمانوں کو جو غزوہ احد میں وقتی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلے میں تکلیف پہنچی اس مصیبت پر کچھ لوگوں کے منہ سے یہ نکلا انّٰی ھذا (یہ مصیبت ہم کو کہاں سے پہنچی؟) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ ان کو جواب میں فرمادیں کہ یہ اسباب ظاہرہ میں تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور پہاڑی پر جن تیراندزوں کو بٹھا دیا گیا تھا انہوں نے باوجود تاکیدی حکم کے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت لوٹنے میں لگ گئے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے۔ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا بھی فرمایا کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے گذشتہ سال غزوہ بدر میں اس سے دوگنی مصیبت تم دشمنوں کو پہنچا چکے ہو، ستر آدمی ان کے قتل ہوئے تھے اور ستر آدمیوں کو تم قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لے آئے تھے۔ اس میں تسلی دینے کا پہلو اختیار فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو اپنی مصیبت سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو اب اگر تمہیں مصیبت پہنچ ہی گئی اور وہ بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے تو اس پر غمگین کیوں ہو رہے ہو۔''[6]

''یعنی یہ تمہاری اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، بعض کام تقویٰ کے خلاف کیے، حکم کی خلاف ورزی کی، مال کی طمع میں مبتلا ہوئے آپس میں نزاع اور اختلاف کیا، پھر کیوں پوچھتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟''[8]

یہ معاملہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوا، کہ ان کی ذرا سی لغزش پر پکڑ آ گئی، ہم اس دور کے عام مسلمان جو شب و روز نافرمانیوں اور گناہوں میں ملوث رہتے ہیں تو ہم کسی شمار و کسی قطار میں ہیں کہ ہم کو درگزر کر دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں پر فوراً نہیں پکڑتے۔ وہ حلیم ہیں وہ ڈھیل اور موقع دیتے رہتے ہیں کہ بندہ سنبھل جائے اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے اور دین کے احکامات کا پابند ہو جائے، بیشتر آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے گناہوں پہ پکڑنے کا اپنا قانون بیان فرمایا ہے، مثال:

O وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

(سورۃ الشوریٰ آیت: ۳۰)

(تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں

سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے)۔

''وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ کا یہی مطلب ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس شخص کو کسی لکڑی سے کوئی خراش لگتی ہے یا کوئی رگ دھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں، جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔ حضرت اشرف المشائخ نے فرمایا کہ جس طرح جسمانی اذیتیں اور تکلیفیں گناہوں کے سبب آتی ہیں اسی طرح باطنی امراض بھی کسی گناہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آدمی سے کوئی ایک گناہ سرزد ہو گیا تو وہی سبب بن جاتا ہے دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے کا جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے الدوا الشافی میں لکھا ہے کہ گناہ کی ایک نقد سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی طرح نیکی کی ایک نقد جزاء یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔'' [3]

''ابن ابی حاتم میں یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے مروی ہے، اس میں ہے کہ ابو جحفیہؒ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے یاد رکھنا ہر مومن کا فرض ہے پھر یہ تفسیر آیت کی اپنی طرف سے کر کے سنائی۔ مسند میں ہے کہ مسلمان کے جسم میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے، مسند ہی کی اور حدیث میں ہے جب ایمان دار بندے کے گناہ بڑھ جاتے اور اس کے کفارے کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی تو اللہ اسے کسی رنج و غم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور وہی اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس آیت کے اترنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کہ لکڑی کی ذراسی خراش ہڈی کی ذراسی تکلیف یہاں تک کہ قدم کا پھسلنا بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہے اور ابھی اللہ کے عفو کیے ہوئے بہت سے گناہ تو یونہی مٹ جاتے ہیں، ابن ابی حاتم میں بھی ہے کہ جب حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے جسم میں تکلیف ہوئی اور لوگ انکی عیادت کو گئے تو حضرت حسن نے کہا، آپ کی یہ

حالت تو دیکھی نہیں جاتی ہمیں بڑا صدمہ ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو جو تم دیکھ رہے ہو، یہ سب گناہوں کا کفارہ ہے اور ابھی بہت سے گناہ تو اللہ معاف فرما چکا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی ہے، ابو البلادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علا بن بدرؒ سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میں ابھی نابالغ بچہ ہوں اور اندھا ہو گیا ہوں، آپ نے فرمایا یہ تیرے ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہے، حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر بھول جانے والا یقیناً اپنے کسی گناہ میں پکڑا گیا ہے اس کی اور کوئی وجہ نہیں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا بتاؤ تو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ انسان یاد کر کے کلام اللہ بھول جائے۔'' [1]

اس مقام پر ایک اور حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ دین اسلام شعوری عمل کا نام ہے بغیر عمل صالح کئے ہوئے صرف گمان کر لینے کے، بنیاد پر فلاح نصیب نہیں ہوتی، جس طرح یہودیوں نے گمان کیا ہوا تھا، کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور پسندیدہ امت ہیں۔ ہمیں تو جہنم کی آگ چھوئے گی بھی نہیں اور اگر جہنم میں ڈالے بھی گئے تو صرف چند روز کے لیے۔ یعنی وہ سمجھتے تھے کہ وہ تو بخشے بخشائے ہیں، قرآن مجید اس گمان کی سخت تردید کرتا ہے، یہی سوچ اب زیادہ تر ہم مسلمانوں میں سرائت کر چکی ہے کہ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں، ہم جو بھی گناہ اس دنیا میں کرتے رہیں ہماری شفاعت ہو جائے گی اور ہم کو جہنم سے چھڑا لیا جائے گا، اول تو دانستہ گناہوں میں ملوث رہ کر یہ گمان رکھنا ہی غلط ہے، دوسرے آخرت میں جب کوئی رسول یا اللہ تعالیٰ کی کوئی اور مخلوق کسی کی بھی شفاعت کرنا چاہے گی تو پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اس بندے یا بندی کے لیے طلب کرے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے تو شفاعت کی درخواست کی جا سکے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال سے واقف ہیں کہ اعمال صالح تھے یا غیر صالح۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت کسی کی شفاعت کے لیے اولاً شرط ہوگی، کسی کی کسی سے نسبت کسی کو بھی شفاعت کا مستحق قرار دے کر جہنم سے نہیں بچایا جا سکے گا۔ قرآن مجید نے بیشتر مقام پر اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کو جہنم کا پروانہ مل گیا، حالانکہ وہ اتنی جلیل القدر پیغمبر کے والد تھے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو دنیا میں بھی ان کی قوم کے ساتھ عذاب دے دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سمجھ رہے تھے کہ چونکہ اس کا بیٹا ان کے اھل و عیال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر والوں کو طوفان سے بچانے کا کہا تھا، اس لیے ان کے بیٹے کو بھی بچا لیا جائے گا، مگر ہوا کیا؟ جب طوفان آیا تو ان کا بیٹا بھی ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس پر جب حضرت نوح

علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہی جواب تھا کہ (آپ کو علم نہیں) آپ کے بیٹے کے عمل غیر صالح تھے، سورۃ ھود آیت ۴۶ میں یہ وضاحت بیان کردی گئی۔

O قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ ھود آیت:۴۶)

(جواب میں ارشاد ہوا "اے نوح علیہ السلام، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے، یعنی عمل غیر صالح کرنے والا ہے، لہٰذا تو اُس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے")۔

دین ایک شعوری عمل ھے:

"یہاں اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ دین ورثے کی چیز نہیں کہ رسول کے گھر پیدا ہو گئے اور سب اعمال سے مبّرا اقرار پائے ۔ مسلمان کے گھر پیدا ہو گئے اس لیے اسلام کو جاننے اور اس کا مطالعہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، دین ایک شعوری عمل ہے، اس کو دل اور دماغ کی ہم آہنگی سے قبول کرنا اور دل کی گہرائیوں سے اس کی شہادت دینا پڑتی ہے۔ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کے بعد ایمان حاصل ہوتا ہے اور اگر ایک رسول علیہ السلام کو یہ جواب دیا گیا تو ان لوگوں کی کیا حیثیت رہ گئی، جو آج کل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے آپ کو اگر نسبت ہو گئی تو سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم کو جنت میں داخل کردیں گے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک رسول اپنے بیٹے کو نہیں بچا سکا تو ہم آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟ وہاں تو انبیا کو شفاعت کی مجال نہیں ہوگی۔ سب سے پہلی شفاعت یعنی شفاعت کبریٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کریں گے اور حضور سے پہلے تمام انبیاء اور رسول شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے، حضور اکرم بھی ایک طویل سجدہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری انسانیت کے لیے شفاعت کبریٰ کریں گے، کہ اے اللہ ان کی مشکل حل کیجیے، اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس کا نظام عدل پر مبنی ہے، اس میں اندھی سفارش نہیں چلتی، جو لوگ اندھی سفارش کا تصور رکھتے ہیں وہ دراصل دین کا راستہ روک رہے ہیں، انہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے۔"[9]

حدیث: ابوالیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعب نے خبر دی انہوں نے زہری سے کہا مجھ کو سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب (سورہ الشعراء کی) یہ آیت اللہ تعالیٰ نے اتاری (وانذر عشیرتک الاقربین) اور اپنے نزدیک ناطے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریش کے لوگو (یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ) تم لوگ اپنی اپنی جانوں کو (نیک اعمال کے بدل) مول لے لو (بچالو)۔ میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا (یعنی اس کی مرضی کے خلاف میں کچھ نہیں کرسکوں گا) عبدمناف کے بیٹو میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ صفیہ میری پھوپھی، اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ فاطمہ بیٹی تو چاہے میرا مال مانگ لے لیکن اللہ کے سامنے تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ ابوالیمان کے ساتھ حدیث کو اصبغ نے بھی عبداللہ بن وہب سے، انہوں نے یونس نے ابن شہاب سے روایت کیا۔ (حدیث بخاری ۲۷۵۳)

بخاری شریف کی اس حدیث مبارکہ ۲۷۵۳ میں اللہ کے رسول نے اپنے رشتہ داروں اور گھر والوں کو متنبہ کر دیا کہ میری نسبت کی وجہ سے آخرت میں نجات کی امید نہ رکھنا۔ شفاعت کا حق تو اللہ تعالی کے نبی و پیغمبروں کو حاصل ہوگا اور فرشتے بھی شفاعت کرسکیں گے، مگر ان کو بھی پہلے اللہ تعالیٰ کی اجازت لینے ہوگی۔

O وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى (سورۃ نجم آیت ۲۶)

(آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، اُن کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اُس کی اجازت نہ دے جس کے لیے وہ کوئی عرضداشت سننا چاہے اور اس کو پسند کرے)

''بہت سے فرشتے'' آسمانوں میں موجود ہیں (شاید اس میں اشارہ ہو علوشان کی طرف مگر باوجود اس علوشان کے ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی، (بلکہ خود شفاعت ہی نہیں پائی جاسکتی) مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں، اور (اس کے لیے سفارش کرنے سے) راضی ہوں، (یرضیٰ اس لیے بڑھایا تاکہ کبھی مخلوق کا اذن بلا رضا بھی کسی دباؤ یا مصلحت سے ہوجاتا ہے) اللہ جل شانہ کے معاملہ

میں اس کا بھی دور کا کوئی احتمال نہیں کہ وہ کسی دباؤ سے مجبور ہوکر راضی ہو جاؤیں۔" [3]

اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے بھی شفاعت کر سکیں گے مگر شرط سب کے ساتھ یہی ہے، کہ پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی اجازت لازماً درکار ہوگی، جیسا کہ آیت الکرسی میں بھی بیان کر دیا گیا ہے، یقیناً جو گناہ گار مسلمان ہوگا اور عمل غیر صالح کر کے زندگی گزارتا رہا ہوگا، اس کو شفاعت کے ذریعے جہنم کی آگ سے چھٹکارا پانے کا یقین نہ کرنا چاہیے جب تک اس کے گناہوں کی سزا جہنم میں نہ دے دی جائے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم اپنے اعمال درست کریں، اور اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو بھی نیکی کا حکم دیں اور بدی، برائی سے روکیں، یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جو اگلی آیت میں بیان ہوا ہے۔

O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (سورۃ تحریم آیت:۶)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں)۔

"حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے ایسی آگ سے بچنا اور اپنے گھر والوں کو بچانا عقل کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور یہ بچنا اسی طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خود بھی بچے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائے۔ انہیں دینی احکام سکھائے اور ان پر عمل کرائے دنیا میں کھلانے پہنانے کے لیے اپنے اہل وعیال کے لیے ہم انتظام تو کرتے ہیں۔ لیکن دوزخ کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس میں عموماً غفلت برتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ تم اپنی جانوں کو بھی اس آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی۔ اس میں فرائض وواجبات کا خود اہتمام کرنے اور اہل وعیال سے عمل کرانے کا حکم آ گیا اور گناہوں سے بچنے اور بچانے کا بھی بلکہ حلال کھانے اور کھلانے کا حکم بھی آ گیا۔ حرام کھانا اور اولاد کو حرام کھلانا دوزخ میں جانے اور لے جانے کا ذریعہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہوگا، جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہوگا دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔مشکوۃ المصابیح ۲۴۲''[6]

''جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل و عیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا، (روح المعانی) بیوی اور اولاد کی تعلیم وتربیت جو ہر مسلمان پر فرض ہے''۔[3]

یہاں عموماً یہ مغالطہ ہو جاتا ہے کہ صرف شوہر پہ اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچنا فرض کیا گیا ہے۔ حقیقتاً شوہر کے ساتھ ساتھ بیوی پہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے گھر کے افراد کو دین پہ قائم رکھنے کی تلقین کرتی رہے۔ اگر شوہر اور بچے گمراہی کا شکار رہیں تو ان کو بھی جہنم کی آگ سے بچاتے اور ساتھ اپنے دشتہ داروں کو بھی تنبیہ کرتی رہے۔ورنہ آخرت میں ہر فرد سے پوچھ ہوگی۔

O وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورۃ الشعرا آیت:۲۱۴)

(اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ)

''یعنی خدا کے اس بے لاگ دین میں کسی کے لیے کوئی رعایت نہیں حتیٰ کہ نبی کے خاندان اور اس کے قریب ترین عزیزوں کے لیے بھی کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے، یہاں جس کے ساتھ بھی کوئی معاملہ ہے اس کے اوصاف (Merits) کے لحاظ سے ہے، کسی کا نسب اور کسی کے ساتھ آدمی کا تعلق کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ گمراہی اور بدعملی پر خدا کے عذاب کا خوف سب کے لیے یکساں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اور سب تو ان چیزوں پر پکڑے جائیں، مگر نبی کے رشتہ دار بچے رہ جائیں، اس لیے حکم ہوا کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو بھی صاف صاف متنبہ کر دو اگر وہ اپنا عقیدہ اور عمل درست نہ رکھیں گے تو یہ بات ان کے کسی کام نہ آسکے گی کہ

وہ نبی کے رشتہ دار ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زبیر بن عمرو اور حضرت قبیضہ بن مخارق سے مروی ہے کہ یہ معاملہ صرف اس حد تک نہ تھا کہ قران میں انذر عشیرتک الاقربین کا حکم آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے بس اس کی تعمیل کر دی، دراصل اس میں جو اصول واضح کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ دین میں نبی اور اس کے خاندان کے لیے کوئی امتیازی مراعات نہیں ہیں جن سے دوسرے محروم ہوں جو چیز زہر قاتل ہے وہ سب ہی کے لیے قاتل ہے۔ نبی کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اس سے خود بچے اور اپنے قریبی لوگوں کو اس سے ڈرائے، پھر ہر خاص و عام کو متنبہ کر دے کہ جو بھی اسے کھائے گا، ہلاک ہو جائے گا اور جو چیز نافع ہے وہ سب ہی کے لیے نافع ہے۔ نبی کا منصب یہ ہے کہ سب سے پہلے اسے خود اختیار کرے اور اپنے عزیزوں کو اس کی تلقین کرے، انبیاء علیہم اسلام اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں کسی انسان کو دکھانے کے لیے کوئی عمل نہیں کرتے باقی اخلاص کا تعلق دل سے ہے لوگوں کے کہنے سے نہیں۔'' [8]

اب اگر کوئی مسلمان پوری استطاعت وسائیل اور اختیارات اور طاقت کے باوجود اپنے گھر والوں، رشتے داروں اور معاشرے کے دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا اور اس فریضے میں سستی، کاہلی یا مصلحتوں کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ ''عمل صالح'' نہیں کر رہا ہے۔

پھر جب کسی قوم یا علاقے پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے تو وہاں نیکوں کاروں میں سے صرف ان لوگوں کی بچنے کی امید ہوتی ہے جو برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیتے رہے ہونگے۔

O فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (سورۃ الاعراف آیت:۱۶۵)

(آخر کار جب وہ اُن ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا)۔

'یہاں جس بستی کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک تو حرام شکار کھیلنے والا اور

حیلے بہانوں سے مچھلیاں پکڑنے والا۔اور دوسرا گروہ انہیں روکنے والا اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے ان سے الگ ہو جانے والا اور تیسرا گروہ چپ چاپ رہ کر نہ اس کو کرنے والا اور نہ اس سے روکنے والا۔ جو لوگ خاموش تھے نہ برائی کرتے تھے نہ بروں کو برائی سے روکتے تھے انہوں نے روکنے والے کو سمجھانا شروع کیا کہ میاں ان لوگوں کو کہنے سننے سے کا کیا فائدہ انہوں نے تو اللہ کے عذاب مول لے لیے ہیں، اللہ کی غضب کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔اب تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔تو اس پاک گروہ نے جواب دیا کہ دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس ہم معذرت خواہ ہو جائیں ہم اپنا فرض برابر ادا کرتے رہے انہیں ہر وقت سمجھاتے بجھاتے رہے۔''معذرۃ'' پیش سے بھی ایک قرأت ہے تو گویا ھذا کا لفظ یہاں مقدر ماننا یعنی انہوں نے کہا، یہ ہماری معذرت ہے اور زبر کی قرأت پر یہ مطلب ہے کہ ہم جو انہیں روک رہے ہیں، یہ کام بطور اس کے کر رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہم پر الزام نہ آئے، کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کسی وقت کی نصیحت ان پر اثر کر جائے، یہ لوگ اپنی اس حرام کاری سے باز آجائیں، اللہ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی کرے اور ان کے گناہ معاف فرمادے۔آخر کار ان کی نصیحت خیر خواہی بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی، ان بدکاروں نے ایک نہ مانی تو ہم نے اس مسلم گروہ کو تو جو برابر ان سے نالاں رہا، ان سے الگ رہا اور انہیں سمجھاتا بجھاتا رہا، نجات دے دی اور باقی کے ظالموں کو جو ہماری نافرمانیوں کے مرتکب تھے، اپنے بدترین عذابوں سے پکڑ لیا۔پس وہ تو بچ گئے جو برابر روکتے رہے تھے۔اور باقی دونوں جماعتیں ہلاک کر دی گئیں۔''[1]

حدیث:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو عذاب ان سب لوگوں پر آتا ہے جو اس قوم میں ہوتے ہیں پھر انہیں ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔(بخاری صحیح حدیث رقم ۷۱۰۸)

(x.ii) اقامت دین کے فرائض: ان فرائض کو سمجھنے کے لیے ہم پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور پھر بنی نوع انسان کی تخلیق کا مقصد جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کا مقصد فرشتوں کو سورۃ بقرہ کی آیت 30 میں بیان فرمادیا تھا۔

○ وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَ يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (سورۃ البقرہ آیت ۳۰)

(پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''انہوں نے عرض کیا: ''کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں''فرمایا: ''میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے'')۔

''خلیفہ درحقیقت نائب کو کہتے ہیں، عام طور پر لوگوں کو مغالطہ لاحق ہوتا ہے کہ خلیفہ اور جانشین کسی کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے، زندگی میں نہیں ہوتا، لیکن دنیا میں اس کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے وائسرائے کا تصور ذہن میں رکھیے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہم انگریز کے غلام تھے۔ ہمارا اصل حاکم (بادشاہ یا ملکہ) انگلستان میں تھا جب کہ دہلی میں اس کا وائسرائے ہوتا تھا، وائسرائے کا کام یہ تھا کہ Her Majesty یا His Majesty کی حکومت کا جو بھی حکم موصول ہو اسے بلا چون و چرا بغیر کسی تغیر اور تبدیلی کے نافذ کرے۔ البتہ وائسرائے کو اختیار حاصل تھا، کہ اگر کسی معاملے میں انگلستان سے حکم نہ آئے تو وہ یہاں کے حالات کے مطابق اپنی بہترین رائے قائم کرے۔ وہ غور وفکر کرے کہ یہاں کی مصلحتیں کیا ہیں اور جو چیز بھی سلطنت کی مصلحت میں ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، بعینہ یہی رشتہ کائنات کے اصل حاکم اور زمین پر اس کے خلیفہ کے مابین ہے کائنات کا اصل حاکم اور مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو غیب کے پردے میں چھپا لیا ہے۔ زمین پر انسان اس کا خلیفہ ہے اب انسان کا کام یہ ہے کہ جو ہدایت اللہ کی طرف سے آ رہی ہے اس پر بے چوں و چرا عمل کرے اور جس معاملے میں کوئی واضح ہدایت نہیں ہے وہاں غور وفکر اور سوچ بچار کرے اور استنباط واجتہاد سے کام لیتے ہوئے عمل کرے۔ جو بات روحِ دین سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھنے والی ہو اسے اختیار کرے۔ یہی درحقیقت رشتہ خلافت ہے جو اللہ اور انسان کے مابین ہیں''۔ [7]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام اور پھر ہر ایک بنی نوع انسان پہ لازم ہوا کہ اللہ

تعالیٰ کے احکامات جو اس کے پیغمبروں کے ذریعے مختلف ادوار میں شریعت کی شکل میں آتے رہے ان کو نہ صرف اپنی ذات بلکہ پورے معاشرے پہ نافذ کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی زمین پہ اس ہی ضابطہ حیات کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ تمام پچھلے نبی اور پیغمبروں کا مشن یہی تھا وہ سب اپنے اپنے علاقوں اور قوموں کی طرف بھیجے گئے۔ مگر ان کی قوموں نے (ماسوائے چند حواریوں کے) ان کی تعلیم / کتاب اور ان کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان قومون پہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور وہ قومیں آنے والے لوگوں کے لیے عبرت بنا دی گئیں۔ یہ اعزاز ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے دئے گئے نظام زندگی یعنی اپنی شریعت کو پورے جزیرہ العرب میں نافذ کر کے دکھا دیا۔ بعد مین ان کے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم نے اس ہی مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے تقریباً 3 / 2 دنیا پہ دین اسلام قائم کر دیا۔ اس طرح اقامت دین کا جو فریضہ ان کے ذمے تھا وہ انہوں نے ادا کر دیا۔ تقریباً 400 سال تک اللہ تعالیٰ کی زمین پہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام زندگی قائم رہا۔ بعد میں پھر مسلمانوں کی گمراہی اور کافروں کی چالوں کی وجہ سے خلافت راشدہ کا دور ختم ہوتا گیا۔ اب نہایت افسوس ناک اور پریشان کن صورت حال یہ ہے کہ اس وقت ہمارے دور میں اللہ تعالیٰ کی اس زمین پہ کہیں بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام زندگی قائم نہیں ہے۔ ہم مسلمان چین کی نیند سو رہے ہیں۔ ہمارے ذہنوں سے اس فرئضے کی اہمیت بالکل نکل گئی ہے یا نکال دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں سخت پوچھ ہونی ہے۔ یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ دین اسلام کو قائم کر کے آئے ہو یا نہیں۔ بلکہ پوچھا اور دیکھا جائیگا کہ جو صلاحتیں نعمتیں اور وسائل دے گئے تھے ان کو بروئے کار لاتے ہوئے دین کو قائم کرنے کی کتنی کوشش کی؟؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کی بھرپور کوشش کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

O شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ (سورۃ الشوریٰ آیت: ۱۳)

(اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوحؑ کو دیا تھا، اور جسے (اے محمد ﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اِس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اِس دین کو اور اُس میں متفرق نہ ہو جاوَ یہی بات اِن مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف اے محمد ﷺ تم انہیں دعوت دے رہے ہو اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے، اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اُسی کو دکھاتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرے)۔

''اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ کے ساتھ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ بھی فرمایا، جس کا معنی یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اس کو ترک مت کرو اس میں تبدیلی نہ کرو ایسا نہ کرو کہ کسی بات پر ایمان لائے کسی پر نہ لائے اور کسی بات کو مانا اور کسی کو نہ مانا (بنی اسرائیل ایسا کیا کرتے تھے جنہیں تنبیہ فرمائی تھی (آفتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض)''۔[6]

اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد آخری بات جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ، دین میں تفرقہ، نہ برپا کرو۔ یا اس کے اندر متفرق نہ ہو جاوَ۔ دین میں تفرقہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی دین کے اندر اپنی طرف سے کوئی نرالی بات ایسی نکالے جس کی کوئی معقول گنجائش اس میں نہ ہو، اور اصرار کرے کہ اس کی نکالی ہوئی بات کے ماننے پر ہی کفر و ایمان کا مدار ہے پھر جو ماننے والے ہوں انہیں لے کر نہ ماننے والوں سے جدا ہو جائے۔ یہ نرالی بات کئی طرح کی ہو سکتی ہے وہ یہ بھی ہو سکتی کہ دین میں جو چیز نہ تھی وہ اس میں لا کر شامل کر دی جائے، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین میں جو بات شامل تھی اسے نکال باہر کیا جائے''۔[8]

اس آیت 13 میں اگر غور کیا جائے تو دو احکامات سمجھ میں آتے ہیں۔

ا)۔ اگر ''فیہ'' کی ضمیر دین کی طرف لی جائے تو مطلب ہوگا کہ دین کو قائم کرنے میں دین میں تفرقہ مت کرو کہ کون سا دین قائم ہوگا، دین وہی قائم کرنا ہوگا، جو رسول اللہ ﷺ کا دین ہے، ایک مستند اور صحیح حدیث مبارکہ ہے کہ۔

''یعنی کوئی بھی اگر کسی اور فرقے کا دین قائم کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کے لیے بھاگ دوڑ،

جدوجہد کرے گا تو اس کا یہ عمل قبول نہیں ہوگا۔ بلکہ الٹا وبال بن جائے گا''، اس لیے دین وہی قائم کرنا ہوگا جو اللہ کے رسول کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔

۲)۔ اگر فیہ، کی ضمیر دین کے قائم کرنے کی طرف لی جائے تو معنی ہوگا کہ قائم کرنے (کے طریقے) میں تفرقہ نہ کرو، یعنی قائم کسی طریقے سے ہوگا۔ کیا صرف تبلیغ دین کرنے سے دین قائم ہوجائے گا، یا کسی سیاسی پارٹی یا الیکشن لڑنے سے دین قائم ہوگا، یا ہڑتال اور توڑ پھوڑ کرنے سے دین قائم کرنا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کا منہج/طریقہ اختیار کرنا ہوگا، وہ منہج کیا تھا اس کی تفاصیل سیرت نبوی ﷺ اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ اس کے مطابق پہلے لوگوں کو قرآن مجید کا علم وفہم دے کر دین کی طرف راغب کیا گیا، پھر جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک منظم جماعت جس کی بنیاد ''سنو اور اطاعت کرو''، پہ تھی وہ قائم کی گئی۔ اس جماعت کے امیر خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ جہاد وقتال اور جان و مال نچھاور کرنے کے جذبے سے سرشار جوں جوں ایک قوت میسر آتی گئی اسے جنگی صلاحیتوں اور سامان سے لیس کیا جاتا رہا۔ پھر جب ایک مربوط قوت اور وسائل دستیاب ہوگئے۔ تو اللہ کے رسول نے مدینہ منورہ کے اطراف بسنے والے کافروں، یہودیوں وغیرہ کے علاقوں میں پیغام بھیجنے شروع کیے کہ یا تو اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے اپنے علاقے ہمارے سپرد کردو یا پھر ہم سے جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔ اس کے بعد جنگی دستے ان علاقوں کی طرف بھیجے جانے لگے۔ علاقوں کا گھیراؤ کیا گیا یا سرائے یا جنگ کر کے علاقے فتح کیے گئے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے دین کا نفاذ پورے جزیرہ العرب میں مکمل ہوگیا۔ کافروں اور مشرکوں سے کہا گیا اب تمہارے علاقوں میں نظام زندگی ہماری شریعت کے مطابق ہوگا، تمہاری مرضی ہے یا تو مسلمان ہو کہ ہمارا دین قبول کرلو یا پھر ہمارے زیر اثر اور ماتحت رہ کر زندگی گزارو اور جذیہ (Tax) ادا کرو۔ یہی منہج اختیار کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد میں دنیا کی اس وقت کی عظیم الشان قوتوں جیسے سلطنت روم اور فارس کو شکست دی اور اس طرح دنیا کے ایک بڑے علاقوں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا دین (نظامِ زندگی) نافذ کر دیا۔

دین کو قائم کرنے کے اس فریضے میں ہر مسلمان کو اپنا حصہ اپنی استطاعت کے مطابق ڈالنا ہے۔ دین کو قائم کرنے کی جب بات کی جاتی ہے تو اس کا مطلب محض دین کی تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اس پر کما حقہ عمل درآمد کرنا اور اس کی شریعت کے مطابق دنیا کے تمام نظاموں اور زندگی کے تمام شعبوں پہ اس کو عملاً نافذ کرنا ہوتا

ہے، اوراس کا طریقہ کار وہی اپنانا ہوگا، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔ دین کے نفاذ کے ضمن میں ایک اور حقیقت ہم سب مسلمانوں کو اور خاص کر پڑھے لکھے مسلمانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تمام غیر مسلموں کافروں یا مشرکوں کا اصل جھگڑا اور اعتراض مسلمانوں کے ساتھ اس ہی نفاذ دین کی جدوجہد کے بارے میں ہے۔ مسلمان بھی اگر دوسرے مذاہب کی طرح اپنی عبادات جہاں چاہیں کرتے رہیں، تو غیر مسلموں کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہر ممالک میں ان کے لیے مساجد ہیں، وہ نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں ان کو کوئی روک ٹوک نہیں ہے، بلکہ کئی ممالک میں تو مذہبی ہم آہنگی کے فروغ اور دکھاوے کی خاطر وہاں کے صدر یا وزیر اعظم رمضان میں مسلمانوں کو بلا کر افطار بھی کروا دیتے ہیں۔

اس طرح خاموشی سے اگر مسلمان اپنے عبادات کرتے رہیں تو ان کو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ کیا ہے کہ مسلمان ہمارا طرز زندگی، ہمارا نظام سب بدل دینا چاہتے ہیں، صدیوں کی محنت کے بعد یہ ہمارے عوام (جمہور) کا بنایا ہوا، نظام زندگی قوانین اور آئین جس نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی ہے اس کو ہم کیونکر بدل دیں؟ اس نظام کی بدولت تو ہمارے ملکوں، گھروں اور اداروں میں ہر قسم کی خوشحالی ہے، اور ہر قسم کی آزادی ہے، شراب پینے پلانے میں کوئی پابندی نہیں، جوا اور سود خوری جرم نہیں، اولاد بالغ ہوتے ہی، ماں باپ کو چھوڑ کر چلی جائے تو کوئی قید اور برائی نہیں، جو اں مرد وعورت اپنی مرضی سے زنا کرتے رہیں تو کوئی جرم و سزا نہیں، بے پردگی، اور فحاشی اور عریانی کی ہر ایک کو پوری آزادی ہے۔ لڑکے لڑکیاں بغیر شادی کیے، ساتھ دوست بن کر رہیں اور زندگی گزاریں تو کوئی جرم نہیں پھر اگر اس طرح ان کے یہاں حرام اولاد بھی ہو جائے تو کوئی برائی نہیں، وہ پھر بھی معاشرے کے باعزت شہری ہیں۔ اب تو قانون یہاں تک بن گیا کہ دو مرد آپس میں شادی کر سکتے ہیں، پھر وراثت اور سزاؤں کا ہمارا خود کا بنایا ہوا قانون ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ترقی کا اعلیٰ ترین معیار جس کی وجہ سے بہترین گھر، سڑکیں، بلڈنگ اور تعلیم وطبی سہولتوں کا بہترین نظام، آمدورفت کے لا جواب وسائل اور ملک اور عوام کی حفاظت کے لیے جنگی قوتوں کا بے تسخیر نظام ہے۔ انسانیت کی بقا اور فلاح کے لیے اور کیا چاہئے؟

اب ان کو کون بتائے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے تمام نظام زندگی چاہے وہ کمیونزم ہو یا سوشلزم یا سرمایہ داری نظام سب کے سب ناکام ہو چکے ہیں، اس ہی طرح جمہور (عوام) کا بنایا ہوا، جمہوریت کا نظام نہ

تو دنیا اور نہ آخرت کی کامیابی کا مظہر ہے۔ یہ موجودہ جمہوریت جہاں کہیں بھی ہو مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام نافذ کرو چاہے اس کے لیے جہاد اور پھر قتال کی نوبت کیوں نہ آئے، مگر اس فتنے کو ختم کرو۔

○ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (سورۃ انفال آیت:۳۹)

(اے ایمان لانے والو، ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ فتنہ سے رُک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے)۔

''خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے، اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے، اور یہ صورت صرف قربِ قیامت میں ہو گی، اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے''۔ [3]

''**فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو**☆☆ کافروں سے کہہ دے کہ اگر وہ اپنے کفر سے اور ضد سے باز آجائیں اسلام اور اطاعت قبول کرلیں رب کی طرف جھک جائیں تو ان سے جو ہو چکا ہے سب معاف کر دیا جائے گا کفر بھی خطا بھی گناہ بھی''۔ [1]

(وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ) اور (اے مسلمانو) ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔

''یہی حکم سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۳ میں بھی آچکا ہے، البتہ یہاں اس کے الفاظ میں کُلُّهٗ کی اضافی شان اور مزید تاکید پائی جاتی ہے، یعنی اے مسلمانو تمہاری تحریک کو شروع ہوئے پندرہ برس ہو گئے، اس دوران میں دعوت تنظیم تربیت اور صبرِ محض کے مراحل کامیابی سے طے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اب Passive Resistance کا دور ختم سمجھو۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اقدام (Active Resistance) کا آغاز ہو چکا ہے اور اس اقدام کے نتیجے میں اب یہ تحریک مسلح تصادم (Armed Conflict) کے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے، لہٰذا جب ایک دفعہ تلواریں تلواروں سے ٹکرا چکی ہیں تو تمہاری یہ تلواریں اب واپس

نیاموں میں اس وقت تک نہیں جائیں گی جب تک یہ کام مکمل نہ ہوجائے اور اس کام کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ بالکل ختم ہوجائے، فتنہ کسی معاشرے کے اندر باطل کے غلبے کی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے اس معاشرے کے لوگوں کے لیے ایمان پر قائم رہنا اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ جنگ اب اس وقت تک جاری رہے گی جب تک باطل مکمل طور پر مغلوب اور اللہ کا دین پوری طرح سے غالب نہ ہوجائے۔ اللہ کے دین کا یہ غلبہ جزوی طور پر بھی قابل قبول نہیں بلکہ دین کل کا کل اللہ کے تابع ہونا چاہیے''۔[7]

اللہ تعالیٰ کی زمین پہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہونی ہے، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظام زندگی اور قوانین کو ہی، اس زمین پہ نافذ کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنا تمام انسانوں اور خاص کر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اگر اس امر میں سستی، کاہلی یا غفلت برتی گئی تو یہ اعمال صالح میں شمار نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ جو شکوہ انسانوں سے قرآن شریف میں فرما رہے ہیں اس کی طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی، رب العالمین فرماتے ہیں۔

O اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ

(سورۃ البقرہ آیات ۲۴۳)

(تم نے اُن لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا، جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ اللہ نے اُن سے فرمایا: مر جاؤ پھر اُس نے اُن کو دوبارہ زندگی بخشی حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکرادا نہیں کرتے)۔

اس آیت کے پس منظر میں تو وہ خاص واقع ہے جس میں ہزاروں انسان (بنی اسرائیل) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے نکل گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے موت کا حکم جاری کردیا، مگر پھر اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کی دعا کے بعد ان کو مدتوں بعد دوبارہ زندہ کرکے ایک مہلت دی، تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ لیکن اس آیت کو عوام الناس کے لیے مخصوص کرتے ہوئے تنبیہ عام سمجھا جائے تو یہ ایک بہت بڑا شکوہ ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں سے فرما رہے ہیں۔ ایک بہت بڑی کثیر تعداد انسانوں کی جس میں غیر مسلم، مشرک، منافق اور گناہ گار مسلمان سب شامل ہیں وہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کرتے اور نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے) اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو

اپنے فضل سے نوازتا ہی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر جس منصب اور ذمہ داری کے ساتھ بھیجا تھا اس کا اہم مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا میں پھیلاؤ اور اس کو نافذ کرو، اس کی ابتدا سب سے پہلے ہر ایک کو اپنے نفس یعنی اپنے آپ سے پھر اپنے گھر والوں، اپنے خاندان سے اور پھر پورے بگڑے ہوئے معاشرے میں اپنی استطاعت، وسائل اور اختیار کی مناسبت سے کرنی ہے۔ مگر افسوس کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کی تعداد میں مسلمان صرف چند فرائض عبادات کے نام پر ادا کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ابھی بھی تبلیغ اور آقامت دین کے فریضے کی اہمیت کا لوگوں اور خاص کر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو احساس نہیں ہے کہ اس میں اپنا حصہ ڈالیں۔

O جس کام کو جہاں میں آیا تھا تو نظیر
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

O سودا ہزار حیف کہ آ کر جہاں میں ہم
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لیے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم یہ 'عمل صالح' کر کے آخرت میں جواب دہ ہو سکیں۔ (آمین)

(xi) جہاد فی سبیل اللہ:

یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس لفظ جہاد کا ایک بہت غلط معنی اور تاثر جو غیر مسلموں نے پھیلایا ہے۔ جس سے بہت سے لاعلم مسلمان بھی متفق ہو کر اپنے ذہنوں میں جس کو قبول کیے بیٹھے ہیں وہ یہ ہے کہ جہاد کا مطلب ہے ''کہ غیر مسلموں کے ساتھ لڑو اور ان کو قتل کرو''۔

اس لیے سب سے پہلے اس عربی لفظ جہاد کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جہاد لفظ کا جذر الکلمہ (Root Word) ج ھ اور د ہے، یعنی ''جھد''، جھد کے معنی ہوتے ہیں کوشش کرنا۔ اردو میں بھی ہم اس کو اس میں معنی ہی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کوئی بہت بڑی کوشش کر رہا ہے تو کہتے

ہیں وہ جد و جہد کر رہا ہے، تو جہد دراصل اس کوشش کو کہتے ہیں جس کے خلاف کوئی مزاحمت نہ ہو رہی ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کسی عمارت کی دسویں منزل پر سڑھیوں سے چڑھ رہا ہو تو وہ جہد کر رہا ہے۔ مگر اس کے اوپر چڑھنے میں اگر کوئی اس کو پیچھے سے کھینچ رہا ہو اور اس کے باوجود وہ اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا رہے، اور اوپر چڑھتا جائے۔ اب کہا جائے گا کہ یہ شخص جہاد کر رہا ہے۔ یعنی کسی مزاحمت کے خلاف کوشش کرتے رہنا ہی جہاد ہے۔ اس لیے حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ کی راہ یعنی دین میں ہر ایک کے لیے سب سے پہلا جہاد اپنے نفس سے کرنا ہے، کیونکہ انسان کا اپنا نفس ہی اس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی اور نیکی کرنے سے روکتا ہے اور مسلسل ایک مزاحمت کی قوت بنا رہتا ہے۔ پھر اس ہی طرح اپنے گھر اور خاندان والوں پورے معاشرے کے ساتھ جہاد کا حکم ہے۔ اگر دین کے راستے میں کوئی بھی آگے بڑھنے سے روکتا ہو تو تمام صالح اعمال پہ ڈٹے رہنا ہی دراصل جہاد ہے۔

جہد اور جہاد دونوں کے لغوی معنی کوشش کرنا، لیکن جہاد کی اصطلاحی تعریف یہ ہے دین کی سربلندی کے لیے کامل طریقہ پر کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں جان و مال کی قربانی جہاد کا بنیادی جزء ہے (لغات قرآن) قتل وقتال اگر دین اسلام کی سربلندی کے لیے ہے تو وہ بھی جہاد ہے۔

اب ان میں معنوں کے تناظر میں لفظ قتل اور قتال کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قتل تو وہ ہے جہاں قتل کرنے والے کو کوئی مزاحمت نہ ہو رہی ہو اور ہو چھپ کر یا آسانی سے کسی کو مار ڈالے تو یہ قتل ہوگا۔ مگر قتل کرنے والے کو اگر دوسری طرف سے پوری مزاحمت ہو رہی ہو اور دوسرا فرد بھی اس کو قتل کرنے کے درپے ہو تو اب یہ قتال کہا جائے گا۔ دینی مقاصد حاصل کرنے کے لیے جہاد کا آخری اقدام قتال ہے، مگر انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنا نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب ہے، اس کے لیے تو ایک منظم جماعت جو ایمان کی قوت سے سرشار ہو اور جان و مال کا نظرانہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عسکری اور جنگی طاقتوں اور صلاحیتوں سے مکمل لیس ہو، وہ درکار ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو اسی میں قوت حاصل کرنے کے لیے مسلسل جہاد کرنی چاہیے اور جب مطلوبہ وسائل اور قوت حاصل ہو جائے تو طاغوتی حکومتوں اور ان کے نظام کو للکارنا چاہیے۔ کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا اللہ تعالیٰ کی زمین ہمارے حوالے کریں کہ ہم اس پر اسلام کو نافذ کریں، اور وہ خود ہمارے ماتحت ہو کر زندگی گزاریں اور جزیہ دیں ورنہ جنگ اور مسلح تصادم کے لیے تیار ہو جائیں، یہی منہج ہمارے دین

نے سکھایا ہے یہی طریقہ پچھلے نبیوں نے اختیار کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے سبا کی مشرکہ ملکہ کو جو خط لکھا تھا اس میں یہی تنبیہ کی گئی تھی:۔

O قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ Oاِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ Oاَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَO

(سورۃ نمل آیت ۳۱۔۳۰۔۲۹)

(ملکہ بولی ''اے اہلِ دربار، میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے (29) وہ سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے (30) مضمون یہ ہے کہ "میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ'' (31))۔

''یعنی خط کی اہمیت کئی وجوہ سے ہے، ایک یہ کہ وہ عجیب غیر معمولی طریقے سے آیا ہے بجائے اس کے کہ کوئی سفارت اسے لا کر دیتی، ایک پرندے نے اسے لا کر مجھ پر ڈال دیا ہے دوسرے یہ کہ وہ فلسطین و شام کے عظیم فرمانروا سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہے، تیسرے یہ کہ اسے اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے، حالانکہ دنیا میں کہیں کسی سلطنت کے مراسلوں میں یہ طریقہ استعمال نہیں کیا جاتا پھر سب دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف خدائے بزرگ و برتر کے نام پر خط لکھنا بھی ہماری دنیا میں ایک غیر معمولی بات ہے ان سب باتوں کے ساتھ یہ امر اس کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے کہ اس میں بالکل صاف صاف ہم کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ ہم سرکشی چھوڑ کر اطاعت اختیار کر لیں اور تابع فرمان بن کر یا مسلمان ہو کر سلیمان علیہ السلام کے آگے حاضر ہو جائیں۔ مسلم ہو کر حاضر ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ مطیع بن کر حاضر ہو جاؤ، دوسرے یہ کہ دین اسلام قبول کر کے حاضر ہو جاؤ، پہلا مفہوم حضرت سلیمانؑ کی شان فرماں روائی سے مطابق رکھتا ہے اور دوسرا مفہوم ان کی شان پیغمبری سے۔ غالباً یہ جامع لفظ اسی لیے استعمال کیا گیا ہے کہ خط میں یہ دونوں مقاصد شامل تھے، اسلام کی طرف سے خود مختار قوموں اور حکومتوں کو ہمیشہ یہی دعوت دی گئی ہے کہ یا تو دین حق قبول کرو اور ہمارے ساتھ نظام اسلامی میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ یا پھر اپنی سیاسی خود مختاری سے دست بردار ہو کر اسلامی نظام کی ماتحتی قبول کر لو اور سیدھے ہاتھ سے جزیہ دو''۔[8]

یہی منہج ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا، خطوط یا وفود کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی جاتی تھی اور انکار کی صورت میں محاصرہ یا جنگ وقتال سے فیصلہ ہوتا تھا۔ اس ہی طرح دنیا کے ایک بڑے رقبے پہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کیا گیا ہے۔ اس ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو چاہیے ایک امیر کے ماتحت ایک جماعت سے منسلک ہو کر متحد ہو جائیں۔ وہ جماعت جس کے منشور میں درس وتعلیم اور تبلیغ دین کی ساتھ ساتھ آقامت دین کے فرائض کا بھی عزم ہو۔ پھر ہر ایک فرد اپنی استطاعت کے مطابق اپنی جان ومال سے اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالے۔

(xii) حقوق کی ادائیگی:

انسان اس دنیا میں تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ پیدائش سے لے کر موت تک اس کو مسلسل سہاروں اور ہدایات کی ضرورت رہتی ہے۔ سہاروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف رشتے بنائے ہیں اور دوسرے دوست و احباب بھی اس کے لیے مدد اور سہارے اور کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بہتر سے بہتر زندگی گزارنے کے لیے انسان کو علم حاصل کرنے کی نعمت سے بھی نوازا ہے اور دین اور دنیا کے علم کے لیے وسائل مہیا کر دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعے ہدایت کے تمام راستے بھی کھول دیئے ہیں، جو آخرت کی کامیابی کے لیے مدد اور کامیابی کا سہارا بنتے ہیں اس طرح دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے سارے وسائل مہیا کر دیئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے۔ ظاہر ہے جب کوئی ذمہ دار بنایا جاتا ہے یا کوئی احسان کرتا ہے، تو اس کے حقوق بھی واجب الادا ہوتے ہیں۔ تمام ہستیوں اور نعمتوں کی فہرست جن کے حقوق انسانوں اور خاص کر مسلمانوں پر واجب الادا ہیں وہ تو بہت طویل ہے مگر ان میں سے صرف چند اہم کا انتخاب کر کے حسبِ ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

(i.xii) حقوق اللہ۔ (ii.xii) حقوق رسول (iii.xii) قرآن مجید کے حقوق (iv.xii) حقوق العباد (بندوں کے حقوق)

اب ان کو فرداً فرداً سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(i.xii)۔ حقوق اللہ: سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ ہی کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرمایا اور پھر لا

تعداد نعمتوں سے نوازا جن کا احاطہ ناممکن ہے۔

وعن معاذ رضی اللہ عنہ قال کنت ردف النبی ﷺ علی حمار یقال له عفیر فقال یا معاذ هل تدری حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله؟ قلت الله ورسوله اعلم قال فإن حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرك به شیئا فقلت یا رسول الله ﷺ افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فیتکلوا. متفق علیه

(مشکوۃ المصابیح - کتاب الایمان - حدیث نمبر:24)

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے گدھے پر سوار تھا، میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی ایک لکڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرتا ہو۔" میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نہیں بشارت نہ دو ورنہ وہ (اس بات پر) توکل کر لیں گے۔" (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)

○ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۔ (سورۃ ابراہیم، آیت: ۳۴)

(جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے)۔

"طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کا حق اس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے ادا کر سکیں اور اللہ کی نعمتیں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ بندے ان کی گنتی کر سکیں۔ لوگوں صبح شام توبہ استغفار کرتے رہو۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی تیرے ہی لیے سب حمد و ثنا سزاوار ہے۔ ہماری ثنائیں ناکافی ہیں پوری اور بے پرواہ کرنے والی نہیں، الٰہی تو معاف فرما۔ بزار میں آپ کا فرمان ہے قیامت

کے دن انسان کے تین دیوان نکلیں گے، ایک میں نیکیاں لکھی ہوئی ہوں گی دوسرے میں گناہ ہوں گے اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ اٹھ اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال سے لے لے۔اس سے اس کے سارے عمل ختم ہوجائیں گے پھر بھی وہ یکسو کر کے کہے گی کہ باری تعالیٰ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔خیال کیجئے ابھی گناہوں کا دیوان یونہی الگ تھلگ رکھا ہوا ہے اور تمام نعمتوں کا ایمان بھی یونہی رکھا ہوا ہے اگر بندے پر اللہ کا ارادہ رحم وکرم کا ہوا تو اب وہ اس کی نیکیاں بڑھادے گا اور اس کے گناہوں سے تجاوز کرلے گا اور اس سے فرمادے گا کہ میں نے اپنی نعمتیں تجھے بغیر بدلے کے بخش دیں''۔[1]

حقوق اللہ کے ضمن میں مزید آیتیں ملاحظہ فرمائیں

O يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (سورۃ ال عمران آیت ۱۰۲)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو)

حق تقویٰ کیا ہے؟

''اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود اور ربیع اور قتادہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منقول ہے۔

حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام طاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔

اور قرآن کریم کی ایک دوسری سورہ تغابن کی آیت میں جو اِتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ہے یعنی اللہ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے۔تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور طاوس نے فرمایا کہ یہ درحقیقت حق تقاتہ ہی تفسیر وتشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کردے تو حق تقویٰ ادا ہوگیا اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد کسی ناجائز میں مبتلا کردیا گیا

تو وہ حقوق تقویٰ کے خلاف نہیں۔

اگلے جملے میں جو ارشاد فرمایا فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ درحقیقت پورا اسلام ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کا ہی نام تقویٰ ہے۔اور اسی کو اسلام کہا جاتا ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ آیت میں حکم یہ ہے کہ تمہاری موت اسلام ہی پر آنی چاہیے اسلام کے سوا کسی حال پر موت نہ آنی چاہیے۔تو یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ موت تو ادمی کے اختیار میں نہیں کسی وقت کسی حال میں آسکتی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے ۔ کما تحیون تموتون و کما تموتون تبعثون و کما تبعثون تحشرون ''یعنی جس حالت پر تم اپنی زندگی گزار دو گے اسی پر موت آئے گی، اور جس حالت میں موت آئے گی اسی حالت میں حشر میں کھڑے کیے جاؤ گے'' تو جو شخص اپنی پوری زندگی اسلام پر گزارنے کا پختہ عزم رکھتا ہے اور مقدور بھر اس پر عمل کرتا ہے اس کی موت ان شاء اللہ اسلام پر ہی آئے گی۔بعض روایات حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے کہ ساری عمر اعمال صالحہ کرتے ہوئے گزر گئی آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے سارے اعمال حبط و برباد ہو گئے یہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آسکتا ہے جن کے عمل میں اول اخلاص اور پختگی نہیں تھی، واللہ اعلم''[3]

''امام عبد بن حمید نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اسے بھلایا نہ جائے۔حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ امر مسلمان پر مشکل ہو گیا تو بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ التغابن آیت ۱۶)

(لہٰذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں)۔

''قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے، اتقو اللہ حق تقتہ اللہ سے ایسا ڈر جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔(آل عمران ۱۰۲) دوسری جگہ فرمایالا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا، اللہ کسی متنفس کو اس کی استطاعت سے زیادہ کا مکلف قرار نہیں دیتا۔(البقرہ ۲۸۶) اور یہاں فرمایا جارہا ہے کہ جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، ان تینوں آیتوں کو ملا کر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت وہ معیار ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے جس تک پہنچنے کی ہر مومن کی کوشش کرنی چاہیے، دوسری آیت یہ اصولی بات ہمیں بتاتی ہے کہ کسی شخص سے بھی اس کی استطاعت سے زیادہ کام کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اللہ کے دین میں آدمی بس اتنے ہی کا مکلف ہے جس کی وہ قدرت رکھتا ہو اور یہ آیت 16 ہر مومن کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اپنی حد تک تقویٰ کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے، جہاں تک بھی اس کے لیے ممکن ہو اُسے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے چاہیے اور اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔اس معاملے میں اگر وہ خود تساہل سے کام لے گا تو مواخذہ سے نہ بچ سکے گا۔البتہ جو چیز اس کی مقدرت سے باہر ہو گی (اور اس کا فیصلہ اللہ ہی بہتر کرسکتا ہے کہ کیا چیز کس کی مقدرت سے واقع باہر تھی) اس کے معاملے میں اس سے باز پرس نہ کی جائیگی''۔[8]

انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ راہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا ہدایت کی کتابیں عطا فرمائیں، تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔ذات باری تعالیٰ کے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق تو بہت زیادہ ہیں ،مگر چند اہم خاص الخاص حقوق مختصراً یوں بیان کیئے جاسکتے ہیں۔

1 معرفتِ الٰہی

1.1 اللہ تعالیٰ کی ذات سے معرفت

1.2 اس کی تمام اسما اور صفات کی معرفت

1.3 اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت کرنا

2 اللہ تعالیٰ پر ایمان

2.1 اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان

2.2 اس کی ربوبیت پر ایمان، (یعنی وہی ہمارا رب ہے اور اس کی ہی عبادت کرنی ہے)۔

2.3 اس کی ربوبیت پر ایمان (توحید)

2.4 اس کے تمام رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان،

2.5 فرشتوں پر ایمان،

2.6 دوبارہ زندہ ہونے (یعنی آخرت) پر ایمان

2.7 اس کی بنائی ہوئی تقدیر پر ایمان

2.8 جنت اور دوزخ اور برزخ پر ایمان۔

3 اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی عبادات پر ایمان۔

3.1 قلب کی عبادات (جیسے محبت، خوف، رجاء، توکل، صبر و شکر توبہ وغیرہ۔

3.2 زبان کی عبادات (جیسے دعا، پناہ طلبی، فریاد، استغفار، ذکر وغیرہ)

3.3 بدن کی عبادات (جیسے نماز روزہ، حج وغیرہ)

3.4 مالی عبادات (جیسے زکاۃ، صدقہ، قربانی حج وغیرہ)

4 اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ایمان:

4.1 اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات جو قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے بیان ہوئے ہیں ان پر مکمل ایمان (یعنی عبادات کو اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرتے ہوئے ادا کرنا)

(ii.XII) حقوق رسول:

1 صدق دل سے ایمان لانا کہ:

1.1 محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول بنا کر بھیجے گئے۔

1.2 وہ نبیوں کے سردار اور آخری نبی ہیں۔

1.3 وہ تمام جہانوں کے رسول ہیں۔

1.4 وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین ہیں۔

2 ان کی عظمت پہ ایمان:

2.1 ان کو شفاعت عظمیٰ اور مقامِ محمود پر فائز ہونے پر ایمان

2.2 معراج کے واقعہ پر ایمان۔

2.3 ان کے صاحب کوثر ہونے پر ایمان

3 محبت کا رشتہ:

3.1 ہر مخلوق اور رشتہ سے بڑھ کر ان سے محبت رکھنا۔

3.2 ان کے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت رکھنا،

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن ہو نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے باپ، اپنی اولاد اور احباب واقربا اور اپنی مال وجان سے زیادہ محبوب ترین نہ ہو جاؤں (بخاری)۔

4 اطاعت رسول:

4.1 اپنی استطاعت کے مطابق ہر حال میں ان کی سنتوں کی اطاعت کرنا۔

4.2 ان کے اسوہ حسنہ کو اپنانے کی مکمل کوشش کرنا۔

4.3 ان کی سیرت کا مطالعہ کرنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا۔

4.4 رسول ﷺ کی مدد کرنا۔ (یعنی ان کے لائے ہوئی شریعت کی تبلیغ اور اس کو نافذ کرنے کی پوری کوشش کرنا)

5-دوردو سلام:

رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجنا، اور ان کے نام مبارک پہ کثریت سے سلام بھیجنا۔

(iii.XII) قرآن مجید کے حقوق:

قرآن مجید چونکہ تمام انسانوں کے لیے نازل کیا گیا ہے اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ اس کو اللہ تعالی کا کلام تسلیم کرے اور اس کے احکامات پر عمل کرئے، قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۱ میں تمام

انسانوں کو (اور جنوں کو یہ کتاب دی گئی) قرآن شریف کے حقوق ادا کرنے کا پابند بناتی ہے۔

O اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۱)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اُسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں، وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں)۔

''تلاوت کا اصل حق کیا ہے ایک بات جان لیجئے کہ تلاوت کا لفظ جو قرآن نے اپنے لیے اختیار کیا ہے بڑا جامع ہے لفظ تلاوته کا معنی پڑھنا بھی ہے اور تلاوته کسی کے پیچھے پیچھے چلنے (to follow) کو بھی کہتے ہیں۔ سورۃ الشمس کی پہلی دو آیات ملاحظہ کیجئے، [وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰهَا(۱) وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا(۲)] قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے، جب آپ کوئی کتاب پڑھتے ہیں تو آپ اس کے متن (Text) کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں، چنانچہ بعض لوگ جو زیادہ ماہر نہیں ہوتے، کتاب پڑھتے ہوئے اپنی انگلی ساتھ ساتھ چلاتے ہیں تاکہ نگاہ ادھر سے ادھر نہ ہو جائے، ایک سطر سے دوسری سطر پر نہ پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی تلاوت کا اصل حق یہ ہوگا کہ آپ اس کتاب کو Follow کریں، اسے امام بنائیں اس کے پیچھے چلیں اس کا اتباع کریں اس کی پیروی کریں جس کی ہم دعا کرتے ہیں کہ وَاجۡعَلۡهُ لِیۡ اِمَامًا وَّنُوۡرًا وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً ''اور اسے میرے لیے امام اور روشنی اور ہدایت اور رحمت بنادے۔ اللہ تعالیٰ اس قرآن کو ہمارا امام اسی وقت بنائے گا جب ہم فیصلہ کرلیں کہ ہم اس کتاب کے پیچھے چلیں گے۔ یعنی اس کے احکامات کی پیروی کرینگے۔

(اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ) ''وہی ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں''۔ یعنی جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کریں اور اس کی پیروی بھی کریں۔ اور جو نہ تو تلاوت کا حق ادا کریں اور نہ کتاب کی پیروی کریں لیکن وہ دعویٰ کریں کہ ہمارا ایمان ہے اس کتاب پر تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ ازروئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ما امن بالقرآن من استحل محارمه) ''جس شخص نے قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلیا اس کا

قرآن پر کوئی ایمان نہیں ہے''۔

{وَ مَنۡ یَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ} اور جو اس کا کفر کرے گا تو وہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔[7]

'''امام ابوعبید ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم اور الہروی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ معنی روایت کیا ہے، کہ اس کی اتباع کرتے ہیں جیسے اتباع کرنے کا حق ہے پھر آپ نے بطور دلیل یہ آیت تلاوت کی[وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا] (الشّمس ۲) جب چاند سورج کی اتباع کرے۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن الخطاب سے [یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ] کے تحت روایت کیا ہے کہ جب وہ جنت کے ذکر سے گزرے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے۔ اور جب آگ کے ذکر سے گزرے تو اللہ تعالیٰ کی آگ سے پناہ مانگے''۔ [4]

انسانوں پہ قرآن کے پانچ (۵) حقوق بیان کیے گئے ہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ہم کو قرآن مجید کے حقوق کا علم ہی نہیں ہے تو ہم وہ ادا کیسے کریں گے؟ اس لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ قرآن مجید کے حقوق ہم انسانوں پہ کیا ہیں ان پانچ حقوق کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

(1)۔ **ایمان و عظمتِ قرآن:** سب سے پہلا حق یہ ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام پورے تصدیق قلب کے ساتھ مانا جائے اور اس کی عظمت اور تعظیم کی جائے جیسا کہ اس کا حق ہے۔

اس حق کی غفلت شعاری اس وقت عیاں ہو جاتی ہے جب ہم زبان سے تو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر ایسے عظیم کلام کی تعلیم کو کیا ہم وہی اہمیت دیتے ہیں جو ہم اپنے لیے یا اپنی اولادوں کے لیے اسکول اور کالج کی تعلیم کو دیتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یقین جانئے ہم قرآن شریف کی عظمت کا حق ادا نہیں کر رہے۔

(2)۔ **تلاوت، و ترتیل:** دوسرا حق یہ ہے کہ قرآن حمید کو صحیح قرات اور تجوید کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے، یعنی اس کے حروف صاف صاف ان کے مخارج سے ادا ہوں اور اس کا بھی لحاظ ہو کہ کہاں وقف (رکنا) کرنا اور کہاں وقف نہیں کرنا ہے، اگر قرات اور تجوید کا لحاظ نہ کیا گیا تو بعض مقامات پہ

معنے بدل جاتے ہیں اور ہم قرآن شریف پڑھنے پہ ثواب حاصل کرنے کے بجائے گناہ سمیٹ رہے ہوتے ہیں، (یعنی Negative Marking ہو رہی ہوتی ہے) اس لیے قرآن مجید کی ایک مستند اور اچھے قاری سے پہلے صحیح طرح سے پڑھنا سیکھنا چاہیے اور پھر مستقل اس کی مشق بھی کرتے رہنا چاہیے۔

(3)۔ **غور و فکر یعنی تذکرہ و تدبر:** یہ قرآن مجید کا تیسرا حق کہ اس کی آیات میں اپنی عطا کردہ صلاحیتوں کے مطابق غور و فکر کیا جائے۔ اس کے لیے پہلے لازم ہے کہ اس کو ترجمے کے ساتھ کسی عالم سے پڑھا جائے اور سمجھنے کا فہم حاصل کیا جائے۔ کسی کلام کا مقصد اصل یہی ہوتا ہے کہ اس کو سمجھا جائے تب ہی اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ اس لیے پڑھے لکھے انسانوں (خاص کر مسلمانوں) پر لازم ہے کہ اس کو خود بھی سمجھ کر پڑھیں اور جو اَن پڑھ ہیں ان کو بھی سکھائیں۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے (سورۃ محمد آیت ۲۴۔ 'ترجمہ' یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں؟) اس لیے قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کرنا واجب ہے۔

(4)۔ **حکم اطاعت و اقامت:** جب قرآن حمید کی عظمت سے آگہی ہو گئی اس کو اچھی طرح سے پڑھنا بھی سیکھ لیا اور اس کے معنوں میں غور و فکر کا حق بھی ادا کر دیا تو اب اس کا چوتھا حق یہ ہے کہ اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ان کی اطاعت اور اقامت کی جائے، اس کا مقصد نزول صرف اس طرح ہی پورا ہو سکتا ہے جب لوگ اس پر عمل کرتے ہوئے اس کو واقعتاً اپنی پوری زندگی کا لائحہ عمل بنا لیں، اس ضمن میں یہ بھی یاد رہے کہ قران مجید جزوی نہیں بلکہ کل کی کل اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے، مثال (سورۃ انعام آیت ۱۵۵۔ اور۔ سورۃ اعراف آیت ۳)

- **وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** (سورۃ الانعام ۱۵۵)

(اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، ایک برکت والی کتاب پس تم اِس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے)

O اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (سورۃ الاعراف:۳)

(لوگو، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو)۔

(5)۔ تبلیغ قرآن: اوپر کے چاروں حقوق ادا کرنے کے بعد اب یہ پانچواں حق ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت واستعداد عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کی تعلیم اور احکامات کو دوسروں تک پہنچائے۔ واضح رہے کہ ایک بگڑے ہوئے معاشرے میں تبلیغ کا پہلا اور موثر قدم انذار (ڈرانے) کا ہی ہوتا ہے۔

O قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۙ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۘ (سورۃ انعام آیت:۱۹)

(ان سے پوچھو،کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے؟ کہو، میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے، اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے، سب کو متنبہ کردوں کیا واقعی تم لوگ یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں؟ کہو، میں تو اس کی شہادت ہرگز نہیں دے سکتا کہو، خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں جس میں تم مبتلا ہو)۔

O هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ ابراہیم آیت:۵۲)

(یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ اُن کو اس کے ذریعہ سے خبردار کردیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں)۔

○ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (سورۃ المائدہ آیت ۶۷)

(اے پیغمبر ﷺ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا)۔

حضور ﷺ کو مخاطب کر کے دراصل یہ ذمہ داری ہم لوگوں کو منتقل کی جا رہی ہے کہ تبلیغِ قرآن کی فرضیت کتنی لازم ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''پہنچا دو میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت''

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک آیت کو پہنچا کر بالکل بری ہر کوئی نہیں ہو جائے گا، بلکہ جسے قرآن صحیح طرح سے ناظرہ سے پڑھنا آتا ہو، وہ دوسروں کو سکھائے، جیسے ترجمہ آتا ہے دوسروں کو ترجمہ بتائے اور جس کو قرآن کا کچھ علم و فہم عطا کر دیا گیا ہے وہ اسے دوسروں تک پہنچائے (وغیرہ وغیرہ) اس طرح قرآن کا علم دوسروں کو منتقل ہوتا رہے۔ ایک اور حدیث جو کہ حضرت عبیدہ ملکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کے مطابق آنحضور نے فرمایا۔

''اے قرآن والو قرآن کو بس اپنا تکیہ ہی نہ بنالو، بلکہ دن رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو، جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، اور اس کو (چار دانگ عالم میں) پھیلاؤ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو، اور اس میں غور و فکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (شعب الایمان للبیہقی، بحوالہ معارف الحدیث، جلد پنجم)

قرآن کی سورۃ الفرقان کی آیت ۳۰ میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی شدید شکایت ان لوگوں کے لیے بیان ہوئی ہے جو عملاً قرآن کے ساتھ عدم توجہ و التفات کی روش اختیار کریں۔

○ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

(سورۃ الفرقان آیت: ۳۰)

(اور رسول کہے گا کہ ''اے میرے رب، میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنا لیا تھا'')۔

”**شکایت نبوی** (آیت ۳۰) قیامت والے دن اللہ کے سچے رسول آنحضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی شکایت جناب باری تعالیٰ میں کریں گے۔ کہ نہ یہ لوگ قرآن کی طرف مائل تھے، نہ رغبت سے قبولیت کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اوروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے تھی۔ یہی اس کا چھوڑ رکھنا تھا، نہ اس پر ایمان لاتے تھے نہ اسے سچا جانتے تھے نہ اس پر غور وفکر کرتے تھے نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے نہ اس پر عمل تھا نہ اس کے احکام کو بجالاتے تھے، نہ اس کے منع کردہ کاموں سے رکتے تھے۔ مگر اس کے سوا اور کلاموں میں مشغول ومنہمک رہتے تھے جیسے شعر اشعار غزلیات باجے گانے، راگ رگنیاں اسی طرح اور لوگوں کے کلام سے دلچسپی لیتے تھے“۔ [1]

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا، نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اس کے احکام میں غور اور عمل کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔ (قرطبی) [3]

ایک اور مستند حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

”(قیامت کے دن) قرآن تیرے حق میں حجت ہوگا یا تیرے خلاف حجت ہوگا۔ (حدیث صحیح نسائی، ترمذی، مسلم“

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں یعنی تجھے اس سے فائدہ ہوگا۔ اگر تو نے اس پر عمل کیا ورنہ تیرے خلاف حجت ہوگا، قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی، ان میں سے ایک قرآن مجید ہوگا جو بندوں کے بارے میں حجت کرے گا۔ (حدیث مشکوۃ شریف)

یعنی جن لوگوں نے اپنی استطاعت اور استعداد کے مطابق اس کے حقوق ادا کیے اس کے موافق ان کے حق میں گواہی میں دے گا اور جن لوگوں نے حقوق ادا نہیں کیے ان کے خلاف گواہی دے گا۔

(iv.XII) حقوق العباد (بندوں کے حقوق):

ان حقوق کی اہمیت اور انکی فہرست بندوں اور رشتوں کی مناسبت سے تو بہت زیادہ طویل ہے۔ ان

سب کوتحریر کرنا اس موقع محل پر ممکن نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کی تفاصیل قرآن، حدیث اور دیگر مستند کتابوں سے حوالے لے کر اس فریضے کی ادائیگی میں مدد لی جاسکتی ہے، فی الحال چند اہم حقوق کے بیان پہ ہی اختصار کیا جاسکتا ہے:۔

(i-iv-XII) ماں باپ کے حقوق:

- وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۲۴)

(اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ ’’پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح اِنہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا‘‘)۔

- رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ
(سورۃ ابراہیم آیت: ۴۱)

(پروردگار، مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اُس دن معاف کر دیجیو جبکہ حساب قائم ہوگا)

- وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (سورۃ لقمان آیت: ۱۴)

(اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اِسی لیے ہم نے اُس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے)

صحیح بخاری میں مروی ھے کہ:

۞ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز اپنے وقت میں ادا کرنا۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟‘‘ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو‘‘ (قرطبی)

۞ مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم میں بسند صحیح ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''باپ جنت کا دروازہ ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کردو۔'' (مظہری)

۞ جامع ترمذی و مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔''

۞ ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نقل کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے، آپ ﷺ نی فرمایا کہ ''دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں'' مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جائیگی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں۔

۞ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے بروایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ جل شانہ کے لیے اپنے ماں باپ کا فرمانبردار رہا اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے رہیں گے، اور جوان کا نافرمان ہو اس کے لیے جہنم کی دو دروازے کھلے رہیں گے اور اگر ماں، باپ میں سے کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت اور دوزخ کا کھلا رہے گا۔

۞ بیہقی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدمتگار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اسی طرح نظر کرے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں سو مرتبہ بھی'' (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا)۔

۞ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''ماں کے قدموں میں جنت ہے۔'' (طبرانی)

۞ بہز بن حکیم سے مروی ہے کہ ان کے دادا کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ'' میں نے دوبارہ عرض کیا کہ ان کے بعد کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے تیسری بار عرض کیا کہ ان کے بعد کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ'' میں نے چوتھی بار عرض کیا کہ ان کے بعد کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ پھر جو زیادہ قریب ہو اس کے بعد پھر جو زیادہ قریب ہو۔ (ترمذی)

(ii-iv-XII) قرابت دار/رشتہ داروں کے حقوق/یتیموں کے حقوق:

چند آیات قرآن مجید سے غور طلب ہیں:

- لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَةِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَ السَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّکٰوةَ ۚ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَ الصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ (سورۃ البقرہ، آیت:۱۷۷)

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ)۔

- وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِهٖ شَیۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَاۨ ۙ (سورۃ النساء، آیت:۳۶)

(اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے،

اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے)۔

○ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (سورۃ البقرہ، آیت:۸۳)

(یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو)۔

○ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورۃ التوبہ، آیت:۶۰)

(یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور اُن کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے)۔

○ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹) وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱۰) (سورۃ الضحٰی، آیت:۱۰۔۹)

(لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو (9) اور سائل کو نہ جھڑکو (10))۔

○ وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا (سورۃ النسا، آیت:۲)

(یتیموں کے مال اُن کو واپس دو، اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو، اور اُن کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے)۔

O یَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ (سورۃ البقرہ آیت:۲۱۵)

(لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے، اللہ اس سے باخبر ہوگا)۔

O وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ النمل، آیت:۹۰)

(اور جو بُرائی لیے ہوئے آئے گا، ایسے سب لوگ اوندھے منہ آگ میں پھینکے جائیں گے کیا تم لوگ اس کے سوا کوئی اور جزا پا سکتے ہو کہ جیسا کرو ویسا بھرو؟)۔

O وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (سورۃ النسا، آیت:۹۳)

(رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اُس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے)۔

چند احادیث اس موضوع پر غور طلب ہیں:

۞ (نمبر ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں کو (بلاوجہ) برا بھلا کہنا، بڑا گناہ ہے اور ان سے (بلاوجہ) لڑنا (قریب) کفر (کے) ہے۔ (بخاری مسلم)

۞ (نمبر ۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص

(لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے کو عیوب سے بری سمجھ کر بطورِ شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے، تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے) (مسلم)

۞ (نمبر ۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے چغل خور (قانوناً بدون سزا) جنت میں نہ جاوئے گا۔ (بخاری، مسلم)

۞ (نمبر ۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دورویہ ہو، یعنی جو ایسا ہو کہ ان کے منہ پر ان جیسا، ان کے منہ پر اُن جیسا (بخاری و مسلم)

۞ (نمبر ۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوب جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ (غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ (اگر اس کو خبر ہو) تو اس کو ناگوار ہو، عرض کیا گیا کہ یہ بتایئے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں اس کی برائی کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تب تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم)

۞ (نمبر ۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلا دے (جس کی اس نے توبہ کر لی ہو) تو اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ وہ خود اس گناہ کو نہ کرے گا، یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے، اگر کسی خاص وجہ سے ظہور نہ ہو اور بات ہے، اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں۔ (ترمذی)

۞ (نمبر ۷) عیاض مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے) (مسلم)

۞ (نمبر ۸) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

۞ (نمبر ۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور غریبوں کے

کاموں میں سعی (کوشش) کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری مسلم)

۞ (نمبر ۱۰) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمے رکھ لے خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو، ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا۔ (کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے، (بخاری)

۞ (نمبر ۱۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے۔ اور برے کام سے منع نہ کرے۔ (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے) مگر نرمی اور تہذیب سے، (ترمذی)

۞ (نمبر ۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے وہ شخص (پورا) ایمان دار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

۞ (نمبر ۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے حقوق مسلمان پر یہ بھی ہے۔ جب اس سے ملنا ہو اس کو سلام کرو۔

۞ (نمبر ۱۴) بیواؤں اور مسکینوں کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو خدا کی راہ میں جنگ کرتا ہے اور اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر خدا کے حضور کھڑا رہتا ہے تھکتا نہیں اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو دن کو کھاتا نہیں برابر روزہ رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ حسن سلوک ہو رہا ہے اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی ہو رہی ہے۔ (ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو اور اس کی عزت کی جائے۔ (جامع صغیر)

جو شخص کسی یتیم کا ولی ہو تو اس کو چاہیے کہ یتیم کے مال کو کسی تجارت کے کام میں لگا دے اور اس کے مال کو اس

وقت تک بے کار نہ چھوڑے کہ کھائے اس کو زکوٰۃ (یعنی یتیم بالغ ہوجائے اور زکوٰۃ اسپر فرض ہوجائے اس وقت تک اس کے مال کو بے کار نہ چھوڑے)

قال الرسول ﷺ

جونوجوان کسی بوڑھے شخص کی اس کے عمر رسیدہ کی وجہ سے تعظیم کرتا ہے تو اس کے بڑھاپے کے وقت اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔(ترمذی)

ان لوگوں کے طفیل تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے جو تم میں ضعیف و کمزور ہیں۔(بخاری)

تم مجھے کمزوروں اور ضعیفوں میں تلاش کرو کیونکہ تم کو رزق اور نصرت ضعیفوں کی برکت سے دی جاتی ہے۔(مسلم)

قال رسول اللہ ﷺ

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا کردیتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کردے گا۔(بخاری مسلم)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔(ترمذی)

(iii-iv-XII) ہمسائے کے حقوق:

ہمسایہ کے چند حقوق یہ ہیں۔(۱) اس کے ساتھ احسان اور مراعات سے پیش آئے۔(۲) اس کے اہل و عیال کی عزت وآبرو کی حفاظت کرے (۳) وقتاً فوقتاً اس کے گھر ہدیہ وغیرہ بھیجتا رہے، بالخصوص جب وہ فاقہ زدہ ہو تو ضرور تھوڑا بہت کھانا اس کو دے۔(۴) اس کو تکلیف نہ دے اور خفیف خفیف امور میں اس سے نہ الجھے، اسکی رفع تکلیف کے واسطے شریعت نے اس کے لیے حق شفعہ ثابت کیا ہے۔علما نے کہا ہے کہ جیسے حضر میں ہمسایہ ہوتا ہے اس طرح سفر میں یعنی رفیق سفر جو گھر سے ساتھ ہوا ہو یا راہ میں اتفاقاً اس کی معیت ہوگئی، ہو، حدیث میں ایک کو جار مقام اور دوسرے کو جار یار یہ فرمایا ہے، اس کا حق بھی مثل ہمسایہ حضر کے ہے۔اس کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھے۔

(iv-iv-XII) مہمان کے حقوق:

اس طرح مہمان کہ بھی حقوق ہیں۔(۱) آمد کے وقت بشاشت ظاہر کرنا، جاتے وقت کم ازکم دروازہ تک مشایعت کرنا(۲) اس کی معمولات وضرورت کا انتظام کہ جس سے اس کو راحت پہنچے(۳) تواضع وتکریم ومدارت کے ساتھ پیش آنا، بلکہ اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرنا(۴) کم ازکم ایک روز اس کے لیے کھانے میں کسی قدر متوسط درجہ کا تکلف کرنا، مگر اتنا ہی کہ اس میں اپنے کو تر دد ہو، نہ اس کو حجاب ہو، اور کم ازکم تین روز تک اس کی مہمانداری کرنا۔ اتنا تو اس کا ضروری حق ہے اس کے بعد جس قدر وہ ٹھہرے میزبان کی طرف سے احسان ہے، مگر خود مہمان کو مناسب ہے کہ اس کو تنگ نہ کرے۔ نہ زیادہ ٹھہر کر، نہ بے جا فرمائشیں کر کے۔ نہ اس کی تجویز طعام ونشست وخدمت وغیرہ میں دخل دے۔

(v-iv-XII) میاں بیوی کے حقوق

O أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوهُنَّ وَ ابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ ۚ.

(سورۃالبقرہ،آیت:۱۸۷)

(تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے اللہ کو معلوم ہوگیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے۔۔۔۔۔)

O هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ أَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (سورۃالاعراف آیت:۱۸۹)

(وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس

کے پاس سکون حاصل کرے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف سا حمل رہ گیا جسے لیے لیے وہ چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے مل کر اللہ، اپنے رب سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے)۔

O اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (سورۃ النساء آیت ۳۴)

(مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں اُن کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں اُن سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر تم وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالا تر ہے)۔

O يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (سورۃ النسا آیت ۱۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اُس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو ہاں اگر وہ کسی صریح بدچلنی کی مرتکب ہوں (تو ضرور تمہیں تنگ کرنے کا حق ہے) ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ

نے اُسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو)

O وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا (سورۃ النسا آیت ۴)

(اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اُسے تم مزے سے کھا سکتے ہو)۔

O وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى یُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰى یُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ یُبَیِّنُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۠ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۱)

(تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے)

O وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۲)

(پوچھتے ہیں: حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو: وہ ایک گندگی کی حالت ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو

اوران کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں، تو اُن کے پاس جاؤ اُس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں)۔

O نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۳)

(تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تمہیں اختیار ہے، جس طرح چاہو، اپنی کھیتی میں جاؤ، مگر اپنے مستقبل کی فکر کرو اور اللہ کی ناراضی سے بچو خوب جان لو کہ تمہیں ایک دن اُس سے ملنا ہے اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو تمہاری ہدایات کو مان لیں انہیں فلاح وسعادت کی بشارت سنا دو)۔

احادیث:

قال الرسول ﷺ

- نکاح میری سنت ہے اور جو اس سے منہ پھیرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی)
- عورتوں کو ان کے پسند کے مردوں سے نکاح کرو۔ (مسند احمد حاکم)
- سب سے زیادہ ایسی عورتوں میں برکت ہوتی ہے جن کے نکاح میں زائد خرچ نہ کرنا پڑے۔ (مسند احمد، حاکم)
- عورتوں کے مہر مہنگے مت کرو۔ (مسند احمد)
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو ہریرہ سے فرمایا ''نکاح کے وقت عورت میں چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں، مال، نسب، دین داری اور حسن۔ تم کو دین دیکھنا چاہیے۔ (البخاری)

قال الرسول ﷺ

- تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کیلیے بہتر ہو (یعنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔) (ابوداؤد)
- میں تم کو بتاؤں انسان کا بہترین سرمایہ کیا ہے؟ نیک بیوی جب وہ شخص اس کو دیکھے تو وہ عورت اس کو مسرور کر دے، اور اس کی فرمانبردار اور شوہر کی عدم موجودگی میں (عصمت و دولت) کی محافظ ہو۔

- سب سے زیادہ عورت پر حق اس کے شوہر کا ہے اور لوگوں میں سب سے زیادہ کسی شخص پر اس کی ماں کا (حاکم)

قال الرسول ﷺ

- بیوی کا حق یہ ہے کہ جب خاوند کھائے تو اسے کھلائے جب پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور اس کو بددعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر ترکِ تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے۔ (ابوداود)
- مومنوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے اعلیٰ ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو عورتوں سے بہتر برتاؤ کرنے والے ہیں۔ (ترمذی عن ابی ہریرہ)
- کوئی مومن شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اسکی ایک عادت پسند نہیں آتی تو دوسری عادتیں پسند آئیں گی۔ (مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

قال الرسول ﷺ

- جب عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (مشکوۃ عن انس)
- وہ بیوی جو اپنے شوہر کو خوش کرے جب کہ وہ اس کی طرف دیکھے اطاعت کرے جب وہ اسے حکم دے اور اسکے مال کے حوالے سے ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو (نسائی عن ابی ہریرہ)
- تم سب راعی (نگران محافظ) ہو اور تم میں سے ہر ایک جواب دہ ہوگا ان لوگوں کی بابت جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے امیر اپنی رعیت کا نگران ہے شوہر اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔

زوجہ کے حقوق:

خاوند پر بیوی کے یہ حق ہیں (1) حسن خلق (2) برداشت کرنا ایذا کا مگر باعتدال (3) اعتدال کرنا غیرت میں یعنی نہ بدگمانی کرے نہ بالکل غافل ہوجائے، (4) اعتدال خرچ میں۔ یعنی نہ تنگی کرے اور نہ

فضول خرچی کی اجازت دے۔(5) احکام حیض وغیرہ کے سیکھ کر اس کو سکھلانا اور نماز اور دین کی تاکید رکھنا اور بدعات ومنہیات سے اس کو منع کرنا۔(6) اگر کئی عورتیں ہوں تو ان کے حقوق میں برابر رکھنا۔(7) بقدر حاجت اس سے وطی کرنا۔(8) بدون اجازت عزل نہ کرنا۔(9) بدون ضرورت طلاق نہ دینا۔(10) بقدر کفایت رہنے کو گھر دینا۔(11) اس کے محارم واقارب سے اس کو ملنے دینا(12) راز ظاہر نہ کرنا جماع وغیرہ کا(13) حد سے زیادہ نہ مارنا۔(امداد الفتاویٰ ہوب جلد ۲ ص ۱۸۵)

شوھر کے حقوق:

بیوی پر خاوند کے یہ حق ہے(۱) ہر امر میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔(۲) اس کے مقدور سے زیادہ نان ونفقہ طلب نہ کرنا،(۳) بدون اجازت شوہر کے کسی کو گھر آنے نہ دینا(۴) بدون اس کی اجازت کے گھر سے نہ نکلنا۔(۵) بدون اس کی اجازت کے کسی کو کوی چیز اس کے مال سے نہ دینا۔(۶) نفل نماز، نفل روزہ بغیر اجازت اس کے نہ پڑھنا نہ رکھنا۔(۷) اگر صحبت کے لیے بلائے بغیر مانع شرعی کے اس سے انکار نہ کرنا۔(۸) اپنے خاوند کو بہ وجہ افلاس یا بدصورتی کے حقیر نہ سمجھے،(۹) اگر کوئی امر خلاف شرع خاوند میں دیکھے تو ادب سے منع کرے۔(۱۰) اس کا نام لے کر نہ پکارنا۔(۱۱) کسی کے روبرو خاوند کی شکایت نہ کرنا۔(۱۲) اس کے روبرو زبان درازی نہ کرنا۔(۱۳) اس کے اقارب سے تکرار نہ کرنا،(امداد الفتاویٰ۔ جلد ۲ ص ۱۸۶)

(vi-iv-XII) اھل وعیال کے حقوق

○ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (سورۃ طٰہٰ، آیت ۱۳۲)

(اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کے لیے ہے)۔

○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (سورۃ التحریم، آیت ۶)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں)۔

O يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (سورۃ النساء آیت ۱۱)

(تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے، اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی (یہ سب حصے اُس وقت نکالے جائیں) جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اُس پر ہو ادا کر دیا جائے تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں، اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے)۔

احادیث:

رشتہ داروں کا حق:

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں داخل نہ ہوگا جو شخص رشتہ داروں سے بدسلوکی کرے (روایت کیا اس کو بخاری مسلم نے)

حقوق اہل وعیال:

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نیکی) شروع کرو اس شخص سے جو تمہارے عیال میں ہو، روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

اور ارشاد فرمایا، سب سی افضل وہ دینار ہے، جس کو آدمی اپنے عیال پر خرچ کرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

قال الرسول ﷺ

- اپنے بچوں کی عزت کرو اور اس کو اچھے آداب واخلاق کی تعلیم دو (ابن ماجہ)
- کسی باپ نے اپنی اولاد کو حسن آداب سے بہتر عطیہ نہیں دیا۔ (ترمذی)
- تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔ (بخاری مسلم)

دادا، دادی، نانا، نانی اور اولاد کے حقوق

دادا، دادی، نانا نانی کا حکم شرعاً مثل ماں باپ کے ہے پس ان کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہیے اس طرح خالہ اور ماموں مثل ماں کے اور چچا اور پھوپھی مثل باپ کے ہیں حدیث میں اس طرح اشارہ آیا ہے۔

اولاد کے حقوق جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں، اسی طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق ہیں، وہ یہ ہیں۔ (۱) نیک بخت عورت سے اس کا نکاح کرنا تا کہ اولاد بھی اچھی پیدا ہو (۲) بچپن میں محبت کے ساتھ انکی پرورش کرنا کہ اولاد کو پیار کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے، بالخصوص لڑکیوں سے دل تنگ نہ ہونا، ان کی پرورش کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اگر انا کا دودھ پلانا پڑے تو خلیق (بااخلاق) اور دیندار تلاش کرنا کہ دودھ کا اثر بچہ کے اخلاق میں ہوتا ہے۔ (۳) ان کو علم دین وآداب سکھلانا (۴) جب نکاح کے قابل ہو ان کا نکاح کر دینا۔ اگر لڑکی کا شوہر مرجائے تو نکاح ثانی ہونے تک اس کو اپنے گھر آرام سے رکھنا اس کے مصارف ضروریہ کا برداشت کرنا۔

فرمایا روسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں کہ ان کو حکم وادب سکھلائے اور انکی پرورش دین کے مطابق کرے اور ان پر مہربانی کرے اس کے لیے ضرور جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے ادب کے باب میں)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جیسا تمہارے والد کا تم پر حق ہے اسی طرح سے تمہاری اولاد کا بھی تم پر حق ہے۔(فروع الایمان ص ۱۳۱)

بہن بھائی کے حقوق:

حدیث میں ہے کہ بڑا بھائی مثل باپ کے ہے اس سے لازم آیا کہ چھوٹا بھائی مثل اولاد کے ہے پس ان میں باہمی حقوق ویسے ہی ہوں گے جیسے مابین والدین واولاد کے ہیں اسی پر بڑی بہن اور چھوٹی بہن کو قیاس کرلینا چاہیے۔

رشتہ داروں کے حقوق:

اسی طرح باقی قرابتداروں کے بھی حقوق آئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے(۱) اپنے محارم اگر محتاج ہوں اور کھانے کمانے کی کوئی قدرت نہ رکھتے ہوں تو بقدر کفالت ان کے نان ونفقہ کی خبر گیری مثل اولاد کے واجب ہے اور غیر محرم کا نان ونفقہ اس طرح تو واجب نہیں لیکن کچھ خدمت کرنا ضروری ہے(۲) گاہ بگاہ ان سے ملتے رہنا۔(۳) ان سے قطع قرابت نہ کرے بلکہ اگر کسی قدر ان سے ایذا بھی پہنچے تو صبر افضل ہے۔(۴) اگر کوئی قریب محرم اس کی ملک میں آجائے تو فوراً آزاد ہوجاتا ہے۔

(vii-iv-XII) عام مسلمانوں کے حقوق

O اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۧ (سورۃ الحجرات آیت ۱۰)

(مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا)۔

O وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۳)

(قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ

گزرے، اُس کی مدد کی جائے گی)۔

O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (سورۃ الحجرات، آیت ۱۱)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں)۔

O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ الحجرات، آیت ۱۲)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے)۔

احادیث:

علاوہ اہل قرابت سے اجنبی مسلمانوں کے بھی کچھ حقوق ہیں، اصبہانی نے ترغیب وترہیب میں روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حقوق نقل کیے ہیں۔(۱) بھائی مسلمان کی لغزش کو معاف کرے۔(۲) اس کے رونے پر رحم کرے۔(۳) اس کے عیب کو ڈھانکے۔(۴) اس کے عذر کو قبول کرے (۵) اس کی تکلیف کو دور کرے۔(۶) ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتا رہے (۷) اس کی حفاظت ومحبت کرے (۸) اس کے ذمہ کی رعایت کرے۔(۹) بیمار ہو تو عیادت کرے (۱۰) مرجائے تو جنازے میں حاضر ہو (۱۱) اس کی دعوت قبول

کرے۔(۱۲)اس کا ہدیہ قبول کرے(۱۳)اس کے احسان کی مکافات کرے(۱۴)اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرے۔(۱۵)موقع پر اس کی نصرت کرے(۱۶)اس کے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔(۱۷)اس کی حاجت روائی کرے،(۱۸)اس کی درخواست کو سنے۔(۱۹)اس کی سفارش قبول کرے(۲۰)اس کی مراد سے ناامید نہ کرے(۲۱)وہ چھینک کر الحمدللہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔(۲۲)اس کی گمشدہ چیز کو اس کے پاس پہنچا دے(۲۳)اس کے سلام کا جواب دے۔(۲۴)نرمی وخوش خلقی کے ساتھ اس سے گفتگو کرے۔(۲۵)اس کے ساتھ احسان کرے۔(۲۶)اگر وہ اس کے بھروسہ پر قسم کھا بیٹھے تو اس کو پورا کردے۔(۲۷)اگر اسپر کوئی ظلم کرتا ہو اس کی مدد کرے اگر وہ کسی پر کوئی ظلم کرتا ہے تو اسے روک دے۔(۲۸)اس کے ساتھ محبت کرے اور دشمنی نہ کرے۔(۲۹)اس کو رسوا نہ کرے(۳۰)جو بات اپنے لیے پسند کرے اس کے لیے بھی پسند کرے۔

اور دوسری احادیث میں یہ حقوق زیادہ ہیں۔(۳۱)ملاقات کے وقت اس کو سلام کرے اور مصافحہ بھی کرے تو اور بہتر ہے۔(۳۲)اگر باہم اتفاقاً کچھ رنج ہو جائے تین روز سے زیادہ ترک کلام نہ کرے۔(۳۳)اس پر بدگمانی نہ کرے(۳۴)اس پر حسد وبغض نہ کرے۔(۳۵)امر بالمعروف ونہی عن المنکر بقدر امکان کرے۔(۳۶)چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر کرے(۳۷)دو مسلمانوں میں نزاع ہو جائے تو ان میں باہم صلح کرادے(۳۸)اگر سواری پر سوار نہ ہو سکے یا اس پر اسباب نہ لاد سکے تو اس کو سہارا لگا دے۔(۴۱)اس کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔(۴۲)تیسرے کو تنہا چھوڑ کر دو آدمی باتیں نہ کریں اور یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے حقوق اوپر مذکور ہو چکے ہیں وہ حقوق خاص ہیں اور ان حقوق عام میں وہ بھی شریک ہیں۔

قال الرسول ﷺ

☆۔حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت سے خطاب کرتے ہوئے ایک ارشاد فرمایا کہ سنو اللہ جل شانہ نے تمہارا خون اور مال وآبرو محترم قرار دیا ہے جس طرح تمہارا یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہیں۔ پھر فرمایا دیکھو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم مسلمان ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔(بخاری عن ابن عمر)

☆۔تو مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے والے محبت کرنے والے اور ایک دوسرے کی طرف جھکنے میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ جسم کا حال ہوتا ہے۔ کہ اگر ایک عضو کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو اس کا بقیہ سارا جسم بھی بیماری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(بخاری ومسلم عن نعمان بن بشیر)

(viii-iv-XII) نفس کے حقوق:

O وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَاۤ ۫ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ (سورۃ الاعراف ۴۲)

(بخلاف اس کے جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کیے ہیں اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھیراتے ہیں وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے)

احادیث:

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھاتے نہ تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے تو حضور ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

''تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے''، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے ہو کر کچھ سو کر رہو۔ دن میں بھی روزہ رکھو کبھی بے روزہ رہو۔ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ سے اعراض کرے اور مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا ہے۔

اب تصور کریں کہ اگر کوئی مسلمان ان حقوق کی ادائیگی میں سستی، کاہلی یا غفلت برت رہا ہے اور بغض اور کینہ کی وجہ سے دانستہ طور پر کسی کے حقوق تلف کرتا ہے تو وہ عمل صالح کا پابند نہیں ہے، بہت سے حقوق تو ایسے ہیں کہ جن سے اعراض کرنا گناہ کبیرہ ہے، جیسے غیبت، چغلخوری، کسی کی عزت پامال کرنا، ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (الحجرات کی آیات ۱۲+۱۱) میں فرمایا، غیبت تو ایسا گھناؤنا گناہ ہے کہ جیسے غیبت کرنے والا اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، غیبت کی تعریف ایک حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان کی ہے۔

حدیث:

اللہ کے رسول اللہ نے فرمایا کہ

''اگر کسی کی برائی اس کے پیچھے کی جائے (جو کہ وہ سن لے تو اسے بری لگے) تو یہ غیبت ہے، کسی صحابی نے دریافت فرمایا کہ اگر وہ برائی اس میں موجود ہو تب بھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہی تو غیبت

ہے، اگر وہ برائی اس میں موجود نہیں ہے اور بیان کی جا رہی ہے تو یہ تو تہمت ہے جو غیبت سے بڑا گناہ ہے"۔

ظاہر ہے جیسے کوئی مرا ہوا شخص جس کے بدن کا گوشت کاٹ کاٹ کھایا جا رہا ہو وہ اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہہ سکتا اسی طرح جو مسلمان بھائی موجود نہیں ہے اگر اس کی برائی کی جا رہی ہے تو وہ اپنا دفاع کسی طرح کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا اپنے نمبر بنا رہا ہوتا ہے اور دوسرے کے دلوں میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے نفرت اور بغض کی بنیاد ڈال رہا ہوتا ہے۔

کوئی بھی مسلمان کسی کی بھی کوئی حق تلفی کرتا ہے تو یہ بہت خطرناک عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا حق تو اگر چاہیں تو خود معاف فرما دیں گے مگر بندوں کے حقوق ادا کرنے میں اگر کسی سے کوتاہی ہوئی ہے تو وہ معاف نہیں ہوں گے، جب تک وہ بندہ خود معاف نہ کر دے یا اس سے اس دنیا میں معاف نہ کرا لیا جائے، آخرت تو دار الجزا ہے وہاں تو لین دین کے لیے مال و دولت، درہم و دینار تو ہوں گے نہیں، وہاں تو صرف انسانوں کے اعمال کا ذخیرہ ہوگا۔ اگر کسی بندے کا حق واجب الادا ہے تو حق مارنے والے کی نیکیاں اس بندے کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی، اور اگر بانٹتے بانٹتے حق مارنے والے کے نیک اعمال بھی ختم ہو گئے تو جن کا حق مارا گیا ہے ان کے گناہ/ بداعمال اس کے اُوپر تھوپ دیئے جائیں گے۔ یوں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں عدل و انصاف سے فیصلے ہوں گے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ کسی شخص نے ان کی غیبت کی ہے وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس شخص کے گھر مٹھائی کا ٹوکرا لے کر پہنچ گئے اس شخص نے حیرت سے پوچھا، کہ مٹھائی کس سلسلے میں؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے میری غیبت کی ہے تو اب ہونا یہ ہے کہ آپ کی نیکیاں آخرت میں مجھے دے دی جائیں گی یا میرے گناہ آپ پر لاد دیئے جائیں گے۔ تو میں تو بہت فائدے میں رہا، اس ہی خوشی میں میں مٹھائی لے کر حاضر ہوا تھا۔ وہ شخص یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا، صحابی سے معافی مانگی اور توبہ کی۔

ایک مستند اور صحیح حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے۔

حدیث:

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا، کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کے رسول ہمارے یہاں مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس

درہم ودینار اور ضروری سامان زندگی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن روزہ نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ اس حال میں آئے گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پہ تہمت باندھی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا، پھر اسے سب کے سامنے بٹھایا جائے گا اور بدلے میں اس کی نیکیاں مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کے ظلموں کا بدلہ پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ا۔امام ترمذی کہتے ہیں، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی 2418)

حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنی کتاب بنام ''حقوق العباد'' میں بہت تفصیل سے یہ حقوق بیان فرمائے ہیں، غیبت اور حقوق العباد کی تلافی کے موقع پر ان کی تحریر حسبِ ذیل ہے۔

غیبت حق العبد ہے:

زنا میں صرف خدا کا گناہ ہے جس کو اگر وہ چاہیں معاف کر سکتے ہیں اور غیبت میں خدا کا بھی گناہ ہے اور بندے کا حق بھی ہے۔ اسکو حق تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے، جس کی غیبت کی گئی ہے۔ اور بندہ محتاج ہے نہ معلوم قیامت میں وہ اس شخص کی نیکیاں ملتی ہوئی دیکھ کر معاف کرے یا نہیں، اگر اس کی ساری ہی نیکیاں مل گئی تو یہ میاں بالکل خالی ہاتھ ہی رہ جائیں گے، اس لیے اس گناہ سے بچنے کی بہت ہی فکر چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر سے کبر کا مادہ نکالے، اس کے بغیر غیبت نہیں چھوٹ سکتی، تکبر کے ہوتے ہوئے، اگر غیبت چھوٹے گی بھی تو وہ چار دن سے زیادہ نہیں چھوٹے گی، پھر چونکہ مادہ کبر کا اندر موجود ہے وہ پھر اس کو اسی میں مبتلا کر دے گا۔

افسوس یہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دین فقط تسبیحوں اور نفلوں کو سمجھ لیا ہے، دل کی اصلاح کو ضروری ہی نہیں سمجھتے اور میں سچ کہتا ہوں کہ دل کی اصلاح کے بغیر ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہو سکتے اور دل کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اندر خدا کی محبت اور خوف اور فکر آخرت پیدا کی جائے۔ جب دل پر محبت اور خوف اور فکر آخرت سوار ہو جائے گی تو بہت جلد اس کی اصلاح کی امید ہے۔ امراض قلب کی زیادہ تر وجہ بے فکری ہے جب دل فکر سے خالی ہوتا ہے تو اسمیں بہت سی خرابیاں ہو جاتی ہیں مگر فکر سے مراد فکر آخرت ہے ورنہ دنیا کی فکر تو ہمارے لیے ہلاکت ہے۔

دوسروں کی برائیاں بیان کرنے سے بہتر ہے کہ بندہ اپنی کوتاہیوں پہ پہلے نظر ڈالے کیونکہ دوسرے کی

آنکھ کا تنکا تو ہر ایک کو نظر آ جاتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ:

اب یہاں ایک سوال ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو، اور کسی سے رشوت لی ہو کسی کی غیبت کی اور ہوا اور اب وہ مر چکے ہیں یا لاپتہ ہیں تو ان کے حقوق کیسے ادا کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی صورت لاعلاج نہیں ہے۔ کرنے والا ہونا چاہیے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول تو پوری کوشش کرے ان لوگوں کے پتہ لگانے میں، اگر ان کا پتہ لگ جائے تب تو ان کو حق پہنچائے، اگر معلوم ہوا کہ وہ مر گئے ہیں تو مالی حقوق ان کے ورثا کو پہنچائے، اگر ورثا کا بھی پتا نہ لگے تو جتنی رقم تم نے ظلم و رشوت سے لی ہے اتنی رقم خیرات کر دو اور نیت کر لو کہ یہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں، یہ حقوق مالیہ کا حکم ہے۔

غیبت شکایت اور برائی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ مظلوم مر گیا ہو یا لاپتہ ہو گیا ہو تو اس کے حق میں دعا کرو، نماز اور قرآن پڑھ کر اس کو ثواب اور عمر بھر اس کے لیے دعا کرتے رہو۔ ان شاء اللہ حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کر دیں گے، جس کی صورت قاضی ثنا اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ قیامت میں مسلمانوں کو بڑے بڑے خوبصورت عالی شان محل دکھلائیں جائیں گے اور حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان محلات کا خریدار کوئی ہے اور ارشاد ہوگا ان کی قیمت یہ ہے کہ جس کا جو حق کسی کے ذمہ ہو اسے معاف کر دے اس وقت کثرت سے اہل حقوق اپنے حق معاف کر دیں گے۔ (سبحان اللہ)

اوپر بیان کی گئیں چند قرآن کی آیات اور احادیث مبارکہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہستیوں کے حقوق ادا کرنا کسی قدر اہم فریضہ ہے، نیز روزانہ کی بنیاد پر یہ زندگی گزارتے ہوئے ہمیں کہاں کہاں عمل صالح کرنے کی تلقین کی گئی ہے اس کی تفاصیل بھی ہمارے علم میں آ چکی ہے۔

حقوق العباد میں اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہے تو اس زندگی میں میں اس سے معاف کرا لینا چاہیے، پاکستان میں ایک عجب روایت یہ چل نکلی ہے کہ لوگ ملاقات کے بعد جب جدا ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ''دعاؤں میں یاد رکھیں''۔ اب کون کس کس سے سارا دن ملتا ہے اور کتنوں کو وہ دعاؤں میں یاد رکھ سکتا ہے یہ تو وہی جانے، دعا کا تو سب سے موثر طریقہ تو یہ ہے کہ بندہ خود اپنے کو اس قابل

بنائے کہ اس کی دعائیں قبول ہوں اور پھر خود اپنے لیے دعا کرے۔ حالانکہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے دعا کا کہنا بھی احادیث سے ثابت ہے پھر غائب کے لیے دعا کرنا اقرب الی الا جائز ہے۔ مگر دعاؤں کے لیے مسلسل ایک دوسرے کو کہنا ہمارے معاشرے کا اب ایک رواج بن گیا ہے۔ ہمارے سلف اور بزرگوں کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ جب کسی سے جدا ہوتے تھے تو ایک دوسرے کو فرماتے کہ ''کہا سنا معاف کر دیجئے گا'' کیا یہ حق تلفیوں کو معاف کرانے کا بہتر طریقہ نہیں ہے جس کو رائج کرنے کی ضرورت ہے۔؟

'' آگے کے باب میں ھم اعمال صالح کی اہمیت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

باب–7

اعمال صالحہ کی اہمیت

اب ہمیں سمجھنے کی ضرورت یہ ہے کہ عمل صالح کرنے کی اس قدر اہمیت کیوں ہے؟

اگر ہم پورے قرآن مجید کو اپنی زبان میں ترجمے کے ساتھ ایک بار ہی سمجھ کر پڑھ لیں تو یہ حقیقت ہم پر واضح ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرائض کا ذکر تو بار بار کیا ہے جیسے نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ مگر یہ تو کہیں نہیں ضمانت دی ہے کہ ایک کلمہ گو مسلمان اگر صرف یہی چند فرائض ادا کرتا رہے تو وہ جنت کا مستحق ہوجائے گا۔ یہ چند فرائض تو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں اور ان کو اوّلیت حاصل ہے۔ اس ہی طرح سورۃ البقرہ کی ابتداء آیات میں بھی متقین کی صفات جو ذکر فرمائی گئی ہیں ان پہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فلاح کا اعلان فرمادیا ہے فلاح دخول جنت اور دوزخ سے نجات ہی ہے۔

جہاں کہیں بھی جنت کے حصول کا بیان ہے، یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کا ذکر ہے یا بندوں کے لیے بلند مقام پر فائز ہونے کی بات کی گئی ہے یا سچی توبہ کے بعد گناہوں سے معافی کی تصدیق کی گئی، وہاں ہر جگہ ایک ہی شرط لگی ہوئی ہے، اور وہ شرط ہے کہ ایمان لاؤ اور عمل صالح کرو، یعنی اگر ہم فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی کرتے رہیں گے تب ہی بھی ہم نجات اور کسی مقام پہ فائز ہونے کے مستحق ہیں۔ قرآن مجید میں سینکڑوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مختلف درجات حاصل کرنے کے لیے 'عمل صالح' کرنیکی شرط لگائی ہوئی ہے۔

چند مثالیں قرآن مجید کی آیات سے پیش خدمت ہیں۔

O وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۧ (سورۃ البقرہ آیت ۸۲)

(اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے وہی جنتی ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے)۔

یہاں بھی جنت حاصل کرنے کے لیے عملوا الصّٰلحٰت کی شرط لگی ہوئی ہے۔

○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(سورۃ البقرہ آیت ۲۷۷)

(ہاں، جولوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اُن کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں)۔

ایمان لانے کے بعد عمل صالح کرنے اور نماز وزکوٰۃ کے فرائض ادا کرنے کی شرط ہے تا کہ دنیا اور آخرت میں نہ کوئی خوف ہو اور نہ کوئی غم۔

○ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (سورۃ النساء آیت ۱۲۴)

(اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی)۔

یعنی مرد یا عورت کوئی بھی ہو اگر عمل صالح کرے اور ہو بھی مومن تو اس پر ذرّہ برابر ظلم یا حق تلفی نہ ہوگی۔

○ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

(سورۃ المائدہ آیت ۹)

(جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے گا)

یہاں اللہ تعالیٰ خود وعدہ فرمارہے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ کیسے غلط ہوسکتا ہے) کہ جو عمل صالح کرتے رہیں گے، یعنی فرائض، واجبات اور مستحبات ادا کرکے عمل صالح کرتے رہیں گے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

○ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۧ (سورۃ المائدہ آیت ۹۳)

(جولوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی

گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ اُن چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں، پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اُسے مانیں، پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے)۔

اگلی آیت میں ہے کہ ایمان لانے کے بعد اگر عمل صالح کرتے رہیں تو پچھلے گناہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ (سبحان اللہ)

○ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ الانعام آیت: ۵۴)

(جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو "تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو وہ اُسے معاف کردیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے")۔

"مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی قضا و قدر مقرر کی تو اپنی کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔ ابن مردویہ میں حضور کا فرمان ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کردے گا، اپنے عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں یہ تحریر ہے" کہ میرا رحم کرم میرے غصّے اور غضب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے اور میں سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہوں،" پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ایک بار مٹھیاں بھر کر اپنی مخلوق کو جہنم سے نکالے گا جنہوں نے کوئی بھلائی نہیں کی ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات میں ہم لکھا دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اپنی رحمت کے سو حصّے کیے، پھر ساری مخلوق میں ان میں سے ایک حصہ رکھا اور ننانوے حصے اپنے پاس باقی رکھے اسی ایک حصہ رحمت کا یہ ظہور ہے کہ مخلوق بھی ایک دوسرے پر مہربانی کرتی ہے اور تواضع سے پیش آتی

ہے اور آپس کے تعلقات قائم ہیں، اونٹنی، گائے، بکری، پرند، مچھلی وغیرہ جانور اپنے بچوں کی پرورش میں تکلیفیں جھیلتے ہیں اور ان پر پیار ومحبت کرتے ہیں، روز قیامت میں اس حصّے کو کامل کرنے کے بعد اس میں ننانونے حصے ملا لیے جائیں گے، فی الواقع رب کی رحمت اور اس کا فضل بہت ہی وسیع اور کشادہ ہے، یہ حدیث دوسری سند سے مرفوعاً بھی مروی ہے اور ایسی ہی اکثر حدیثیں آیت ورحمتی وسعت کل شئ کی تفسیر میں آئیں ہیں، ایسی ہی احادیث میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ وہ سب اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر فرمایا جانتے ہو بندے جب یہ کرلیں تو انکا حق اللہ تعالیٰ کے ذمے کیا ہے؟ یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے، مسند احمد میں یہ حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔)[1]

O قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۧ

(سورۃ الکہف آیت ۱۱۰)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے)۔

جسے اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، جس میں سارے نبیوں اور خاص کر خاتم النبیین پر ایمان لانا اور ان کی شریعت کے مطابق عمل کرنا بھی شامل ہے، (اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے)

مشرک اور کافر کی نجات نہیں وہ اپنے خیال میں کیسے ہی عمل صالح کرے۔ اس آخری آیت میں وقوع قیامت کے عقیدہ کی بھی تلقین فرمادی اور یہ بھی بتادیا کہ وہاں وہ اعمال صالح کام دیں گے جو ایمان کے ساتھ ہوں اور جن میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونے کے لیے بھی شرط عمل صالح کی ہے۔

Oاِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۃ مریم آیت ۹۶)

(ہاں۔ بیشک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، خدائے رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔)۔

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کیلیے محبت پیدا فرما دے گا یعنی تمام فرشتے جو آسمان کے رہنے والے ہیں اور تمام مومن بندے جو زمین میں رہتے اور بستے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور یہ اللہ کی محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرمائے گا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل امین کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، لہٰذا وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبریل امین آسمانوں میں پکار کر اعلان کر دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، لہٰذا آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں، (اس سے صالحین مراد ہیں اگر کافر و فاسق صالحین سے محبت نہ کریں تو اہل ایمان ان سے بے نیاز ہیں،)

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبریل امین کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو، لہٰذا جبریل علیہ السلام بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں ندا دے دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص مبغوض ہے لہٰذا تم اس سے بغض رکھو اس پر آسمان والے اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے لیے زمین میں بغض ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۱ جلد ۲)

O وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ

(سورۃ طٰہٰ آیت ۷۵)

(اور جو اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں)۔

یعنی بلند درجہ حاصل کرنے کے لیے بھی عمل صالح کی شرط ہے۔

O وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (سورۃ طٰہٰ آیت: ۸۲)

(البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے، اُس کے لیے میں

بہت درگزر کرنے والا ہوں)۔

اس آیت میں گناہوں کو درگزر کروانے کے لیے بھی ایک شرط عمل صالح کی ہے۔

○ اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُـؤۡلُـؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ (سورۃ الحج آیت ۲۳)

(دوسری طرف، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اُن کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے)۔

یعنی جنت کی آسائشیں اور لباس اور زیور حاصل کرنے کے لیے بھی شرط عمل صالح کی ہے۔

○ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓـئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا (سورۃ فرقان آیت ۷۰)

(اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے)۔

''اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اخلاص سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اور نیکی پر رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو بھی نیکیوں میں بدل دیتے ہیں''[6]

''حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اُوپر اس کی برائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ نا امید سا ہونے لگے گا اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی، اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا۔ تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بہت سے لوگ اللہ کے سامنے آئیں گیں جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ

ہوں گے آپ نے فرمایا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا‘‘۔[1]

’’آگے بیان ہے کہ ایسے سخت مجرم جن کا عذاب یہاں مذکور ہوا ہے اگر وہ توبہ کرلیں اور ایمان لاکر صالح عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سیئات کو حسنات سے یعنی برائیوں کو بھلائیوں سے تبدیل کردیں گے، مطلب یہ ہے کہ اس توبہ کے بعد ان کے اعمال نامہ میں حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی کیونکہ شرک و کفر سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالتِ شرک کفر جتنے گناہ کیے ہوں اسلام و ایمان قبول کرلینے سے وہ پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس لیے پچھلے زمانے میں جو ان کا نامہ اعمال سیئات اور معاصی ہی سے لبریز تھا اب ایمان لانے سے وہ تو سب معاف ہوگئے۔ آگے ان معاصی اور سیئات کی جب کہ ایمان اور اس کے بعد کے اعمال صالحہ نے لے لی۔ سیئات کو حسنات میں تبدیل کرنے کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس حسن بصری، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہ آئمہ تفسیر سے منقول ہے‘‘۔(مظہری)[3]

یعنی جو انسان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے پھر گناہوں میں ملوث رہے مگر بالاخر سچی توبہ کرکے اب صالح عمل کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہیں کہ نہ صرف اس کی توبہ قبول کریں گے بلکہ عمل صالح پر قائم رہنے کی وجہ سے اس کے ماضی کے سیئات کو بھی نیکی میں تبدیل کردیں گے۔(سبحان اللہ)

O فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ (سورۃ الروم آیت ۱۵)

(جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایک باغ میں شاداں و فرحاں رکھے جائیں گے)۔

’’اصل میں لفظ یُحبرون استعمال ہوا ہے جس کے مفہوم میں مسرت لذت شان و شوکت اور تکریم کے تصورات شامل ہیں، یعنی وہاں بڑی عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے، خوش و خرم رہیں گے اور ہر طرح کی لذتوں سے شادکام ہوں گے‘‘۔ [8]

یعنی جنت کی آسائشوں اور لذتوں کو حاصل کرنے کے لیے بھی صالح عمل کی شرط لگی ہوئی ہے،

O وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا

يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(سورۃ النور آیت ۵۵)

(اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں)۔

''**آیت مذکورہ سے خلفا راشدین کی خلافت اور مقبولیت عنداللہ کا ثبوت:** یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل بھی ہے کیونکہ جو پیش گوئی اس آیت میں فرمائی گئی تھی وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی، اسی طرح یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق و صحیح اور مقبول عنداللہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی امت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہیں حضرات میں سب سے زیادہ کامل و مکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا پورا انہیں کے عہد میں پورا ہوا۔ ان کے بعد نہ ایمان و عمل کا وہ درجہ قائم رہا نہ خلافت و حکومت کا وہ وقار کبھی قائم ہوا۔''[3]

یعنی عمل صالح کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ خلافت عطا فرماتے ہیں، اگر حکام عمل صالح کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اس پر عمل نہیں کرتے تو ان کی حکومت کا دور غلبہ قائم نہیں رہ سکتا، اور انکی حکومت میں امن اور دین کا نفاذ ناممکن ہے۔

○ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۠ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ السجدہ آیت ۱۹)

(جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے لیے تو جنتوں کی قیام گاہیں ہیں، ضیافت کے طور پر اُن کے اعمال کے بدلے میں)۔

یعنی صالح اعمال پہ قائم رہنے کی وجہ سے ان کو جنت الماویٰ ملے گی جو ان کی سیر گاہیں ہی نہیں بلکہ

مستقل رہنے کی قیام گاہیں ہوں گی۔

اس کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے کی وجہ سے بھی عمل صالح کی تلقین فرمارہے ہیں۔

O وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۳۱)

(اور تم میں سے جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے)۔

''گناہ پر دوہرے عذاب اور نیکی پر دوہرے اجر کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ انسانی معاشرے میں کسی بلند مرتبے پر سرفراز فرماتا ہے وہ بالعموم لوگوں کے رہنما بن جاتے ہیں۔ اور بندگان خدا کی بڑی تعداد بھلائی اور برائی میں انہی کی پیروی کرتی ہے، ان کی برائی کی انتہا انہی کی برائی نہیں ہوتی بلکہ ایک قوم کے بگاڑ کی موجب بھی ہوتی ہے اور ان کی بھلائی صرف انہی کی انفرادی بھلائی نہیں ہوتی بلکہ بہت سے انسانوں کی فلاح کا سبب بھی بنتی ہے۔ اس لیے جب وہ برے کام کرتے ہیں تو اپنے بگاڑ کے ساتھ دوسروں کے بگاڑ کی بھی سزا پاتے ہیں، اور جب وہ نیک کام کرتے ہیں تو انہیں اپنی نیکی کے ساتھ اس بات کی جزا بھی ملتی ہے کہ انہوں نے دوسروں کو بھلائی کی راہ دکھائی۔

اس آیت سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ جہاں جتنی زیادہ حرمت ہوگی اور جس قدر زیادہ امانت کی توقع ہو گی، وہاں اسی قدر زیادہ ہتک حرمت اور ارتکاب خیانت کا جرم شدید ہوگا اور اسی قدر زیادہ اس کا عذاب ہوگا۔ مثلاً مسجد میں شراب پینا اپنے گھر میں شراب پینے سے شدید تر جرم ہے اور اس کی سزا زیادہ سخت ہے، محرمات سے زنا کرنا غیر عورت سے زنا کی بہ نسبت اشد ہے اور اس پر زیادہ سخت عذاب ہوگا۔'' [8]

O وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (سورۃ سبا آیت ۳۷)

(یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو ہاں مگر جو ایمان لائے

اور نیک عمل کرے یہی لوگ ہیں جن کے لیے اُن کے عمل کی دہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے)۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا، وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ (الایہ) ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ہمارا مقرب بنانے والے نہیں ہیں جو کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میرے پاس مال و اولاد ہے اس لیے اللہ کا مقرب ہوں اور اپنے اعمال کو نہیں دیکھتا وہ شخص احمق ہے اور گمراہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مقرب ہے جو ایمان لایا اور اعمال صالحہ کرتا رہا۔

جو مومن بندے ہوں گے اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ میں بھی لگے ہوں گے ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بڑھ چڑھ کر بدلہ دیا جائے گا جس میں نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہوگا اور یہ حضرات جنت کے بالا خانوں میں امن وچین کے ساتھ رہیں گے"۔[6]

- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۟ (سورۃ حم السجدہ آیت ۸)

(رہے وہ لوگ جنہوں نے مان لیا اور نیک اعمال کیے، اُن کے لیے یقیناً ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے)۔

- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۟

(سورۃ الکہف آیت ۳۰)

(رہے وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں، تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے)۔
یعنی عمل صالح کرنے والوں کے اجر محفوظ رہیں گے اور ضائع نہ ہوں گے۔

- رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا (سورۃ الطلاق آیت ۱۱)

(ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کی صاف صاف ہدایت دینے والی آیات سناتا ہے تاکہ ایمان لانے

والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق رکھا ہے)۔

O مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ النحل آیت ۹۷)

(جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے)۔

''**اھل ایمان کا انعام**۔۔اس کے بعد اہل ایمان کا انعام بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس مضمون کو ''قد احسن اللہ لہ رزقا'' پر ختم فرمایا، یعنی جو بندہ مومن ہو اور اعمال صالحہ انجام دیتا رہا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ اچھا رزق تیار فرماتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔ تو اپنا رزق لے لے گا یہ رزق بے مثال اور دائمی ہوگا''۔ [6]

ہر مقام پر اعمالِ صالح کی شرط واضح ہے۔

O اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ (سورۃ البینہ آیت ۷)

(جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے عمل صالح کرنے والوں کو بہترین مخلوق قرار دیا ہے جو جنت کے مستحق ہوں گے۔

O مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ (سورۃ فاطر آیت ۱۰)

(جو کوئی عزت چاہتا ہو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے اُس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے، اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے رہے وہ لوگ جو بیہودہ

چال بازیاں کرتے ہیں، اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر خود ہی غارت ہونے والا ہے)۔

''کلمہ طیب اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں مگر ان کے چڑھانے کا ذریعہ عمل صالح ہوتا ہے۔ جمہور، آئمہ تفسیر ابن عباس، حسن بصری، ابن جبیرہ، مجاہد ضحاک، شہر بن جوشب وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھانے سے مراد اللہ کے نزدیک مقبول ہوتا ہے، اس لیے خلاصہ اس جملے کا یہ ہوگا کہ کلمہ طیب خواہ کلمہ توحید ہو یا دوسرے اذکار تسبیح وتحمید وغیرہ ان میں سے کوئی چیز بغیر عمل صالح کے عنداللہ مقبول نہیں ہوتی۔ اس میں عمل صالح کا اہم جز تصدیق قلبی ہے یعنی دل سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کی توحید پر ایمان لانا یہ تو مطلقاً قبولیت اعمال کی شرط لازم ہے، اس کے بغیر کلمہ لا الہ الا اللہ مقبول ہے نہ کوئی دوسرا ذکر۔ اور جو تصدیق وایمان تو رکھتا ہے مگر دوسرے اعمال صالح نہیں کرتا یا ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا ذکر اللہ اور کلمہ توحید بالکل ضائع تو نہں ہوگا، صرف اتنا کام دے گا کہ ہمیشہ کے عذاب سے اس کو نجات مل جائے گی، مگر مکمل قبولیت اس کو حاصل نہیں ہوگی، جس کا یہ اثر ہوگا کہ بقدر اپنے ترکِ عمل کے اور کوتاہی کے عذاب بھگتے گا۔

- **ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول وعمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول وعمل اور نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا۔ (قرطبی)**

اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے اگر قول بھی عمل بھی اور نیت بھی، یہ سب درست بھی ہوں مگر طریقہ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت نامہ حاصل نہیں ہوگی''۔[6]

اس آیت میں کتنی شدید شرائط ہیں جو تفسیر میں بیان کی گئیں ہیں، یعنی کوئی بھی کلمہ طیبہ (اچھی اور نیک بات) اللہ تعالیٰ کے حضور مقبولیت کے مقام پر نہیں پہنچتی جب تک کہ عمل صالح کی پابندی نہ ہو۔ یہ عمل صالح ہی اس کو اللہ تعالی کے بارگاہ تک چڑھاتا ہے۔ اور پھر مزید شرط یہ بھی ہے کہ ہر قول، فعل اور عمل صحیح نیت، سنت کے مطابق اور اخلاص کے ساتھ ادا کیا جائے تو وہی قبولیت کے درجے تک پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل صالح کی توفیق دے تاکہ قولاً، فعلاً عملاً وحالاً ہماری ساری نیکیاں ضائع ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور قبول ہوجائیں (امین)

○ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ

(سورۃ القصص آیت ۶۷)

(البتہ جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے وہی یہ توقع کرسکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا)۔

یعنی فلاح پانے والے وہی لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں اور عمل صالح کرتے رہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ الرعد میں خوش خبری دی ہے، ان لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد عمل صالح کرتے ہیں ان کے لیے آخرت اور دنیا میں سکون اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ (سورۃ الرعد، آیت ۲۹)

(پھر جن لوگوں نے دعوت حق کو مانا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لیے اچھا انجام ہے)۔

''اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو خوشخبری دی، اور فرمایا طُوْبٰى لَهُمْ (ان کے لیے خوشحالی ہے اور عمدہ زندگی ہے) احسن ماب (اور اچھا انجام ہے) دنیا میں بھی ان کو حیات طیبہ اور سکون و آرام کی زندگی حاصل ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے اچھا ٹھکانہ ہے''۔ [6]

مستند احادیث مبارکہ میں بھی عمل صالح کرنے کی اہمیت بیان کی گئیں ہیں جیسے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے عمل کراتا ہے''، عرض کیا گیا، اللہ کے رسول، کیسے عمل کراتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ''موت سے پہلے اسے عمل صالح کی توفیق دیتا ہے''۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عادۃً رب العالمین بھلائی کا ارادہ اپنے ان ہی بندوں کے ساتھ فرماتے ہیں اور عمل صالح اور ہدایت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جو اپنے کسب و اختیار سے اس راہ پر چلنا چاہے جس کے دل میں آخرت کا خوف ہو اور اپنے اعمال کی درستگی کی فکر ہو، اور ہر مکان و حال میں یہ سوچ غالب رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر لمحہ ساتھ ہیں اور اس کو سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں، اور وہ ان میں سے نہ ہو جائے جن کی حالت یوں ہے،

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ جنت اتنی عظیم الشان آسائشوں نعمتوں اور انعامات کی جگہ ہے اور آخرت کی فلاح اتنی بڑی کامیابی ہے کہ کسی کو بھی وہ فقط اپنے صالح اعمال کے عوض نہیں مل سکتی۔ کوئی بھی انسان جتنا کامل ایمان رکھتا ہو یا مکمل تقویٰ اختیار کر کے صرف عمل صالح ہی کرتا رہا ہو، وہ بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو کر اپنا فضل و رحمت اس کے اعمال میں نہ ملا دیں۔ یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف اضافی فضل (Grace Marks) کی نعمت اس کو نہ ڈھانپ لے۔ اس ہی بات کی تصدیق ایک مندرجہ ذیل حدیث میں کی گئی ہے۔

▭ محمد بن عبداللہ بن عمیر نے ہمیں حدیث بیان کی، کہا ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی کہا ہمیں اعمش نے اور صالح سے حدیث بیان کی انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ عمل کے اعلیٰ ترین معیار کے قریب تر رہنے کی کوشش کرو، صحیح راستہ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بھی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے، (حدیث صحیح مسلم رقم ۷۱۱۷)

یعنی یہ بھی یاد رہے کہ فقط ایمان لانا، سچی توبہ کرلینا او اس کے بعد اعمال صالح کرتے رہنے کے باوجود دخول جنت کسی کے لیے ممکن نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو۔

اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی پوری استطاعت اور استعدات کے مطابق اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور خوف و رجا کی کیفیت اختیار کریں کیونکہ ہمارا کام آخرت کے نتیجے سے قطع نظر رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنا ہے اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے بہت سے بداعمالیوں کی وجہ سے ہمارے صالح اعمال بھی حبط ہو جاتے ہیں اور منفی نتائج (Nagative Marking) کے ساتھ وہ ہمارے نامہ اعمال میں درج ہو کر آخرت میں ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ مثال:

- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے کوئی کتا پالا نہ تو پالنے والے کا مقصد کھیت کی حفاظت ہے اور نہ مویشیوں کی تو روزانہ اس کے نیک عمل میں سے ایک قیراط ثواب کی کمی ہوجاتی ہے۔سائب نے پوچھا کیا تم نے خود یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، انہوں نے کہا، ہاں اس قبلہ کے رب کی قسم اس نے خود اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔(صحیح بخاری ۳۳۲۵)
- جیسا کہ سورۃ فاطر میں آیت ۱۰ کی تفسیر میں اوپر بیان ہوا ہے اعمال کی قبولیت کی ایک شرط درست نیت پر موقوف ہے، اگر نیت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا نہیں ہے اور عمل میں اخلاص کے بجائے ریا کاری یا کسی پر (پہلے یا بعد میں) احسان یا دھونس جمانے کی نیت ہے تو ایسے سارے اعمال اکارت ہوجائیں گے۔
- میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ اعمالِ نیت پر موقوف ہیں، بس جس کا مقصد ہجرت سے دنیا کمانا ہو وہ اپنے اس مقصد کو حاصل کرسکے گا، یا مقصد ہجرت سے کسی عورت سے شادی کرنا ہو تو وہ بھی اپنے مقصد تک پہنچ سکے گا۔لیکن جس کا ہجرت سے مقصد، اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی ہوگی تو اسی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے سمجھی جائے گی۔(صحیح بخاری رقم ۳۸۹۸)

صالح عمل کرنے کے جذبے کو جو فکر متحرک کرسکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان ہر ساعت، ہر گھڑی اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو اپنے قرب میں محسوس کرے کہ وہ ذات ہر دم ہمارے ہر عمل سے آگاہ ہے،

○ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ (سورۃ حدید، آیت ۴)

(وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا اُس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو جو کام بھی کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے)۔

''یعنی کسی جگہ بھی تم اس کے علم، اس کی قدرت، اس کی فرمانروائی اور اس کی تدبیر و انتظام سے باہر نہیں ہو، زمین میں، ہوا میں، پانی میں، یا کسی گوشہ تنہائی میں، جہاں بھی تم ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو، وہاں

تمہارا زندہ ہونا بجائے خود اس کی علامت ہے کہ اللہ اسی جگہ تمہاری زندگی کا سامان کر رہا ہے، تمہارا دل اگر دھڑک رہا ہے تمہارے پھیپھڑے اگر سانس لے رہے ہیں، تمہاری سماعت اور بینائی اگر کام کر رہی ہے تو یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کے انتظام سے تمہارے جسم کے سب کل پرزے چل رہے ہیں۔ اور اگر کسی جگہ بھی تمہیں موت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بقا کا انتظام ختم کر کے تمہیں واپس بلا لینے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔'' [8]

O اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وَ لَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَ لَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكۡثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ اَيۡنَ مَا كَانُوۡا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ (سورۃ المجادلہ آیت ۷)

(کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو خفیہ بات کرنے والا خواہ اِس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتادے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

خفیہ مشوروں کے متعلق ایک ہدایت:

''خفیہ مشورہ عموماً مخصوص راز دار دوستوں میں ہوتا ہے جن پر یہ اطمینان کیا جاتا ہے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے اس لیے ایسے موقع پر ایسے منصوبے بھی بنائے جاتے ہیں جن میں کسی پر ظلم کرنا ہے کسی کو قتل کرنا ہے کسی کی املاک پر قبضہ کر لینا ہے وغیرہ۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ساری کائنات پر جاری ہے، حاوی ہے تم کہیں کیسا ہی چھپ کر مشورہ کرو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور سمع و بصر کے اعتبار سے تمہارے پاس موجود ہوتا ہے اور تمہاری ہر بات کو دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔ اگر اس میں کوئی گناہ کرو گے تو سزا سے نہ بچو گے۔ اس میں بتلانا تو یہ ہے کہ تم کتنے ہی کم یا زیادہ آدمی مشورہ اور سرگوشی میں شریک ہو حق تعالیٰ ان میں موجود ہوتا ہے، مثال کے طور پر دو عدد بتلا دیئے گئے ہیں تین اور پانچ یعنی اگر تم تین آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چوتھا اللہ تعالیٰ وہاں موجود ہے۔ تین اور پانچ آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چھٹا حق تعالیٰ موجود

ہے، تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جماعت کے لیے اللہ کے نزدیک طاق عدد پسند ہے (مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ) کا یہی حاصل ہے۔" [3]

خاندان یا دوست احباب یا کسی بھی انسان کے خلاف اگر سرگوشی، مکر وفریب کے لیے کی جارہی ہے تو اس کی پوچھ گچھ ہونی ہے۔

O یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ (سورۃ لقمان آیت ۱۶)

((اور لقمان نے کہا تھا کہ) بیٹا، کوئی چیز رائی کے دانہ برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو، اللہ اُسے نکال لائے گا وہ باریک بیں اور باخبر ہے)۔

"قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا۔ حضرت لقمان کی یہ وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں قرآن انہیں بیان فرما رہا ہے تا کہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی، خطا، ظلم چاہے رائی کے دانے برابر بھی ہو، پھر وہ خواہ کتنا ہی پوشیدہ اور ڈھکا چھپا کیوں نہ ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے پیش کرے گا۔ میزان میں سب کو رکھا جائے گا اور بدلہ دیا جائے گا نیک کام پر جزا، بد پر سزا جیسے فرمان ہے **ونضع الموازین القسط الخ**۔ یعنی قیامت کے دن عدل کی ترازو رکھ کر ہر ایک کو بدلہ دیں گے، کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور آیت میں ہے ذرے برابر نیکی اور ذرے برابر برائی ہر ایک دیکھ لے گا خواہ وہ نیکی یا بدی کسی مکان میں محل میں قلعہ میں پتھر کے سوراخ میں آسمان کے کونوں میں زمین کی تہہ میں ہو کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ اسے لا کر پیش کرے گا وہ بڑے باریک علم والا ہے، چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے، اندھیری رات میں چیونٹی جو چل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔

▭ جیسے مسند احمد کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے کسی بے سوراخ کے پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہو تا ہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کچھ ہی عمل ہو، نیک ہو یا بد۔" [1]

O یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورۃ تغابن آیت ۴)

(زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اس کو معلوم ہے، اور وہ دلوں کا حال تک جانتا ہے)۔

(اللہ تعالیٰ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اور ما فی الصدور کو جانتا ہے۔)۔۔ چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان فرمایا، ارشاد فرمایا:

O یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الایة)

(اور وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں)

وَ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ (اور وہ تمہارے سب اقوال اور اعمال اور احوال کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور جنہیں ظاہر کرتے ہو)۔

O وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اور وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے)

یعنی اس کا علم اقوال اور افعال تک ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے بندے جو کچھ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اگرچہ ادنیٰ وسوسہ ہو اسے اس سب کا بھی علم ہے۔ ظاہر ہے ایسی ذات جلیل الصفات پر ایمان لانا اور اس کے احکام پر چلنا لازم ہے اور یہ مراقبہ ضروری ہے کہ ہمارا خالق اور مالک سب کچھ جانتا ہے۔'' [6]

جو کچھ انسان چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہیں مگر جو ظاہر کر رہا ہے اس کی بھی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ جو ظاہر کیا جا رہا ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ ہے اس کے ساتھ ساتھ جو وسوسے اور خیالات انسان کے دل میں آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بھی واقف ہیں، صرف یہ ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف ہمارے حال کے وسوسوں سے آگاہ ہے مگر ہمارے مستقبل کی زندگی کے ہر ایک پل اور لمحوں میں اٹھنے والے خیالات اور وسوسوں کو اللہ تعالیٰ کا علم اس وقت احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم دس سال یا اور زیادہ زندہ رہے تو ان دس سالوں میں ہم کیا کیا سوچ رہے ہوں گے اور کیا کیا وسوسے ہمارے دل میں کب کب جنم لیں گے۔ اگر ہم نے ان برے وسوسوں کو زبان سے ادا کیا یا ان پر عمل کر دیا تو ہمارے نامہ اعمال میں درج ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا علم پوری کائنات کے ایک ایک ذرے کو بیک وقت احاطہ کیے ہوئے وہ جانتے ہیں کہ کون سا ذرہ کہاں پڑا ہے، اس ہی طرح ہمارے ایک ایک خلیہ (Cell) پر اللہ تعالیٰ کی نظر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات و کمالات کے ساتھ اپنی ہر مخلوق کے پاس ہر وقت موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا اپنی

مخلوق پر نظر رکھنا ہی مخلوق کی حیات کی دلیل ہے ورنہ جس لمحہ اللہ تعالیٰ کی توجہ اپنی کسی مخلوق سے ہٹ گئی تو وہ فنا ہوجاتی ہے اور اس کو اس عالم میں موت واقع ہوجاتی ہے۔ **اس کا دیکھنا ہی اس کی مرضی کے کار بند ہوجاتا ہے۔ اور اس میں کوئی وقت کا عنصر درکار نہیں ہوتا،** وہ الطیف الخبیر ہیں وہ البصیر ہیں جیسے کہ قرآن مجید کے بہت سے مقامات میں بھی اور سورۃ ملک میں فرمایا۔

○ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿سورۃ الملک آیت ۱۹﴾

(کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو وہی ہر چیز کا نگہبان ہے)۔

"یعنی ایک ایک پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے خدائے رحمن کی حفاظت میں اڑ رہا ہے، اسی نے ہر پرندے کو وہ ساخت عطا فرمائی جس سے وہ اڑنے کے قابل ہوا، اسی نے ہر پرندے کو اڑنے کا طریقہ سکھایا، اسی نے ہوا کو ان قوانین کا پابند کیا جن کی بدولت ہوا سے زیادہ بھاری جسم رکھنے والی چیزوں کا اس میں اڑنا ممکن ہوا، اور وہی ہر اڑنے والے کو فضا میں تھامے ہوئے ہے، ورنہ جس وقت بھی اللہ اپنی حفاظت اس سے ہٹا لے وہ زمین پر آ رہے۔

یعنی کچھ پرندوں ہی پر موقوف نہیں جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے اللہ کی نگہبانی کی بدولت موجود ہے۔ وہی ہر شے کے لیے وہ اسباب فراہم کر رہا ہے جو اس کے وجود کے لیے درکار ہیں، اور وہی اس بات کی نگرانی کر رہا ہے، کہ اس کی پیدا کردہ مخلوق کو اس کی ضرورت بہم پہنچیں۔" [8]

اللہ تعالی کی تمام صفات اپنے بھرپور قوت حکمت اور طاقت کے ساتھ ہر ایک کے لیے ہر حال اور ہر لمحے میں مستقل فعال ہیں۔ اگر ہم انسان اپنی سوچ میں ہر وقت یہ ذہن نشین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ الخبیر ہیں (وہ سب کچھ جانتے ہیں) البصیر ہیں (وہ سب کو دیکھ رہے ہیں) اور وہ السمیع ہیں (اور سب کچھ سن رہے ہیں) پھر وہ ہر ساعت ہماری شہ رگ سے زیادہ بھی ہمارے قریب ہیں تو ہی پھر ہم ہر گناہ اور سرکشی سے باز رہ سکتے ہیں اور اپنے اعمال صالح کر سکتے ہیں۔

○ وَ مَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ (سورۃ القمر آیت ۵۰)

(اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکاتے وہ عمل میں آجاتا ہے)۔

''پلک جھپکنے کے برابر...... پھر فرمایا وَ مَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا امر یکبارگی ہوجائے گا جیسا کہ آنکھ جھپک جاتی ہے) صاحب روح المعانی نے اس کے مطلب لکھے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جو کچھ کرنا چاہیں وہ محض فعل واحد کی طرح سے ہے ہمیں کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم جو بھی کچھ وجود میں لانا چاہیں اس کے لیے کلمۂ واحد کن ہی کافی ہے۔'' [6]

''وَ مَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (۵۰) 'اور ہمارا امر تو یکبارگی ہوتا ہے، جیسے نگاہ کا لپک جانا' یعنی اللہ تعالیٰ کا امر بیک دفعہ جھپکنے کی طرح پورا ہوتا ہے۔ اللہ کے امر کی یہ وہی شان ہے جو قرآن میں جگہ جگہ ''کُن فَیکون'' کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی وہ جب کسی چیز کو حکم دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ اس کی مشیت کے مطابق اُسی وقت ہوجاتی ہے''۔ [7]

اللہ تعالیٰ چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں۔ وہ ہماری بعض کمزور استعداد اور اعمال واحوال اور نیتوں سے خوب واقف ہیں۔ اس لیے اس کے موافق ہی ہم سے آخرت میں معاملہ کیا جائے گا۔ جو عمل صالح ہم کو اس دنیا یعنی دارالعمل میں کرنا ہے وہ کرلیں کیونکہ وہ دارالجزاء میں نہیں ہوسکتا۔ زندگی کی اس مہلت اور اس کے ایک ایک لمحے کو غنیمت جانیں کیونکہ یہاں کے اعمال کی بنیاد پر ہی درجاتِ جنت یا درکاتِ جہنم نصیب ہونے ہیں۔ یعنی آخرت کی کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پہ ہے۔ وہاں درہم اور دینار تو کوئی کام نہیں آئیں گے، جان بچانے کے لیے صرف اعمال کا ہی لین دین ہوگا، جیسا کہ سورۃ المدثر آیت ۳۸ میں فرمایا:

O كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (سورۃ المدثر آیت ۳۸)

(ہر متنفس، اپنے کسب کے بدلے رہن ہے)

''كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ...... 'جیسے کوئی شخص کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیتا ہے' پھر اسے چھڑا نہیں سکتا۔ جب تک وہ مال ادا نہ کردے جس کے عوض چیز رہن رکھی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ہر شخص کا عمل روکے رکھا جائیگا یعنی حساب کتاب ہوگا اہل کفر اور اہل شرک کا جرم چونکہ سب سے بڑا ہے اس لیے اہل کفر اور اہل شرکِ اپنے اس جرم کی وجہ سے ہمیشہ ہی محبوس رہیں گے۔ انہیں کوئی عمل کوئی سفارش دوزخ سے نہ چھڑا سکے گی، اب رہے وہ لوگ جو مؤمن تو تھے لیکن انہوں نے اعمال صالحہ بھی کیے اور برے اعمال کا

ارتکاب بھی کرلیا تو یہ لوگ نیکیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے اور بہت سے لوگ شفاعتوں سے اور بہت سے لوگ حقوق العباد ادا کر کے اور بہت سے لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و مغفرت کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے۔ جن کی نیکیوں کے اعمال نامے بھاری ہوں گے وہ لوگ نجات پائیں گے اور جن لوگوں پر دوسری کے حقوق تھے وہ حقوق کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے ان کی نیکیاں اصحاب حقوق کو دیدی جائیں گی اگر حقوق ادا کرنے سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان پر اصحاب حقوق کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم کما حدیث القصاص فی المشکوٰۃ ص ۴۳۵)۔''[6]

یہی حقیقت سورۃ طور کی آیت 21 میں مزید خوش خبری کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے۔

○ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ

(سورۃ الطور آیت ۲۱)

(جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے ان کی اُس اولاد کو بھی ہم (جنت میں) اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہ دیں گے ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے)۔

''صالح اولاد انمول اثاثہ: (آیت ۲۱) اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم، اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنوں کی اولادیں بھی ایمان میں اپنے باپ دادوں کی راہ لگ جائیں لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہوں، پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا تا کہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں، ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن و مہربان خدا انہیں اپنے معمور خزانوں میں عطا فرمائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا وہ کہاں ہیں جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے، یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لیے اور ان

کے لیے نیک اعمال کئے تھے چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کی جن اولادوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے وہ تو ان کے ساتھ ملا دی جایں گیں اور ان کے چھوٹے بچے جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ، شعبیؒ، سعید بن جبیرؒ، ابراہیمؒ، قتادہؒ، ابوصالحؒ، ربیع بن انس، ضحاک بن زید رحم اللہ تعالیٰ بھی یہی کہتے ہیں۔'' [1]

انسان کے مرنے کے بعد صرف اس کے اعمال ہی اس کے ساتھ جاتے ہیں یہی بات ایک صحیح مسلم اور ترمذی کی مسند حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی ہے۔

عبداللہ بن ابی بکر نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میت کے پیچھے تین چیزیں ہوتی ہیں ان میں سے دو لوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل اس کے پیچھے ہوتے ہیں، گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔ (حدیث مسلم 7424)

ان تمام اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہے کہ صحیح عقائد اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اعمال الصالح کی ہمارے لیے کتنی سخت شرائط ہیں تا کہ ہم دنیا اور آخرت میں فلاح اور کامیابی حاصل کر سکیں۔

قرآن مجید کے ساتھ ذخیرہ حدیث مبارکہ پر بھی علم ہونا ضروری ہے۔ اس کتابچہ کے آخر میں ایک عدد Table بھی منسلک کی گئی ہے جس میں تقریباً 100 سے زیادہ ان قرآن حکیم کی آیات کا انتخاب ہے جہاں عمل صالح کی تاکید اور اس کے ثمرات بیان کیے گئے ہیں۔ اگر ہم قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کا سمجھ کر مطالعہ کریں تو اور مزید درجنوں مقامات پر اعمال الصالح کی جو اہمیت اور قید بیان کی گئی ہے وہ بھی واضح ہو جائیگی، دراصل اعمال الصالح کی ضد وہ گناہ ہیں جو ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن حکیم اور احادیث سے لاعلمی کی وجہ سے اپنے آباؤ اجداد، خاندان اور معاشرے کی اندھی تقلید ہم کو ہمارے غلط عقائد پر ہٹ دھرمی سے قائم رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات کو قطع برید کر کے ہم اپنے عقائد کی دلیل دیتے رہتے ہیں۔ خاص کر وہ مسلمان جو دنیا کے علم وفنون میں بہت مشغول، مصروف اور معروف ہو جاتے ہیں ان

کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ اپنی سوچ اور اعمال کی درستگی کے لیے اقدام کرسکیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل دین کے غلط عقائد اور مفہوم نکال کر اس پر گامزن رہتے ہیں، اگر کسی ذرائع سے اصلاح کی کوشش بھی کی جائے تو آباؤ اجداد اور خاندان کی عزت کا مسئلہ بنا کر ان کو سخت ناگوار گزرتا ہے۔ کتنا ہی سمجھاؤ پتھر پہ جونک نہیں لگتی۔ اپنے تئیں خود کو شاخ زعفران سمجھ کر دین کا علم خود حاصل کرنے کی فرضیت افضلیت اور فہمیت سے محروم رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلم معاشرہ ایک گناہوں کا دلدل بن جاتا اور ہر فرد (الا ماشا اللہ) اس میں غوطہ زن ہو کر جو بھی حصّہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہے اس کو مکمل دین سمجھ کر زندگی گزار دیتا ہے، کروڑوں نہیں اربوں مسلمان اپنے اپنے عقائد اور دلائل کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے تنبیہاً بیان کیا جاچکا ہے۔ ''آخرت میں دین سے لاعلمی نجات کے لیے کوئی عذر نہ بن سکی گی''۔ خاص کر ان لوگوں کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں صحت، تعلیم، دانائی، زندگی کی مہلت اور تمام دیگر وسائل اور نعمتیں عطا کی ہیں کہ اگر وہ چاہتے تو خود دین کا علم حاصل کرسکتے تھے۔ اگر گناہ گاروں سے پوچھ لیا گیا کہ خود کیوں نہیں پورے قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا؟ کیوں نہیں جہاں تم نے دنیا کے باقی علوم اور زبانوں پر دسترس حاصل کی تھی وقت لگا کر عربی زبان کو سیکھا تاکہ قرآن سمجھ میں آجائے؟ کیوں نہیں قرآن کی تجوید اور قرأت کے اصول سے آگاہی حاصل کی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو صحیح طرح سے پڑھ سکیں؟ کیوں نہیں احادیث مبارکہ کا ذخیرہ کیا تاکہ روزمرہ کی زندگی میں اس سے راہنمائی حاصل کرسکتے؟ اور اپنے عقائد درست اور اعمال صالح کرسکتے اگر یہ سوالات پوچھ لئے گئے تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟ چونکہ ہم دنیا کی زندگی اور یہاں کے معاملات کو آخرت پر ترجیح دیتے رہتے ہیں اس لیے ہماری سوچ ان سوالوں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بعض کبیرہ گناہ کو بھی گناہ ہی نہیں سمجھتی ہے۔

باب-8

کبیرہ گناہ کا تصور اور ہم

یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح ہر مسلمان پر عیاں ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث مبارک کے احکامات قیامت تک کبھی نہ بدل سکتے ہیں نہ ان میں کوئی رعایت دی جاسکتی ہے، غریب، امیر، پڑھا لکھا یا جاہل کوئی بھی مسلمان ہو اس کے زبانی عقیدہ تو یہی ہے کہ کسی بھی دور یا ترقی کرتے ہوئے معاشرے میں حلال وحرام، اوامر ونہی یا نیکی اور بدی کے احکامات کبھی بھی نہیں بدلینگے۔ قرآن حکیم میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا چلا جائے، فلاں فلاں احکامات میں نرمی یا تبدیلی کرتے چلا جانا، گناہوں سے پاک جو معاشرہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے اور پھر بعد میں سیکڑوں سال تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، اور تبع تابعینؒ نے قائم کر کے دکھایا وہی معاشرہ قائم کرنے کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہر مسلمان پر تا قیامت رہے گی۔ اس کے عقیدے اور عمل میں اگر کسی سے کوتاہی ہوئی تو وہ آخرت میں خود جواب دہ ہوگا۔

سمجھنے کی اور اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ عمل کرتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہتے ہیں تو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم ایک عدل و انصاف، عزت وقوت، سکون وراحت اور ظلم اور بدعنوانی خوف اور غم سے پاک ایک ایسا معاشرہ قائم کرسکیں گے جس میں دنیا وآخرت کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مسلسل ظہور ہوگا۔

یہی اللہ تعالیٰ کا دستور ہر قوم کے لیے رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب پہ عمل کروگے تو نوازے جاؤ گے۔

O وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۬ (سورۃ المائدہ آیت ٦٦)

(کاش انہوں نے توراۃ اور انجیل اور اُن دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو اِن کے رب کی طرف سے

اِن کے پاس بھیجی گئی تھیں ایسا کرتے تو اِن کے لیے او پر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا اگر چہ
اِن میں کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بدعمل ہے)۔

''اگر یہ توریت وانجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ توریت وانجیل کا ماننا قرآن کے ماننے کو لازم کردے گا، ان کتابوں کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے۔اس کی اور نبی آخرالزماں ﷺ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں کو بغیر تحریف اور تبدیل اور تاویل کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت دیں گیں۔ جو آنحضرت ﷺ بتاتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ انہیں دنیا کے کئی فائدے دے گا' آسمان سے (رحمت والا) پانی برسائے گا، زمین سے پیداوار اگائے گا، نیچے اوپر کی یعنی زمین و آسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی۔ جیسے اور آیت میں ہے۔وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتیں نازل فرماتے۔اور آیت میں ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے، اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے۔''[1]

ہم اپنی نفسانی خواہشات، دین سے لاعلمی اور معاشرے اور ماحول کی برائیوں کی اکثریت سے مغلوب ہو کر گناہ کبیرہ میں ملوث رہتے ہیں۔ ان گناہوں کی فہرست تو بہت لمبی ہے۔حضرت امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی 600 ہجری کے عظیم محدث، محقق، مؤرخ اور بڑے عالم دین رہے ہیں اور ان کی اکابر دین میں علمی شہرت اور مقبولیت رہی ہے، امام ذہبی اور علامہ ابن نجیم نے تحقیق کر کے تقریباً 102 گناہ کبیرہ کی فہرست مرتب کی ہے اور علامہ ابن نجیم نے بھی گناہ صغیرہ کی نشاندہی کی ہے، جو تقریباً 58 ہیں۔صغیرہ گناہ تو نماز، روزہ، حج اور جمعہ وغیرہ کی عبادات کی درستگی سے معاف ہو جاتے ہیں۔مگر کبیرہ گناہ جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی حق تلفی کی گئی ہو وہ صرف سچی توبہ سے ہی معاف ہوتے ہیں۔ جن گناہوں کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے ان کے معاف کرنے کے لیے سچی توبہ کے ساتھ ساتھ حق کی ادائیگی یا صاحب حق سے معاف کرانا بھی لازم ہے، یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ صغیرہ گناہ پہ اصرار سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور صغیرہ اور کبیرہ گناہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں اور انسانوں کو سزا کا

مستحق بنا دیتے ہیں۔سب سے خطرناک اور پریشان کن بات یہ ہے کہ آج کے دور میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ان کبیرہ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتی۔نہایت حماقت اور شوخ چشمی کے ساتھ اپنے نفس کے دلائل پیش کر کے مسلمان ان گناہوں میں ملوث رہ کر مسلسل اطمینان کی زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ان سیکڑوں گناہوں میں سے صرف چند مثالیں ان لوگوں کی اپنی آفترا پردازیوں کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

شرک و کفر

1.1 **شرک:** دین میں شرک کی دو قسمیں ہیں (1) شرک جلی، یعنی کھلا شرک، کسی مخلوق کی صفات کی خصوصیات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کی خصوصیات میں برابر ٹھہرانا (2) شرک خفی یا شرک اصغر کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش اور راضی کرنے کے لیے شریک کر لینا۔اس کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی 99 صفات جو زیادہ معروف ہیں ان میں اگر ہم ''ال'' لگا دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام بن جاتے ہیں۔جیسے علم سے العلم، قدیر سے القدیر رحیم سے الرحیم وغیرہ وغیرہ......

اللہ تعالیٰ کی صفات کی خصوصیات تین ہیں ہر صفت (1) اس کی ذاتی ہے (2) ازل سے ابد تک ہے اور (3) لامحدود ہے۔اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بھی کچھ صفات عطا کی ہیں۔جیسے علم، قدرت، رحم، حکمت وغیرہ وغیرہ لیکن مخلوق کی تمام صفات کی خصوصیات یہ ہیں کہ (1) وہ عطائی ہیں (2) حادثی ہیں (3) محدود ہیں۔اب اگر کوئی انسان مخلوق کی کسی بھی صفت کی خصوصیات کو اللہ تعالیٰ کی صفت کی خصوصیات کے برابر ہونے کے عقیدے پر عمل کرے تو وہ شرک میں مبتلا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے کہ کسی مشرک کے لیے کوئی معافی نہیں ہے چاہے وہ جتنا متقی، عبادت گزار اور دین دار کیوں نہ ہو۔اس کا ٹھکانہ جہنم ہے الا یہ کہ وہ شرک کی ان دونوں اقسام سے سچی توبہ کر کے اس عقیدے اور گناہ کو ہمیشہ کیلیے چھوڑ دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف و ثناء کریں گے۔رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے، جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (حدیث قرطبی)

ناقص دلائل: جو مسلمان دوسرے انسانوں اور مخلوق کو دعاؤں کے قبولیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور حتیٰ کہ گزرے ہوئے اولیاء اللہ اور بزرگوں سے اپنی حاجات مانگتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کی مزاروں پر پھول چادر اور نذرانے چڑھا کر ان کو خوش کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کو چونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے اس لیے یہ ہماری حاجات پوری کرا دیں گے اور آخرت میں بھی ہم کو شفاعت سے نوازیں گیں اور اس طرح ہماری نجات ہو جائیگی۔ اس ہی سوچ کے ساتھ بعض علماء دین کو بھی خوش کیا جاتا ہے اور ان کو بھی نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ انسانوں کا خالق ہے اور وہ ہماری فطرت سے بخوبی واقف ہے اس لیے سورۃ زمر کی آیت 3 میں اس شرکیہ عقیدے کی سخت ترین مذمت کی گئی ہے۔

O اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فِیْ مَا ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ (سورۃ الزمر آیت ۳)

(خبردار، دین خالص اللہ کا حق ہے رہے وہ لوگ جنہوں نے اُس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے اِس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں، اللہ یقیناً اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو)۔

''اس کے بعد مشرکین کی ایک بڑی گمراہی اور انکے جھوٹے دعوے کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں یعنی شرکاء تجویز کر رکھے ہیں وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ یعنی ہماری عبادات کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں گے یا ہماری حاجت روائی کے لیے سفارش کر دیں گے۔ بات یہ ہے کہ شیطان بڑا چالاک ہے گمراہ کرنے میں ماہر ہے اس سلسلہ کے داؤ پیچ خوب جانتا ہے جب لوگوں کو شرک پر ڈالا اور حضرات انبیاء

کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے داعیوں نے توحید کی طرف بلایا اور شرک کی برائی بیان کی تو مشرکین کی سمجھ میں کچھ بات آنے لگی لہٰذا شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھادی کہ تمہارا یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا توحید کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ توحید ہی کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ جب تک کوئی واسطہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی تک تم کہاں پہنچ سکتے ہو اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو یہ تو وسائط ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کردیں گے، لہٰذا یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہوئی اور اس کی ذات عالی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوا۔ دیکھو دنیا میں چھوٹے موٹے وزیروں سے کام لینا ہو تو سفارش کی ضرورت پڑتی ہے جب بلا واسطہ مخلوق تک بات نہیں پہنچ سکتی تو خالق تعالیٰ کی ذات عالی تک بلا واسطہ تمہاری پہنچ کیسے ہوسکتی ہے۔ شیطان کی یہ بات مشرکین کے دلوں میں اُتر گئی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شرک کو چھوڑو اللہ کی عبادت کرو تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچادیں گے۔ جو قومیں فرشتوں کو، جنات کو بتوں کو پوجتی ہیں اور ان کے علاوہ جو قبر پرست ہیں، یہی بات کہتے ہیں کہ ہم جو ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں ان کی نیازیں مانتے ہیں یہ کوئی توحید کے خلاف نہیں یہ قبر والے اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں شفارش کرکے ہمیں بخشوادیں گے، انہیں شرک بھاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے والا ہے اور توحید کی بات بری لگتی ہے ۔اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ۔ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ (کہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا) دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی حق اور باطل کا فیصلہ فرمادیا ہے قیامت کے روز عملی طور پر فیصلہ فرمادے گا کہ اہل حق کو جنت میں اور کفر و شرک والوں کو دوزخ میں بھیج دے گا''۔ [6]

اس کے علاوہ اور متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنی حاجات کے لیے صرف مجھ کو پکارو یعنی یہ عقیدہ ہرگز نہ رکھو کے میرے علاوہ کوئی بھی مخلوق تمہاری حاجت روا بن سکتی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 186 میں بھی یہی حکم ہے۔

O وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۶)

(اور اے نبی ﷺ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو اُنہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم اُنہیں سنادو، شاید کہ وہ راہ راست پالیں)۔

''یعنی اگر چہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دور ہوں۔ نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے، مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے، حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اسے بھی سن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں، فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنا نادانی سے الٰہ اور رب قرار دے رکھا ہے، ان کے پاس تو تمہیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے پایاں کا فرماں روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں، اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بتائی ہوئی زندگی و اطاعت میں آجاؤ۔''[8]

اس ہی وجہ سے انبیاء کرام یا کسی رسول سے بھی دعائیں مانگنا یا معافی اور شفاعت کی درخواست کرنا بھی شرک ہے۔ نعتوں اور قوالیوں میں شرکیہ الفاظ کہنا اور سننا دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ شرک کی سخت ترین مذمت پر سیکڑوں مستند احادیث موجود ہیں:

رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ شرکِ اصغر کا خطرہ ہے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شرکِ اصغر کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ریا'' (یعنی کوئی کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا)۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تمہارے لیے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین ناپسند کرتا ہے، وہ جو تمہارے لیے پسند کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو اور وہ تمہارے لیے قیل وقال (فضول باتوں) کثرتِ سوال اور مال

ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔(صحیح مسلم،حدیث نمبر 4481)

(1.2) کفر: عربی زبان بہت وسیع المعنی زبان ہے۔عربی لغت میں کسی لفظ کے معنی اس کے جملے میں استعمال کے مقام کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد آیات میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے لغوی معنی مختلف نکلتے ہیں۔مثال کے طور پر اس کے چند معنی پیش کیے جاتے ہیں۔جیسے کفران نعمت کرنا۔یعنی ناشکری کرنا۔

O قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَہٗ قَالَ ہٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۟ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ ؕ وَ مَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾ (سورۃ النمل آیت ۴۰)

(جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا "میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں" جونہی کہ سلیمانؑ نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا، وہ پکار اٹھا "یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے، ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے")۔

کفر کا لفظ انکار دین کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے جیسے

O وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا۔O (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۹)

(ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر انکار ہی پر جمے رہے)

سب سے بڑا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت یا نبوت کا انکار کرنا ہے۔کبھی کفر کا لفظ اس شخص کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کی نافرمانی کرتا ہے اور فاسق ہو جاتا ہے۔

O وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی

الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

(سورۃ النور آیت ۵۵)

(اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں)۔

کفار کا لفظ بعض دفعہ کسان کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

جیسے سورۃ الحدید آیت 20 میں

O اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔

(سورۃ الحدید آیت ۲۰)

(خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری آرائش اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے اِس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے دنیا کی زندگی ایک دھوکے دہی کے سوا کچھ نہیں)۔

چونکہ کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے اس لیے کفر کے معنی حق کو چھپانے کے بھی ہیں کہ حق کا انکار کرتے ہوئے گناہوں میں ملوث رہنا۔ اس ہی طرح رات کو بھی کافر کہا جاتا ہے کہ تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ کبھی گناہوں کو دور کرنے یا مٹانے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

O فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ (سورۃ العمران آیت ۱۹۵)

(جواب میں ان کے رب نے فرمایا، ''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے اُن کے سب قصور میں معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اُن کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے'')۔

کفر کا اطلاق جن عقائد اور اعمال پر ہوتا ہے وہ مختصراً حسب ذیل بیان کیے جا سکتے ہیں:

1.2.1 اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی آیات (جیسے کہ 47 سے 61 بیان کی گئی ہیں) میں کسی ایک کا بھی انکار کرنا یا انکا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کرنا کفر ہے۔

1.2.2 تمام غیب کی حقیقتوں پر قولاً اور عملاً دل سے ایمان نہ لانا (جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات، فرشتے، آخرت، تمام رسول و انبیاء اور ان کی کتابیں، جنت، دوزخ، برزخ، قیامت، موت کے بعد زندہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا، نامہ اعمال، سزا و جزا، تقدیر وغیرہ، وغیرہ) ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا یا شک کیا تو وہ کفر کا مرتکب ہوگا۔

1.2.3 اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ان کی سنتیں اور شریعت کا انکار کرنا کفر ہے۔

1.2.4 فرائض دین کا انکار کرنا یا ان کے عمل کرنے میں سستی یا کاہلی کرنا یا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کے مطابق ادا نہ کرنا کفر ہے۔ فرائض دین (جیسے نماز، روزہ، زکات یا حج وغیرہ) کے بارے میں تو یہاں تک ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایک فرض کے بارے میں یہ کہنے لگے کہ یہ فرض نہیں ہے تو وہ شریعت کے مطابق واجب القتل ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ دین کو خراب یا تبدیل کرنے کے لیے کوئی فتنہ اگر سر اٹھائے تو اس کو فوراً کچل دو۔

1.2.5 اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کا انکار کرنا یا ان پر عمل نہ کرنا بھی کفر ہے۔ قرآن حکیم کی بے شمار آیات اور حدیث مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی انسان خاص کر مسلمان اگر ان پانچوں اقسام میں کسی ایک قسم کے کفر میں مبتلا ہے تو وہ سخت گناہ گار اور سزا کا مستحق ہے اور اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔

2-سود (رباء):۔

سود میں کسی طور بھی ملوث ہونا گناہ کبیرہ اور کفر ہے، یعنی سود کو حلال اور جائز سمجھنا کفر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ترین غصے اور غضب کو دعوت دینا ہے کہ اگر کوئی انسان اس گناہ میں ملوث ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

O اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵)

(مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں، اُن کا حال اُس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا

ہواوراس حالت میں اُن کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ”تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے“، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے، تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اِس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا)۔

''امام ابو یعلی نے حضرت الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سلسلہ سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے کہ سود کھانے والے لوگ قیامت کے دن پہچانے جائیں گے، وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر مخبوط الحواس انسان کی طرح جس کا گلہ دبایا گیا ہے۔ انہون نے بیع کو سود کی مثل کہہ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ جو سود کھانے کی طرف لوٹے گیں وہ لوگ دوزخی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو باقی رہا چھوڑ دو!

امام ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور ربا کا ذکر کیا اور اس کی ہر قباحت بیان فرمائی، فرمایا ایک شخص جو ایک درہم سود کا حاصل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھتیس مرتبہ انسان کے زنا سے بھی بڑا گناہ ہے اور سب سے بڑھ کر سود کسی مسلمان کی عزت بگاڑنا ہے۔

امام عبدالرزاق ، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ربا (سود) بہتر (72) گناہ کے برابر ہے اور سب سے چھوٹا گناہ ہے جیسے کوئی شخص اسلام میں اپنی ماں سے بدکاری کرے''۔ [4]

O يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۹۔۲۷۸)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو،

اگر واقعی تم ایمان لائے ہو(278)لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اب بھی توبہ کرلو(اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے)۔

''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ان پر یہ آیت پیش کرو، اگر وہ تسلیم کرلیں تو انہیں اپنا راس المال ملے گا۔ اگر وہ انکار کریں تو انہیں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ سے آگاہ کرو۔

امام ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں (فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ) جو سود لینے پر راضی ہو اور اس سے نہ رکے تو مسلمانوں کے امام پر واجب ہے کہ وہ اس کو توبہ کرائے۔ اگر وہ سود سے رک جائے تو فبہا ورنہ اس کی گردن اڑا دے۔ لَا تَظْلِمُوْنَ، نہ تم سود لوگے۔ وَلَا تُظْلَمُوْنَ نہ تمہارے راس المال کم کئے جائیں گے''۔

امام عبدالرزاق اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس افراد پر لعنت فرمائی۔ (1) سود کھانے والا (2) سود کھلانے والا (3) سود کا گواہ بننے والا (4) سود لکھنے والا (5) گودنے والی پر (6) گدوانے والی پر (اس سے مراد یہ ہے کہ جسم میں سوئی سے چھید لگا کر اس میں سبزہ یا نیل بھر دینا) (7) صدقہ نہ دینے والے پر (8) حلالہ کرنے والے پر (9) حلالہ کروانے والے پر (10) جس کے لیے حلال کیا گیا''۔ [4]

○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ العمران آیت ۱۳۰)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے)

''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی لین دین سے اور سود خوری سے روک رہا ہے، اہل جاہلیت سودی قرضہ دیتے تھے، مدت مقرر رہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو مدت بڑھا کر سود بڑھا دیا کرتے تھے۔ اس طرح سود در سود ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی، اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو اس طرح ناحق لوگون کے

مال غصب کرنے سے روک رہا ہے اور تقویٰ کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے"۔ [1]

O وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

(سورۃ الروم آیت ۳۹)

(جو سُود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں)۔

"قرآن مجید میں یہ پہلی آیت ہے جو سود کی مذمت میں نازل ہوئی۔ اس میں صرف اتنی بات فرمائی گئی ہے کہ تم لوگ تو سود یہ سمجھتے ہوئے دیتے ہو کہ جس کو ہم یہ زائد مال دے رہے ہیں اس کی دولت بڑھے گی، لیکن درحقیقت اللہ کے نزدیک سود سے دولت کی افزائش نہیں ہوتی بلکہ زکوۃ سے ہوتی ہے۔ آگے چل کر جب مدینہ طیبہ میں سود کی حرمت کا حکم نازل کیا گیا تو اس پر مزید یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ **يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ** (سورۃ البقرۃ، آیت 276) "اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے" (بعد کے احکام کے لیے ملاحظہ ہو آل عمران، آیت 130، البقرہ۔ آیات 275 تا 281۔ سورہ روم کا نزول جس زمانے میں ہوا ہے اس وقت قرآن مجید میں سود کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ یہ اعلان اسکے کئی برس بعد ہوا ہے۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو بعد میں کسی وقت حرام کرنا ہوتا ہے، اس کے لیے وہ پہلے ذہنوں کو تیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ شراب کے معاملے میں بھی پہلے صرف اتنی بات فرمائی گئی تھی کہ وہ پاکیزہ رزق نہیں ہے۔ (النحل، آیت 67) پھر فرمایا کہ اس کا گناہ اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔ (البقرہ 219) پھر حکم دیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ (النساء 43) پھر اس کی قطعی حرمت کا فیصلہ (سورۃ المائدہ آیت 90 میں) کر دیا گیا۔ اسی طرح یہاں سود کے متعلق صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ وہ چیز نہیں ہے جس سے دولت کی افزائش ہوتی ہو، بلکہ حقیقی افزائش زکوۃ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد سود در سود کو منع کیا گیا (آل عمران، آیت 130) اور سب سے آخر میں بجائے خود سود ہی کی قطعی حرمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ (البقرہ،

آیت 278)''[8]

اس موضوع پر چند احادیث مبارکہ کا مفہوم بھی سخت وعید کی دلالت کرتا ہے۔

- فضیل کے بیٹے م(محمد) نے ہمیں اپنے والد سے حدیث بیان کی، انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ کھجور کے عوض کھجور، گندم کے عوض گندم جو کے عوض جو اور نمک کے عوض نمک) کی بیع (مثل بمثل) ایک جیسی (دست بدست ہو، جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سود کا) لین دین کیا، (الا یہ کہ ان کی اجناس الگ الگ ہوں)۔ (حدیث المسلم 4066)
- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔ (حدیث المسلم 4093)
- سیدنا سمر بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں نے ایک آدمی دیکھا، وہ ایک نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر پھینکے جا رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے۔ مجھے کہا گیا کہ یہ سود خور ہے۔ (حدیث: مسند احمد 5962)

ان قرآن حکیم کی آیات اور احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ سود (رباء) کس قدر سنگین گناہ ہے اسکی لعنت کی وجہ سے معاشرے میں ایک طبقہ امیر ترین ہوتا جاتا ہے اور دوسرا غربت اور مفلسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ امیر ترین طبقہ عیاشی اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور غریب طبقہ جرائم کا سہارا لیتا ہے یا پھر ظلم و ستم اور افلاس و بھوک کا شکار رہتا ہے۔ دونوں ہی طبقات دین کے احکامات کے علم اور ان پر عمل کرنے سے غافل رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک کثیر تعداد عمل صالح کرنے سے معذور ہوتی چلی جاتی ہے۔ سودی معاشرہ جتنا بھی ترقی کرتا نظر آئے دراصل معیشت کی تباہی اور آخرت کی بربادی کا ضامن ہوتا ہے۔ بہت سے ممالک خاص طور سے مسلم ممالکوں میں ''سود سے پاک بینکاری کا نظام'' متعارف کرا دیا گیا۔ اس نظام کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ یہ سود سے قطعی پاک نہیں ہے۔ چند علماء جنہوں نے اس کو تجرباتی طور پر متعارف کیا تھا ان کے علاوہ دوسرے تمام بڑے جید علماء نے اس نظام کو رد کرتے ہوئے اسے حرام قرار دیا ہے۔ مگر اس گمراہ کن نظام کو

جواز بنا کر تقریباً ہر ایک بینک نے سود سے پاک بینکاری کی شاخ کھول دی ہے اور خوب منافع کمایا جا رہا ہے۔ صرف بینک ہی نہیں بلکہ اور سارے ادارے جو سود کا لین دین کر رہے ہیں وہ مال بٹورنے میں لگے ہی ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر مختلف بچت کے Certificate، کریڈٹ کارڈس، Defence Certificate، بچت کے مختلف اکاؤنٹ اور اسکیمیں وغیرہ وغیرہ، نتیجہ یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں ہر ضرورت کی چیز آسان قسطوں پر سود کی ادائیگی کی ساتھ دستیاب ہے۔ گھر، گاڑی، فرنیچر اور دیگر اشیاء سب سود (Intrest) ادا کرنے کی شرط کے ساتھ خرید سکتے ہیں۔ ہمارے بہت سے مسلمان اس کو ایک بڑی سہولت سمجھ کر اس گناہ میں مسلسل ملوث رہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ سودی نظام یا لین دین نہ تو گناہ ہے نہ ترقی کے لیے اس سے بچنا ممکن ہے۔ حالانکہ ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ایسی بھی ہے جو خوف خدا رکھتی ہے اور اپنے آپ کو اس سودی لین دین سے محفوظ رکھتی ہے۔ تصور کریں کہ کوئی شخص منافع حاصل کرنے کی غرض سے کسی بینک یا مالی ادارے میں رقم رکھتا ہے یا کوئی اس کا حصہ دار (Share Holder) بن کر ہر ماہ یا ہر سال منافع کماتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس شخص نے پوری تحقیق کر کے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ وہ بینک یا مالی ادارہ جو بھی کاروبار کر کے مال کما رہا ہے وہ کاروبار سو فیصد حلال ذرائع سے کیا جا رہا ہے؟ اس میں کسی مرحلے میں کوئی رشوت کی لین دین نہیں ہے۔ Tax وغیرہ کی چوری یا کوئی اور غیر قانونی عمل یا بدعنوانی شامل تو نہیں ہے؟ عموماً یہ بینک یا مالی ادارے اربوں کا قرضہ صنعتی اور رہائشی قسم کے منصوبوں کو دیتے ہیں اور اس پر سود لگا کر واپس لیتے ہیں جس سے ان کو کروڑوں کا فائدہ ہوتا ہے، اس منافع میں سے ہی وہ پھر دوسروں کو بھی منافع بانٹتے ہیں۔

سادہ اور آسان سا اصول یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی آپ کی رقم سے کاروبار کر کے منافع کمایا جا رہا ہے اور آپ کو سچائی کا علم نہیں کہ اس کاروبار کے ہر مرحلہ میں حلال یا حرام طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور آپ صرف زبانی یا دستاویزات پر بھروسہ کر لیتے ہیں اور آپ کی کوئی مستقل نگرانی نہیں ہے تو یہ پورا معاملہ شک وشبہات پر مبنی ہے اس لیے حرام ہے۔ اور یہ عمل غیر صالح اور بڑے گناہ میں شمار ہوتا ہے۔

(3) رشوت کا لین دین:

یہ معاشرے کا بہت بڑا ناسور ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ جائز یا ناجائز کاموں کے لیے عوام کے مال

سے بطور رشوت لے کر اوپر کے سارے حکام تک بانٹا جاتا ہے۔اس گناہ کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرا کی آیت 188 میں سختی سے منع فرمایا ہے۔

O وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠ (۱۸۸) (سورۃالبقرا،آیت ۱۸۸)

(اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے)۔

''دوسری بات قابلِ غور یہ ہی کہ اس ارشادِ خداوندی کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے چوری اور ڈاکہ بھی، جن میں دوسرے پر ظلم کر کے جبراً مال چھین لیا جاتا ہے اور سود، قمار، رشوت اور تمام بیوع فاسدہ اور معاملات فاسدہ بھی جواز روئے شرع جائز نہیں، اگرچہ فریقین کی رضامندی بھی متحقق ہو، جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جسکو شریعتِ اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی وہ سب حرام اور باطل ہیں، اور قرآن کے الفاظ میں اگرچہ صراحۃً کھانے کی ممانعت مذکور ہے لیکن مراد اس جگہ صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً استعمال کرنا ہی خواہ کھا پی کر، یا پہن کر یا دوسرے طریقہ کے استعمال سے، مگر محاورات میں ان سب قسم کے استعمالوں کو کھا لینا ہی بولا جاتا ہے، کہ فلاں آدمی فلاں کا مال کھا گیا، اگرچہ وہ مال کھانے پینے کے لائق نہ ہو''۔ [3]

رشوت کی تعریف:

حق کو ناحق بنا لینا یا ناحق کو حق بنا لینے کے لیے جو مال یا کوی چیز دی جائے وہ رشوت کہلاتی ہے۔

اس موضوع پہ چند مستند احادیث مزید پیش خدمت ہیں۔

O سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اوران دونوں کے درمیان دلالی کرنے والے، تینوں پر لعنت کی ہے۔(حدیث: مسند احمد 6407)

- سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں سود عام ہو جائے، اس کو قحط سالی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے، اس پر دوسروں کا رعب مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (حدیث: مسند احمد 5961)
- ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "رشوت لینے اور دینے والا دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے۔ (حدیث طبرانی)

رشوت کی بعض صورتیں:

بدقسمتی سے اس واضح شرعی حکم کے باوجود رشوت اور اس سے ملتی جلتی بہت سی شکلیں آج ہمارے درمیان عام ہیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ ہلاکتوں کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔

(۱) منصب کے حصول کے لئے: قاضی وجج بننے کے لئے، کسی اعلی منصب کے حصول کے لئے یا استعمال کی جانے والی اشیاء کی شکل میں ہو، کیونکہ اس سے صاحب حق کا حق مارا جاتا ہے اور نااہل لوگ ایسے منصب پر پہنچ جاتے ہیں جس کے اہل نہیں ہوتے۔

(۲) فیصلہ کے لئے: حاکم، قاضی وجج یا پولیس افسر وغیرہ کو کچھ دیا جائے تاکہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو، یہ اس صورت میں کہ خود انسان غلط موقف پر ہو یا اپنا موقف واضح نہ ہو۔

(۳) کام نپٹانے کے لئے: ایک اہلکار اپنے کام پر گورنمنٹ یا کمپنی سے تنخواہ لیتا ہے، لیکن لوگوں کا معاملہ نپٹانے کے لئے ٹال مٹول سے کام لیتا ہے اور اس کے لئے اپنی زبان حال ومقال سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی اہلکار کو مال یا کسی اور شکل میں کچھ دیتا ہے تاکہ اس کا کام اوروں سے پہلے نپٹا دے تو یہ بھی رشوت کی ایک شکل ہے۔

(۴) پاس ہونے کے لئے ٹیوشن: آج کل اسکول وکالج میں ذاتی ٹیوشن کی بیماری بہت عام ہے، بلکہ جو طالب علم اس میں شریک نہیں ہوتا وہ اپنے پورے نمبر نہیں حاصل کر پاتا، یہ بھی رشوت کی ایک شکل ہے کیونکہ استاد اسکول وکالج کے ذمہ داروں اور گورنمنٹ سے پوری تنخواہ لیتا ہے۔

(۵) استاد، مفتی کا ہدیہ و تحفہ: جو طالب علم یا اس کے والدین استاد کو ہدیہ وتحفہ دیتے ہیں انکی خاطر و

مدارات کرتے ہیں یا کوئی خدمت بجالاتے ہیں تو استاد اس طالب علم کی طرف خصوصی توجہ اور اس کے نمبر پورے دیتا ہے اسی طرح مفتی اگر سائل سے ہدیے قبول کرتا ہے تو فتوی دینے میں اس کے بارے میں تساہل سے کام لیتا ہے اور حکم لگانے میں نرم رویہ اختیار کرتا ہے، واعظ وخطیب کو ہدایا وتحائف اور نذرانے جہاں سے اچھے ملتے ہیں وہاں کے لئے وقت بڑی آسانی سے دیتا ہے اور جہاں سے کم کی امید ہوتی ہے وہاں جانے کے لئے ٹال مٹول سے کام لیتا ہے خواہ وہاں کے لوگ وعظ وتذکیر کے زیادہ محتاج ہوں، یہ ساری چیزیں رشوت سے ملتی جلتی صورتیں ہیں۔

فائدے:

۱-حلال مال میں برکت ہوتی ہے اور حرام مال بے برکتی کا سبب ہے۔

۲-رشوت گناہ کبیرہ اور رحمت الٰہی سے دوری کا سبب ہے۔

۳-رشوت کا لین دین معاشرہ میں بددیانتی اور ظلم کا سبب ہے۔

مرکز دعوت وارشاد، الغاط (سعودی عرب)

توراۃ کے قوانین میں تحریف کا ایک بڑا سبب یہی رشوت خوری تھی جس کا ذکر سورۃ بقراء کی آیت 79 میں اللہ تعالیٰ نے بہت سخت وعید کے ساتھ فرمایا ہے:

O فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (۷۹) (سورۃ البقرۃ آیت ۷۹)

(پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں ان کے ہاتھوں کا لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت)۔

''افسوس آج ہمارے بعض مسلمان علماء سوء بھی قرآن الکریم کے کچھ احکامات کو بدل کر یا اس میں نرمی

کی گنجائش نکال کر مال بٹورنے کے خاطر فتویٰ دے دیتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ اگر رشوت دینا کسی مجبوری کے تحت جائز کردی جائے تو رشوت لینے والے کبھی اس گناہ کبیرہ سے باز آنے والے نہیں ہیں اور یہ سلسلہ کبھی معاشرے سے ختم ہونے والا نہیں ہے۔ضرورت تو اس امر کی ہے کہ رشوت لینے والا، رشوت دینے والا اور رشوت کے معاملے میں دلالی معاونت کرنے والا سب کو سخت ترین اور عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔

O لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕلَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۶۳) (سورۃ المائدہ آیت ۶۳)

(کیوں اِن کے عُلماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے؟ یقیناً بہت ہی برا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کررہے ہیں)

''تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ گناہوں پر، حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان کے علماء اور پیروں کے اعمال بدترین ہو گئے ہیں''۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لیے اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نہیں''۔حضرت ضحاک سے بھی اسی طرح منقول ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا ''لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بناء پر ہلاک کردیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے، جب یہ عادت ان میں پختہ ہوگئی تو اللہ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔پس تمہیں چاہئے کہ بھلائی کا حکم کرو برائی سے روکو، اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم، برائی سے ممانعت، نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب کردے گا''۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا'' (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ ''یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا''۔ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔'' [1]

''امام عبد بن حمید نے سلمہ بن نبیط کے واسطہ سے حضرت ضحاک سے یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت میں

موجود الربانیون اور الاحبار سے مراد فقہاء اور علماء ہیں۔ پھر ضحاک کہتے ہیں اس آیت سے بڑھ کر کوئی آیت مجھے خوف زدہ کرنے والی نہیں۔

امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جریرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ایسی قوم جس کے درمیان ایسا آدمی ہو جو بدکاریاں کرتا ہو جبکہ یہ لوگ طاقت رکھتے ہوں کہ اسے روکیں (مگر یہ نہ روکیں) تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے گا۔'' [4]

(4) باجماعت نماز کا اہتمام نہ کرنا:

مردوں کے لیے باجماعت نماز کا اہتمام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور احادیث کی تفصیل صفحہ 30 سے 34 میں پہلے گزر چکی ہے۔ ذہن نشین کرنے کے لیے ان تفاصیل کا مطالعہ دوبارہ کیا جاسکتا ہے۔ اب اتنے سخت احکامات اور تنبیہ کے باوجود اگر بغیر شرعی عذر کے صحت مند مسلمان گھروں میں اکیلے نماز ادا کرتے ہیں تو وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ ایسی نمازیں ان کے منہ پر ماردی جائیں گیں۔ گھروں، آفس یا بازاروں کی مصروفیت کوئی شرعی عذر نہیں ہے کہ نماز باجماعت چھوڑ دی جائے۔ اس ہی طرح لوگوں سے ملنے جلنے یا دعوتوں میں شرکت وغیرہ کی بندش بھی کوئی شرعی عذر نہیں ہے۔ سارے اوقات مؤخر کئے جاسکتے ہیں مگر جماعت کا وقت ٹالا نہیں جاسکتا۔ شرعی عذر صرف چار ہیں (1) نیند کا شدید غلبہ ہو کہ اگر نماز پڑھے گا تو دھیان نہ رہے گا کہ کیا پڑھ رہا ہے (2) شدید بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو کیونکہ اس حالت میں بھی دھیان کھانے کی طرف لگا رہے گا (3) کسی ناگذیر وجہ سے جماعت کا وقت بھول جائے (4) مسجد جانے میں خوف اور جان کا خطرہ ہو یا بہت شدید بیمار ہو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ لازم یہ ہے کہ (1) سے (3) تک جو وجوہات عذر بیان کیے گئے ہیں ان سے بچنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی جائے اور یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ نوبت ہی نہ آئے کہ ان وجوہات کی وجہ سے کوئی بھی فرض نماز کی جماعت چھوٹ جائے۔ ایک عام رجحان مسلمانوں نمازیوں کا اب یہ ہوگیا ہے کہ باجماعت نماز کی فکر سے ذہن خالی ہیں۔ جب اور جیسا موقع ملا نماز اکیلے پڑھ لی۔ وقت پر نہ پڑھ بھی سکے تو قضا کرکے پڑھ لی۔ چند مستند احادیث جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ حوالوں کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

O حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک

نابینا آدمی حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس کوئی لانے والا نہیں جو (ہاتھ سے پکڑ کر) مجھے مسجد میں لے آئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لے۔ آپ نے اسے اجازت دے دی، جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: کیا تم نماز کا بلاوا (آذان) سنتے ہو؟ اس نے عرض کی: جی ہاں آپ نے فرمایا: تو اس پر لبیک کہو (یعنی مسجد آؤ)۔ (حدیث: صحیح مسلم 1486)

- سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مدینے میں کیڑے اور درندے بہت زیادہ ہیں۔ (کیا میرے لیے رخصت ہے کہ گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کی آواز سنتے ہو تو ضرور آؤ۔ امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ:۔ (حدیث: ابوداؤد 553)

- معدان بن ابوطلحہ یعمری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: تیری رہائش گاہ کہاں ہے؟ میں نے کہا: حمص کے قریب ایک بستی میں۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "کسی بستی یا صحرا میں جو بھی تین آدمی اکٹھے رہتے ہوں اور ان میں جماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو یقین رکھو کہ ان پر شیطان غالب آچکا ہے۔ جماعت قائم رکھو کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے دور رہتی ہے۔" سائب راوی نے کہا کہ یہاں جماعت سے نماز کی جماعت مراد ہے۔ (حدیث: نسائی 847)

- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کیا کہ اپنے کچھ نوجوانوں کو میں لکڑی کے گٹھر اکٹھا کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کا حکم دوں تو کھڑی کی جائے، پھر میں ان لوگوں (کے گھروں) کو آگ لگا دوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے''۔ (حدیث: ترمزی 217)

- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "جس نے مؤذن کو سنا اور اس کی اتباع کرنے میں (یعنی مسجد میں آنے سے) اسے کوئی عذر مانع نہ ہوا۔" سننے والوں نے پوچھا: عذر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "کوئی خوف یا بیماری۔ تو ایسے آدمی کی نماز جو وہ پڑھے گا مقبول نہ ہوگی۔" امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے کہا مغراء سے ابواسحاق نے روایت کیا ہے۔ (حدیث: ابوداؤد 551)

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا: ''لوگوں کو جماعت ترک کرنے سے باز آ جانا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر ضرور مہر لگا دے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں شامل ہو جائیں گے۔'' (حدیث: ابن ماجہ 794)
- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان پانچوں نمازوں کی حفاظت اور پابندی اختیار کرو جہاں کہیں ان کے لیے اذان کہی جائے۔ کیونکہ نمازوں کی (باجماعت) پابندی "سنن ہدی" میں سے ہے۔ (یعنی حق و ہدایت کی راہ ہے)۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی کے لیے ہدایت کی سنتیں مشروع کی ہیں۔ اور میں نے صحابہ رضی اللہ عنہ و دیکھا ہے کہ واضح اور کھلے منافق کے علاوہ کوئی بھی جماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا۔ اور میں نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ ایک آدمی کو دو دو افراد سہارا دے کر لاتے تھے اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا اور تم ہو کہ ہر ایک نے اپنے گھر ہی میں مسجد بنا رکھی ہے۔ اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنے لگو اور مسجدوں کو چھوڑ دو، تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے۔ اور اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیا تو کافر ہو جاؤ گے۔ (حدیث: ابوداؤد 550)

ان تمام صحیح اور مستند احادیث کے باوجود کوئی شخص اگر بلا شرعی عذر فرض نماز اکیلے پڑھتا ہے تو وہ یقینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے خلاف بہت جرأت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور آخرت میں اپنے بداعمال کا خود ذمہ دار ہے۔

سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یا اس کے بعد بھی سیکڑوں سال تک کیا کوئی یہ تصور کر سکتا تھا کہ ایک مسلمان مرد گھر میں اکیلے فرض نماز پڑھتا رہے؟؟ اگر ہمارے دین میں ایسا ہی ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے فرض نماز جماعت کے بغیر اکیلے مسجدوں کے علاوہ کوئی پڑھتا رہے تو پھر نہ تو کسی مسلم ملکوں اور معاشرے میں مساجد بنانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی آذان دینے کی۔ یہ عقیدہ اور سوچ اور اس پر عمل کرنا گناہ کبیرہ ہے اور یہ عمل غیر صالح ہے۔

(5) بے پردگی:

اللہ تعالیٰ نے جہاں پردے کے احکامات دیئے ہیں وہیں محرم اور نامحرم کی پوری فہرست بھی سورتوں میں بیان کر دی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے دور کی ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی نہ تو ان فہرستوں پر توجہ دیتی ہے

اور نہ ہی پردے کے احکامات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے راضی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرے بے پردگی، عریانی اور فحاشی کا شکار ہے اور ہم اس کے اوپر ترقی کا لبادہ اوڑھ کر دنیا میں مست اور آخرت کے عذاب سے بے فکر ہیں۔

محرم وہ رشتے ہیں جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور ان کی فہرست سورۃ نساء کی آیت 23 میں دی گئی ہے: اور جن کے ساتھ نکاح جائز ہے وہ سب نامحرم ہیں۔

O حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورۃ النساء آیت ۲۳)

(تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن وشو ہو چکا ہو ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلق زن وشو نہ ہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

پھر سورۃ نور کی آیات 30 اور 31 میں مرد اور عورتوں کے لیے نظریں جھکا کے رکھنے کا حکم اور عورتوں اور جوان لڑکیوں کے واسطے ان رشتوں کی پھر پوری فہرست بھی دی ہے جو ان کے لیے محرم ہیں ان کے علاوہ باقی تمام رشتے اور افراد ان کے لیے نامحرم ہیں جن کے سامنے اپنے ستر اور زینت کا اظہار و نمائش کرنا حرام اور بے

پردگی کی وجہ سے گناہ کبیرہ ہے:

O قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَ یَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَزۡکٰی لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ۔ (سورۃ النور آیت ۳۰)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے)۔

O وَ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِہِنَّ وَ یَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَہُنَّ وَ لَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَ لۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِہِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِہِنَّ ۪ وَ لَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِہِنَّ اَوۡ اٰبَآئِہِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِہِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِہِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِہِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِہِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِہِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِہِنَّ اَوۡ نِسَآئِہِنَّ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُنَّ اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡہَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ ؕ وَ تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ (سورۃ النور آیت ۳۱)

(اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر اِن لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیر دست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے اے مومنو،

تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے)۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اور پھر مغربی تہذیب کی یلغار کی وجہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد میں محرم اور نامحرم کا تصور ہی ختم ہو گیا، اور اب خاندانوں اور معاشرے میں رشتوں کی تفریق محرم اور نامحرم کی بنیاد پر کی ہی نہیں جاتی کہ پردے کا اہتمام کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ سب قریبی رشتہ دار ہیں ان سے کیا پردہ!!

پھر سورۃ الاحزاب کی آیت 55 میں گھر کے اندر داخل ہونے والے رشتوں کا ذکر ہے اور آیت 59 میں عورتوں کے لیے گھر سے باہر کے پردہ کرنے کے احکامات ہیں:

اب جو مسلمان مرد، عورت یا خاندان پردے کے احکامات کے قائل نہیں ہیں یا ان احکامات کے حدود و قیود سے غافل ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ پہلے قرآن کی آیات میں استعمال ہونے والے عربی کے الفاظ کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں:

(1) زینت: عربی لغت میں زینت اس قول یا عمل کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو مزید دلفریب اور خوبصورت بنائے۔ جیسے آسمان کی زینت بے شمار ستارے (سورۃ الصافات آیت 6، سورۃ ملک آیت 5) پردے کے احکامات کے ضمن میں زینت سے مراد بننا سوارنا، میک اپ کرنا، آرائش والا لباس پہننا، زیور پہننا اور اس ہی طرح ہر وہ چیز جو دوسروں کو مزید اپنی طرف متوجہ کرے اور لبھائے وہ زینت ہے۔

O اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔

(سورۃ الکہف آیت ۷)

(واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ اِن لوگوں کو آزمائیں اِن میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے)۔

(2) حجاب: اس کے معنی ہی مکمل آڑ یا پردہ جس سے کسی چیز کو اس طرح چھپایا جائے کہ کوئی نظر اس تک نہ پہنچ سکے۔ پردے کے احکامات کے ضمن میں عورت کے حجاب کے معنی ہیں مکمل ڈھکا ہوا وجود ہے۔ قرآن حکیم سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

O وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ

رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (سورۃ شوریٰ آیت ۵۱)

(کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے رو برو بات کرے اُس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے، یا پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اُس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے، وحی کرتا ہے، وہ برتر اور حکیم ہے)۔

O وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ

(سورۃ الاعراف آیت ۴۶)

(ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہوگی جس کی بلندیوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ ''سلامتی ہو تم پر'' یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہو نگے)۔

O وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۵)

(جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں)۔

O فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (سورۃ المریم آیت ۱۷)

(اور پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا)۔

O وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَ فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ (سورۃ حٰم السجدہ آیت ۵)

(کہتے ہیں ''جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں، اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے تو

اپنا کام کر، ہم اپنا کام کیے جائیں گے"۔

اور عورتوں کے پردے کے احکامات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حجاب کا لفظ واضح طور پر سورۃ الاحزاب آیت ۵۳ میں منتخب فرمایا ہے۔

○ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (الاحزاب ۵۳)

(نبی ﷺ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو)۔

بدقسمتی سے قرآن حکیم کے نزول کے 1400 سال کے اس طویل مدت کے دوران اللہ تعالیٰ کے احکامات میں مستقل لچک اور تحریف کے رجحان کے سبب، حجاب کا معنی اور مفہوم ہی ہمارے دور میں بدل چکا ہے۔ عام طور پر عورتوں کو ایک چھوٹا سا کپڑا (Scarf) سر کے بالوں کو چھپانے کے لیے استعمال کرنے کو ہی حجاب تصور کیا جاتا ہے اور وہی لوگوں کے خیال میں کافی ہے۔ چاہے میک اپ شدہ چہرہ کھلا ہو یا تنگ اور زینت والا لباس زیب تن کیا ہو کہ جس سے عورت کے خدوخال اور اعضاء کی بناوٹ کی نمائش ہو رہی ہو۔ بہت زیادہ اگر کسی عورت یا لڑکی کو شرعی پردے کا احساس ہوا تو اوپر ایک عبایہ پہن لیا مگر وہ بھی تنگ اور نقوش و نگار سے بھرا ہوا فیشن کے مطابق تاکہ اپنے آپ کو دلفریب اور خوبصورت دکھانے کی حس قائم رہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عبائے کے نت نئے خوبصورت اور مہنگے نمونے (design) دستیاب ہیں اور فیشن شو بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی آیت 53 میں اللہ تعالیٰ مومن مردوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے اگر کوئی سوال یا شئے مانگنی ہو تو وہ مکمل پردے (حجاب) کے پیچھے سے مانگا کرو یہ دونوں کے دلوں کے پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

(3) **مستور:** اس کا مطلب بھی کسی پردے میں چھپا ہونے کے ہیں، جیسے کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 45 میں استعمال ہوا ہے۔

○ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۵)

(جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ

حائل کر دیتے ہیں)۔

اردو میں بھی خواتین کے لیے ہم لفظ مستورات استعمال کرتے ہیں۔

(4) عورۃ: عربی لغت میں عورۃ کے معنی غیر محفوظ کے ہوتے ہیں جیسے سورۃ الاحزاب آیت 13 میں فرمایا:

O وَ اِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡهُمۡ یٰۤاَهۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ وَ یَسۡتَاۡذِنُ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمُ النَّبِیَّ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُیُوۡتَنَا عَوۡرَۃٌ ؕۛ وَ مَا هِیَ بِعَوۡرَۃٍ ۚۛ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۱۳)

(اور وہ وقت یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے یثرب والو! اب (یہاں) تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے سو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ یہ کہہ کر پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت مانگ رہا تھا کہ ہمارے گھر خالی (غیر محفوظ) ہیں حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہیں تھے وہ تو صرف (محاذ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔)

اَلعَوۡرَۃُ: کے ایک اور معنوں میں انسان کے مقام کو ستر بھی کہتے ہیں مگر اس کے یہ معنی کتابی ہیں۔ اصل میں یہ عار سے مشتق ہے اور مقام ستر کو بھی چونکہ کھولنے سے عار محسوس ہوتی ہے اس لیے اسے **عَوۡرَۃ** کہا جاتا ہے اور عورت کو بھی عورت اس لیے کہا جاتا ہے (ہمارے دین میں) کہ اس کے بے ستر رہنے کو باعث عار سمجھا جاتا ہے اور عورت ایک غیر محفوظ جنس ہے۔ عورۃ وہ چیز جس کے دیکھنے اور دکھانے میں شرم محسوس ہو اور وہ پوشیدہ رکھی جائے۔

(5) ستر (سوات): ہر وہ شئے یا اعضاء جس کو چھپانا مقصود ہو ستر کہلاتا ہے۔ عورت اور مرد کے چھپانے والے شرم کے اعضاء کے بارے میں بولا جاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

O فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّیۡطٰنُ لِیُبۡدِیَ لَهُمَا مَاوٗرِیَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَۃِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَا مَلَکَیۡنِ اَوۡ تَکُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِیۡنَ (سورۃ الاعراف ۲۰)

(تو شیطان نے جھوٹی قسم کھا کر ان دونوں کو وسوسہ میں ڈالا۔ تاکہ ان کے وہ ستر والے مقام جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھے ظاہر کر دے اور کہا کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں صرف اس لئے اس درخت سے روکا ہے کہ کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔)

O فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (سورۃ الاعراف ۲۲)

(اس طرح اس نے ان دونوں کو فریب سے مائل کر دیا (اور اس طرح جنت) کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں تک پہنچا دیا۔ پس جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا۔ تو ان کے جسم کے چھپے ہوئے حصے نمودار ہو گئے اور وہ جنت کے پتوں کو جوڑ کر اپنے یہ مقام (ستر) چھپانے لگے تب ان کے پروردگار نے ان کو ندا دی۔ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بار بار قرآن مجید میں یہ حکم دیتے ہیں کہ قرآن کی آیات میں غور فکر کرو، اس میں تذکر تفکر اور تدبر کرو۔ اب ذرا ان سورۃ الاعراف کی آیات میں اگر غور فکر سے کام لیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ جوں ہی حضرت آدمؑ اور حواؑ نے اللہ تعالیٰ کے صرف ایک حکم کی نافرمانی کی تو ان کے چھپے ہوئے ستر نمایاں ہو گئے۔ اب اس دنیا میں اگر ہم انسانوں کی حالت زارد یکھ لیں تو کیا کافر، غیر مسلم یا مسلمان جو جتنے زیادہ بھی گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث ہے ان کا ستر عموماً اتنا زیادہ ہی کھلتا جاتا ہے۔

ستر کے حدود:

عورتوں اور مردوں کے ستر کے حدود حدیث مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

(i) **عورت کا ستر: نامحرم کے سامنے:** عورت کا پورا بدن، سر سے پاؤں تک بہ مع زینت کے اس کا ستر ہے جس کو ظاہر کرنا بے پردگی اور حرام ہے۔

محرم کے سامنے: صرف چہرہ، ہاتھ (کلائی تک) اور پاؤں کے علاوہ پورا بدن ستر ہے۔ (صرف میاں بیوئی اپنا ستر خلوت میں ایک دوسرے کے سامنے کھول سکتے ہیں)

(ii) **مرد کاستر:** ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک کا حصہ ستر میں شمار ہوتا ہے۔

جہاں تک بات ہے اجنبی مردوں کے سامنے عورت کے چہرہ کھولنے کی تو اگرچہ بعض روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے لیکن محققین علماء نے دیگر نصوص کے روشنی میں اسے ''امن فتنہ'' کے ساتھ مقید کیا، اسی لیے جوان عورتوں کو علی الاطلاق اجنبیوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا اس پرفتن دور میں پردے کی فرضیت کو پورا کرنے کے لیے برقع یا اس جیسا کوئی کپڑا جو حجاب کے تقاضے کو پورا کرنے والا ہو، پہننا ضروری ہے، ورنہ گنہگار ہوگی۔ تو کیا آج کا دور فتنوں کا دور نہیں ہے جس میں عورتوں کے لیے چہرے کا پردہ لازم ہے؟؟

(6) **خُمُرٌ:** (خمار کی جمع ہے) اس کے لغوی معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ اس طرح خمار اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی شئے چھپائی جائے۔ اس لیے عورتوں کا چھوٹا دوپٹہ جس سے وہ اپنے سر اور سینے کو چھپاتی ہیں اس کو عرف میں خمار کہا جاتا ہے۔ خمر کا ذکر سورۃ نور کی آیت 31 میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ عورتوں کو حکم دے رہے ہیں کہ اپنا یہ دوپٹہ آگے سینے پر بھی ڈال لیا کریں تا کہ اپنی زینت نامحرموں کو بھی نہ دکھائیں۔ اس ہی آیت میں پھر محرموں کی پوری لیسٹ (فہرست) دی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

O قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ O وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(سورۃ النور آیت ۳۱)

(اے نبی ﷺ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے۔اور اے نبی ﷺ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر اِن لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے اے مومنو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے)۔

(7) جلباب: اس کے معنی لمبی چادر کے ہیں۔قرآن حکیم کے نزول سے پہلے بھی عرب عورتیں جب گھر سے باہر نکلتی تھیں تو ایک لمبی چادر لے کر اپنے سروں سے ڈال لیتی تھیں اور اپنے بدن کو لپیٹ لیتی تھیں مگر چہرہ کھلا رہتا تھا۔سورۃ الاحزاب کی آیت 59 میں اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ اس چادر کے ایک پلو کو اپنے آگے چہرے پر بھی ڈال لیا کریں تا کہ چہرہ بھی نظر نہ آئے اور پہچانی جائیں کہ وہ شریف خاندان کی عورتیں ہیں تا کہ وہ باہر (برے مردوں سے) ستائی نہ جائیں۔

O يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۵۹)

(اے نبی (ص)! آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور (عام) اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنے اوپر چادر (بطور گھونگھٹ) لٹکا لیا کریں یہ طریقہ قریب تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے)۔

قرآن مجید میں رکوع:

قرآن مجید میں لمبی سورتوں کو رکوع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عموماً ہمارا ذہن اس طرح کم ہی جاتا ہے کہ ہم ان رکوعات کی تقسیم کا مقصد معلوم کریں۔ بنیادی طور پر اس کے دو مقاصد ہیں:

(1) سورتوں میں مضمون کے اعتبار سے رکوع بنائے گئے ہیں۔ یعنی کسی مقام پر ایک مضمون مکمل ہو گیا اور دوسرے مضمون شروع ہو رہا ہے تو وہاں رکوع کی علامت ہے۔

(2) نماز میں جو قرآن شریف پڑھا جاتا ہے اس میں افضل اور مناسب یہ ہے کہ ایک پورا مضمون ہر رکعت میں پڑھا جائے اور پھر رکوع کے مقام پر رکوع کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا تسلسل نہ ٹوٹے اور اس رکوع میں موجود ساری آیات اس مضمون کے پس منظر میں سمجھ لی جائیں۔ اس لیے رکوع کی علامت نماز کی ہر رکعت میں رکوع کرنے کے مقام سے تعبیر ہے۔ رکوع رکعت سے ہی بنا ہے۔ یہ رکوعات کی تقسیم بڑی محنت سے معنی پر غور کرتے ہوئے تابعین کے دور میں کی گئی ہے۔

اب اوپر بیان کی گئی تمام وضاحت اور تعارف کے حوالے سے ہم اگر پردے کے احکامات کی آیات پر غور کریں تو یہ حقیقت سمجھ آجائیگی کہ پردے کے دراصل دو مقامات ہیں:

(1) گھر کے اندر کا پردہ: سورۃ نور کی آیت 31 جس رکوع میں ہیں وہاں گھر کے اندر داخل ہونے کے آداب کے احکامات بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے یہاں گھر کے اندر آنے جانے والے محرم رشتوں سے پردے کے احکامات یہ ہیں کہ عورت اپنے خمر (دوپٹے) سے اپنا سر اور سینا بھی چھپائے گی۔ اپنی زینت کی نمائش نہیں کریگی اور صرف چہرہ، دونوں ہاتھ (کلائی تک) اور دونوں پیر کھلے رکھنے کی اجازت ہے۔ اس ضمن میں اس ہی آیت میں محرم رشتوں کی فہرست بھی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دی ہے۔ حکم یہ ہے کہ ان رشتوں کے سامنے (مثال والد یا بھائی وغیرہ کے سامنے) بھی کوئی عورت یا لڑکی بغیر دوپٹے سے اپنے آپ کو ڈھانکے ہوئے نہیں آسکتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ان احکامات پر عمل نہیں ہو رہا اس لیے بعض گھروں میں نہایت ذلت آمیز جنسی واقعات محرم رشتوں کے درمیان بھی ہوتے رہتے ہیں۔

(2) گھر کے باہر کا پردا: سورۃ الاحزاب کی آیت 59 گھر سے باہر نکلنے کے موقع کی مناسبت سے

ہے۔ بسا اوقات کسی دینی یا دنیوی ضرورت کے بنا پر عورت کا گھر سے نکلنا ناگزیر ہوتا ہے تو ایسے موقع پر حجاب کے دوسرے درجے کا حکم ہے جو یہ ہے کہ اپنی جلباب (لمبی چادر) سے اپنا پورا بدن (سر سے پاؤں تک) چھپا کر نکلیں اور چادر کا ایک پلو اپنے چہرے پر بھی ڈال لیں۔غور فرمائیں کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ اپنی بیویوں سے اور صاحبزادیوں سے اور دوسری مومن عورتوں کو اس طرح پردے کا حکم فرما دیں کہ پورا بدن اور چہرہ بھی نامحرموں کے سامنے چھپا رہے۔

اس کے ساتھ سورۃ نور کی آیت 30+31 میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکایت فرما رہے ہیں کہ مومن مردوں اور مومنیات عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظریں جھکا کر رکھا کریں۔سوال یہ ہے کہ کسی چیز سے جھکا کر رکھنا ہے...... کسی پیڑ سے، کیسی ستون سے یا پہاڑ سے؟؟ ظاہر ہے نامحرموں کے ستر اور چہرے سے نظروں کو جھکا کر رکھنا ہے، اور اس کو دیکھنے کی ممانعیت ہے۔

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں کی دو قسمیں ہیں جن کو میں نے (موجودہ کی حقیقی زندگی میں) نہیں دیکھا۔ایک تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کے کوڑے ہیں، وہ لوگوں کو اس سے مارتے ہیں دوسرے وہ عورتیں جو پہنتی ہیں مگر ننگی ہیں (یعنی ستر کے لائق لباس نہیں ہیں)، سیدھی راہ سے بہکانے والی، خود بہکنے والی اور ان کے سر بختی (اونٹ کی ایک قسم ہے) اونٹ کی کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے۔ وہ جنت میں نہ جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی ان کو نہ ملے گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی دور سے آ رہی ہو گی۔'' (صحیح مسلم 5582/2128)

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا جائے۔ (شعب الایمان للبیہقی حدیث 1685)

مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی نامحرم عورت کو یا کسی کے ستر کو (جس کا دیکھنا حرام ہے) دیکھے، تو اس پر خدا کی طرف سے لعنت ہے، یعنی رحمت سے محرومی کا فیصلہ ہے اور اسی طرح وہ بھی رحمت خداوندی سے محروم ہے جس نے قصداً دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دیا اور دکھایا۔

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کی بارے میں دریافت کیا) یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا

چاہئے؟ (تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ادھر سے نگاہ پھیر لوں۔(معارف الدیث 1686)

اللہ تعالیٰ کے ان احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے کھلی بغاوت کے نتیجے میں ہم نے خود مسلمانوں کا معاشرہ گناہوں کا دلدل بنا دیا ہے ایک بہت بڑی تعداد اس پلیدی میں لت پت ہونے کے باوجود ان گناہوں کے دنیوی اور آخرت کے نتائج سے بے بہرا ہو کر اور اس پر ترقی کا لبادا اوڑھ کر بہت مطمئن بے خوف وخطر زندگی گزار رہی ہے۔ مسلمان گھرانوں اور خاندانوں میں مخلوط میل وجول اور محفلیں عام ہیں اور بے پردگی کو اب ہمارے معاشرے میں گناہ بھی تصور نہیں کیا جاتا۔محرم اور نامحرم کی تفریق ہی ختم ہو چکی ہے یعنی قرآن میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہرست اس سلسلے میں نعوذ باللہ رد کی جا چکی ہے۔

کسی کو اگر سمجھانے کی کوشش کی جائے تو جواب ملتا ہے......اس میں حرج ہی کیا؟؟......سب جانے پہچانے دوست واحباب ہیں......سب رشتے کے بھائی بہن ہیں......ہمارے خاندان اور گھروں میں ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے......پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے دل صاف ہیں......

سبحان اللہ کیا مقام ہے آپ کا......قرآن میں تو اللہ تعالیٰ مومنوں، مومنات اور ازواج مطہراتؓ کو حکم فرما رہے ہیں کہ نامحرموں سے اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو چھپا کر رکھیں...... یہ مومنین اور مومنات اس وقت کون تھے جن کو حکم دیا جارہا ہے۔ظاہر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیہ اکرام رضی اللہ عنہن کو تنبیہ کی جارہی ہے۔تو کیا ان کے دل صاف نہیں تھے (نعوذ باللہ)؟......اس دور میں کیا ہمارا اور آپ کا رتبہ، تقویٰ اور زھد ان سے بھی بڑھ گیا ہے؟؟......آپ کو یہ ملکہ حاصل ہو گیا ہوگا کہ اس بے پردگی کے ماحول میں آپ وسوسوں سے پاک رہتے ہوں گے! جس خالق نے انسان کی تخلیق کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ جو وسوسے دل میں اٹھتے ہیں اور جو گناہ اس کی وجہ سے سرزد ہو جاتے ہیں۔اپنے نفس پر اگر کسی کو مکمل اختیار ہو بھی جائے تو کیا شیطان کا ایک ساتھی (قرین) جو ہر ایک انسان کے ساتھ ہے کیا اس کا دل بھی صاف ہے؟؟ وہ کوئی وسوسہ اندازی نہیں کرتا؟؟اس ہی فحاشی، عریانی اور بے پردگی کے ماحول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے شعراء، آفسانہ نگار، ادیب اور ڈرامہ نگار اور فلم بنانے والے پیدا ہو گئے جو عشق محبت کا پرچار کرتے ہیں اور شہوت بھری لغویات کا سہارا لے کر لڑکے اور لڑکیوں کو عشق مٹکّا کی دعوت دیتے ہیں۔مگر اس گناہ پر ان کی سرزنش کرنے کے بجائے ان کو انعام واکرام اور تمغوں سے نوازہ جاتا ہے۔یاد رہے کہ ''بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہوتی

ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ شہروں کے امیر ترین جدید (Modern) گھرانوں اور اوسط مسلم گھرانوں سے لے کر گاؤں اور گوٹھوں کے غریب ترین گھرانوں میں جنسی جرائم کی بھر مار ہے اور بچے، بچیوں، عورتوں، لڑکیوں کے ساتھ زنا، دست درازی، قتل اور جنسی تشدد کی خبریں مسلسل آتی رہتی ہیں۔ یہ ہے ہمارا اسلامی معاشرہ جس کے ہم خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ اگر ایک فیصد بھی عوام اس ماحول میں گناہ یا کسی قسم کے زنا میں ملوث ہوتے ہیں تو یقینا ان سے آخرت میں سخت پوچھ ہونی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی جواب دینا ہوگا جو اس بے پردگی کے ماحول کی حمایت کرتے ہیں اور اپنے گھروں، خاندانوں اور معاشرے میں اصلاح کے لیے کوئی اقدام نہیں کرتے۔ ہم خود طے کرلیں کہ قرآن الکریم کے احکامات اور احادیث مبارکہ کے مطابق کیا ہمارے اعمال صالح ہیں یا غیر صالح؟؟

(6)عورت اور مرد مساوی (برابر) ھیں: اس دور کا ایک بہت بڑا فتنہ اور معاشرے کی تباہی کا سبب یہ وہ نعرہ ہے جو غیر مسلموں (مغرب) نے لگایا اور جو ہمارے اسلامی معاشرے میں اب پوری طرح سرائیت کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی احکامات کے تحت عورت اور مرد کے فرائض اور ذمیداریوں میں فطری تقسیم کردی ہے۔ اس میں کوئی لاکھ کوشش کرے تو بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ یہ تقسیم مرد اور عورت کی تخلیقی ساخت اور فطرت کے مطابق ہے۔ مرد کی ساخت میں قوت وجاہ، جرأت و بہادری اور سختی اور منظم ہونے کی صلاحیتیں ہیں، جبکہ عورت اس کے برعکس ہے، اس میں ملائیمت، انفعال اور کمزوری ہے اور بحث کرنے میں غیر واضح اور اس میں کسی مضبوط حصار کے پناہ میں رہنے کا ایک فطری جذبہ ہے۔ سورۃ الزخرف میں عورتوں کے فطرت کے لیے فرمایا:

○ اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَۃِ وَ ھُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ (سورۃ الزخرف آیت ۱۸)

(کیا (خدا کیلئے وہ ہے) جو زیوروں میں پرورش پائے اور بحث وتکرار میں اپنا مدعا واضح نہ کر سکے؟)۔

اس ہی فطرت اور تخلیقی ساخت کی بنیاد پر رب العالمین نے مرد اور عورت کے فرائض اور ذمیداریاں الگ الگ متعین کر دیں ہیں۔ عورت کی بنیادی ذمے داری اور اس کا دائرکار گھر ہے جہاں اس نے بچوں کی پیدائش کے مراحل سے لے کر ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کے ساتھ نشوونماء اور شوہر کے لیے سکون وراحت

کا ماحول میسر کرنا ہے۔اس لیے قرآن حکیم میں عورتوں کو واضح طور پر حکم دیا ہے کہ گھر میں قرار پکڑیں:

O وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا۔ (سورۃالاحزاب آیت ۳۳)

(اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور سابقہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی آرائش کی نمائش نہ کرتی پھرو (باہر نہ نکلا کرو) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو۔ اے اہل بیت! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس (آلودگی) کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے)۔

اس کے برعکس مرد کی ذمیداری رزق کما کر لانا اور اپنے اہل وعیال کے بنیادی جائز حقوق (کھانا، پینا، گھر اور کپڑا) اور جائز ضروریات اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرنا ہے۔ نیز وہ عورتوں پر نگراں بھی ہیں:

O اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ (سورۃالنساء آیت ۳۴)

(مرد عورتوں کے محافظ و منتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر فضیلت دی ہے)

اس آیت کریمہ کو اگر آگے بیان کی ہوئی چند مستند احادیث کی روشنی ہی سمجھا جائے تو مرد کی حکمرانی صرف خاندان کی سربراہی تک محدود نہیں بلکہ جہاں کہیں مردوں اور عورتوں کا مشترکہ معاملہ ہوگا وہاں حکمرانی مردوں کے حصے میں آئیگی۔

مغرب نے عورت اور مرد کے برابر ہونے کا نعرہ لگا کر نہ صرف یہ کہ عورت کو گھر سے نکالا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کو داخل کر کے اس صنف نازک پر رزق کمانے کی اضافی ذمیداری بھی ڈال دی، گویا یہ باور کرا دیا کہ رزق کمانے کا تمہارا بھی حق ہے۔ یہاں یہ چند دینی احکامات سمجھنے کی ضرورت ہے! اولاً تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بارہا یہ فرمایا ہے کہ تمام انسانوں کی مالی حیثیت برابر نہیں کی گئی ہے۔ کسی کو رزق میں کشادگی دی گئی ہے اور کسی کا رزق بقدرے ناپ تول کر دیا گیا ہے۔ اگر سارے انسان مالی حیثیت اور رزق

میں برابر کر دیئے جاتے تو ایک دوسرے کے کام کرنے کو کوئی تیار نہ ہوتا اور دنیا کا نظام کبھی نہ چل سکتا۔اس لیے جس کو رزق میں فراوانی دی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ شکر بجالائے اور دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ جس کے رزق میں کمی کی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ صبر اور قناعت سے کام لے یعنی دونوں ہی سخت ترین آزمائش میں مبتلا ہیں۔دوم یہ کہ قرآن حکیم یا احادیث میں کہیں یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ ہر حالات میں انسانوں نے اور خاص کر مسلمانوں نے ''اپنا طرز زندگی اور معیار زندگی'' بہتر سے بہتر ہی بناتے رہنا ہے چاہےاس کے لیے دینی احکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے دنیا کو آخرت پر ترجیح ہی کیوں نہ دینا پڑے۔اس لیے اگر کوئی مرد حق حلال کی جتنی مقدور بھی روزی کما کے لا رہا ہےتو اس کے اہل عیال پر لازم ہے کہ اس میں ہی صبر،قناعت اور کفائیت شعاری کے ساتھ گزارا کرے۔بیوی بچوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ صرف اپنا معیار زندگی اعلیٰ بنانے کے لیے مرد سے زیادہ مال یا آسائیشوں کا مطالبہ کریں۔اس صورت میں مرد یا تو اپنی سکت سے زیادہ محنت کرے گا یا پھر حرام میں ہاتھ ڈال دے گا۔نہیں تو گھر کی عورتوں اور لڑکیوں کو مال کمانے کے لیے نکلنا ہوگا۔ یہی قصیدہ بیشتر گھرانوں کا ہے جو اپنا معیار زندگی،طرز زندگی یا تو بہتر بنانا چاہتے ہیں یا ہر صورت میں برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ فیکٹریوں،بینکوں،تعلیمی اور تجارتی اداروں میں لاکھوں عورتیں اور جوان بچیاں مردوں کے شانہ بشانہ بے پردہ ہوکر اپنی زینت کی نمائش کرتے ہوئے اپنی ملازمتوں میں مشغول اور بہت مطمین ہیں۔استقبالیہ اور عوامی مقامات پر تو ان بے چاریوں کو سنگھار اور میک اپ کے ساتھ متعین کر کے آفس کی زینت بنا دیا جاتا ہے۔مگر اس حقیقت کا ان کو قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ نامحرموں کو دیکھنے اور دیکھانے والے کی ہر ہر نظر پر نامہ اعمال میں گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔مگر اس بے پردگی کے معاشرے میں زیادہ تر گھرانوں کے بہت سی خواتین صرف اپنے معیار زندگی کی خاطر معاش کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتی ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ بیوی،بیٹی،بہو یا بہن سب ہی مردوں کے شانہ بشانہ مساوات کی مثال بنی ہوئی ہیں۔یقیناً مرد اور عورت ہمارے دین میں برابر ہیں۔مگر اعمال کی جزاٗ اور سزاٗ کے لحاظ سے......نہ کے جسمانی سرگرمیوں،ذمہ داریوں اور وضع وقطع کے لحاظ سے۔

پھر ایک وسوسہ اندازی یہ بھی کی جاتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں عورتوں اور مردوں کی برابری اس معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ضروری ہے۔سوال یہ ہے کہ تقریباً 500 / 400 سال تک جب

مسلمانوں کی حکومت 2/3 دنیا پر قائم تھی اور مسلمان ہر شعبے کے علوم میں ترقی کر رہے تھے۔ ہر طرف خوشحالی تھی اور مسلمانوں کا غلبہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی زمین اور آسمان سے بارش تھی......تو اس وقت کتنی عورتیں اپنے گھر کی ذمہ داریاں چھوڑ کر مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر ہر شعبے میں مصروف کار تھیں؟؟ قرآن حکیم نے تو ترقی اور نعمتوں کا نزول تو ہر دور میں ہر اہل کتاب کے لیے اپنی اس وقت کی کتاب اور شریعت کی پابندی اور اس کے احکامات کو قائم کرنے سے مشروط کیا ہوا ہے:

O وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ المائدہ آیت ٦٦)

(اور اگر وہ (اہلِ کتاب) تورات، انجیل اور جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا تھا کو قائم رکھتے، تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھاتے پیتے۔ ان میں سے ایک گروہ تو میانہ رو ہے۔ مگر ان میں سے زیادہ لوگ ایسے ہیں جو بہت برا کر رہے ہیں)۔

O وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

(سورۃ النور آیت ۵۵)

(جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح جانشین بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنایا تھا۔ اور جس دین کو اللہ نے پسند کیا ہے وہ انہیں ضرور اس پر قدرت دے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ پس وہ میری عبادت کریں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔ اور جو اس کے بعد کفر اختیار کرے وہی لوگ فاسق ہیں)۔

اور یہی قاعدہ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اپنے دین کے ان ہی

اصولوں پر قائم رہ کر ہم اپنا معاشرہ اور خاندانی قدروں کو فحاشی اور عریانی سے پاک کر سکتے ہیں۔ ورنہ مغرب کی نقل اگر مقصود رہی تو ان کا تو ہدف اسلامی معاشرے کو بالکل تباہ کرنے کا ہے۔ اب تو عورت اور مرد کے برابری سے آگے نکل کر انہوں نے عورت کو ''حاکمیت'' کے اختیار دینے کا نعرہ لگا دیا ہے۔ اس سے مرعوب ہو کر بہت سے ممالک (بشمول مسلم ممالک) کی سربرہ عورت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ بہت سی کمپنیوں، اداروں اور محکموں کی سربراہی عورت کے سپرد ہے۔ مسلم ممالک میں بھی سیکڑوں شعبہ جات کی حاکمیت عورت کے پاس ہے اور Manager مدیر کی حیثیت سے اپنے تحت مردوں پر حاکم ہے۔ مرد حضرات بھی عورت کے زیر سایہ ماتحت رہنے کو اپنا طرّہ امتیاز گرانتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دین اسلام میں عورت کی حاکمیت کی سختی سے ممانعت ہے۔ چند قرآن کی آیات اور احادیث اس موضوع پر بالکل واضح ہیں:

O اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (۳۴) (سورۃ النساء آیت ۳۴)

(مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں اُن کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں اُن سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر تم وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالا تر ہے)۔

یعنی مرد عورتوں پر حکمراں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا امیر، رئیس اور حاکم بنایا ہے۔ عربی زبان میں قوّام منظم اور نگراں کو کہتے ہیں۔

''اس آیت کا تعلق اگرچہ سیاست البیت سے ہے لیکن جب چھوٹی سی ریاست کی سربراہی عورت کو نہیں

دی گئی تو سیاست المُدُن یعنی پورے ملک کی ایک ہمہ گیر حکومت کی سربراہی کا منصب اسے کیسے سپرد کیا جاسکتا ہے۔ مرد کے قوام ہونے کی وجہ مذکورہ آیت میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔ یعنی مرد کی ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی صلاحیتیں عورت سے زیادہ ہیں۔ یہ عورت کی حق تلفی یا اس کی تحقیر نہیں ہے بلکہ یہ تفاوت تقسیم کار کی بناء پر قائم کیا گیا ہے۔ عورت کو اس کے فرائض اور دائرہ کار کے مناسب صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ اور مرد کو اس کے فرائض اور دائرہ کار کے مناسب صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ اسی فطری تفاوت اور فرائض کے تنوع کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْــٴَـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (۳۲) (سورۃ النساء آیت ۳۲)

(اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو جو کچھ مَردوں نے کمایا ہے اُس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق اُن کا حصہ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔''مولانا گوھر الرحمن کی تصنیف

O وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ (۲۲۸)
(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸)

(جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور اُن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے اُن کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہو، اُسے چھپائیں اُنہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے، اگر وہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتی ہیں اُن کے شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں، تو وہ اِس عدت کے دوران اُنہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لینے کے حق دار

ہیں عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں
البتہ مردوں کو اُن پر ایک درجہ حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا
موجود ہے)۔

اس آیت میں جاہلیت قدیمہ کی تردید بھی کی گئی ہے جس میں عورتون کی حق تلفی ہوتی تھی اور انہیں صرف استعمال کی ایک چیز سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی ہیں۔ عورت ہونے کی وجہ سے اس کے اعمال کا اجر کم نہیں ہوگا اور صرف مرد ہونے کی بناء پر اس کے اعمال کے اجر میں اضافہ نہیں ہوگا۔ حقوق و فرائض کا توازن تو شریعت نے قائم کر دیا ہے لیکن وللرّجالَ عَلَیہِن دَرَجَۃٌ کے فقرے میں تہذیب جدید کے اس بے بنیاد اور خلاف فطرت دعوت کی بھی تردید کی گئی ہے۔ کہ مرد اور عورت ہر اعتبار سے ہم درجہ اور مساوی ہیں۔ (مولانا گوھرالرحمن کی تصنیف)

اس ہی تخلیق فطرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت پر کسی عورت کو مقرر نہیں کیا اور نہ ہی نماز کی امامت کا فرض کسی عورت کے سپرد کیا گیا۔ عورت کی حکمرانی کسی شعبہ میں مردوں پر جائز نہیں ہے۔

چند مستند احادیث ملاحظہ ہوں:

- ''وہ قوم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو حکمران بنادیا ہو۔'' (حدیث بخاری کتاب المغازی)
- ''جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولتمند لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہوں تو اس وقت تمہارے لیے زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہوگی۔ اور جب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ بخیل اور کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں، تو پھر تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔'' (حدیث امام ترمذی 2266)

''مرد جب عورتوں کی اطاعت کریں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔'' (حدیث مستدک حاکم 4)

ان احادیث کے مطابق بھی عورتوں کی حکمرانی کی ممانعت ہے۔ ان کے اچھے مشوروں پر عمل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ عورتوں کے مشوروں پر تو بعض اوقات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عمل کیا ہے۔ مزید یہ کہ عورت کی ذات کو جس قدر تحفظ اور عزت اسلام نے بخشی ہے وہ کسی اور مذہب یا نظام میں نہیں ہے۔ عورت کو

قطعاً معاش کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نہ تو اس کا حق ہے اور نہ ہی ذمہ داری۔ لڑکی کی تمام ضروریات اور نان ونفقہ سب سے پہلے والد کی ذمہ داری ہے جو اس کا کفیل ہے۔ اگر والد فوت ہوگیا ہے تو محرم رشتہ داروں میں چچا، ماموں یا بھائی اس کے کفیل ہیں۔ شادی کے بعد ساری ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے کہ عزت کے ساتھ اس کی جائز ضروریات پوری کرے۔ شوہر کے انتقال یا طلاق کی صورت میں پھر اس کے محرم رشتہ داروں کی پوری ذمہ داری ہے کہ اس کی عفت اور تقدس کا احترام کرتے ہوئے اس کو عزت کی زندگی گزارنے میں مکمل تعاون اور مالی مدد کریں۔ بصورت دیگر عورت کو مکمل اختیار ہے کہ وہ پھر دوسری شادی کر کے اپنا گھر آباد کرے۔ اگر یہ مرد حضرات اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے تو ان سے آخرت میں سخت پوچھ ہوگی اور وہ ''عمل غیر صالح'' کے مرتکب ہوں گے۔

ان تمام حقائق کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ لڑکی یا عورت گھر میں قید رہے گی۔ دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنا اس پر بھی لازم ہے۔ وہ یہ تعلیمات حاصل کر کے نہ صرف اپنے گھر اور بچوں کی بہتر دیکھ بھال کرسکتی ہے بلکہ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اپنا کردار بھی بھرپور طرح سے ادا کرسکتی ہے۔ اپنی گھر کی ذمہ داریاں کو بغیر نظر انداز کئیے ہوئے اگر اس کی خواہش اور اہلیت ہے تو وہ عورتوں کے اسکول، کالج یا دینی مدارس میں ملازمت اختیار کرسکتی ہے۔ اس طرح عورتوں کے اسپتال کلینک اور بیشتر شعبوں اور فلاحی اداروں میں وہ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر کے معاشرے کی خدمت کرسکتی ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ چادر اور چار دیواری کا تقدس برقرار رکھے اور وہ بے پردہ ہوکر مردوں کے شانہ بشانہ کسی سرگرمی یا ادارے کی رونق اور زینت نہ بنے۔

(7) بدعات: بدعت عربی کے لفظ بدعا سے بنا ہے جس کے معنی کوئی نئی شئے کے ہیں۔ بدعاً کا لفظ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں سورۃ الاحقاف آیت 9 میں استعمال ہوا ہے۔

○ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (سورۃ الاحقاف آیت ۹)

(آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نئے قسم کا رسول نہیں ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا میں تو صرف وحی الٰہی کا اتباع کرتا ہوں اور صرف واضح طور پر عذاب الٰہی سے

ڈرانے والا ہوں)۔

الاِبدَاعُ کا معنی ہوگا کہ کسی کی تقلید اور اقتداء کے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا۔ اس لیے البدعۃ یا بدعت کا معنی دین میں کوئی بات، عمل یا عبادات کو ثواب کی نیت سے داخل کرنا یا ایجاد کرنا ہوگا جس میں قولاً یا فعلاً اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سلف صالحین اور شریعت سے کوئی ثبوت ملتا ہو۔ ایک مستند حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

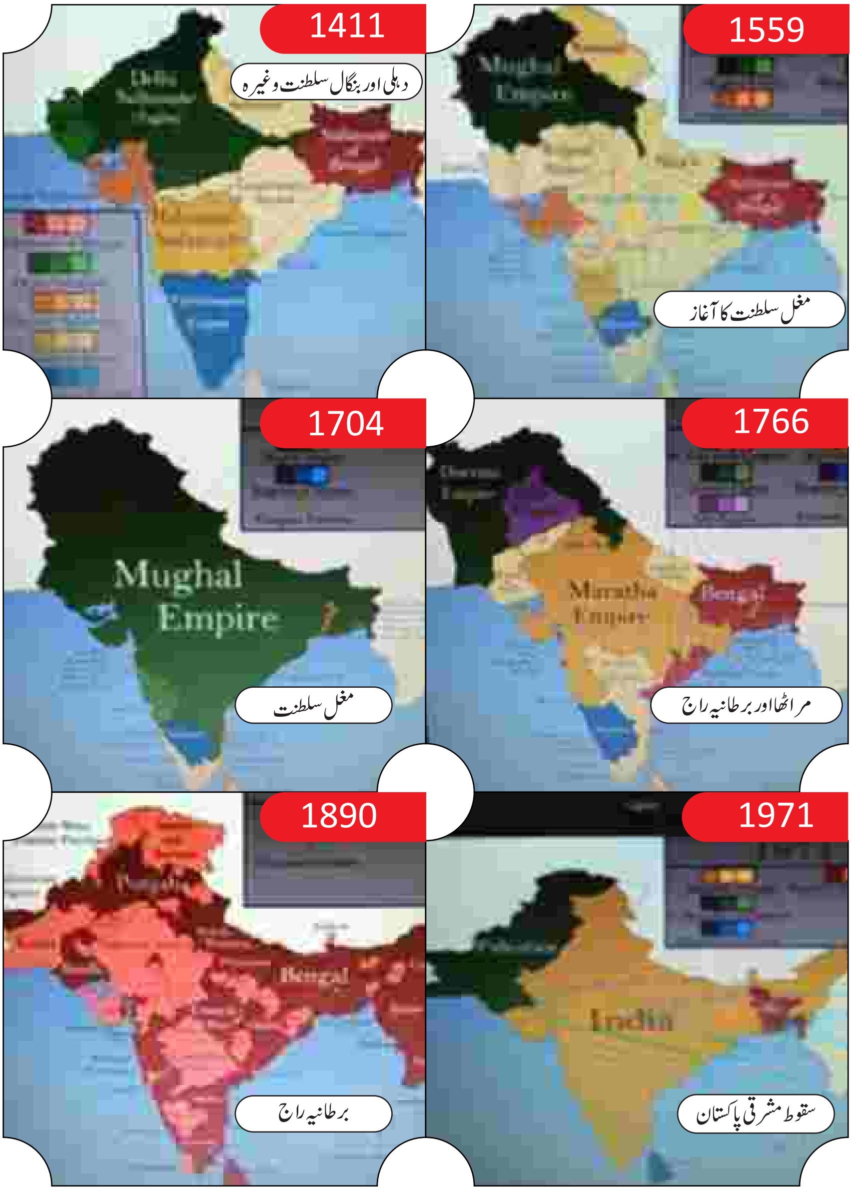
''بدترین کام وہ ہیں جنھیں (شریعت میں) کسی نے اپنی طرف سے جاری کیا ہر ایسا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جائیگی''۔ (سنن نسائی حدیث 1579، صحیح)

اس کے ساتھ دوسری احادیث بھی ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حرم کے حدود میں اگر کوئی بدعت ایجاد کرے، یا بدعت ایجاد کرنے والے کو پناہ دے اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نہ کوئی فرض عبادت قبول کرے گا اور نہ کوئی نفل (حدیث صحیح جامع الترمذی حدیث نمبر 2127۔ حدیث صحیح سنن ابوداؤد حدیث نمبر 203)

اس ہی مضمون پر یہی مفہوم بیان کرتی ہوئی اور متعدد صحیح احادیث موجود ہیں جن کا مطالعہ حدیث کی کتب میں کیا جاسکتا ہے۔ پاک و ہند کے مسلمانوں میں درجنوں بدعات کا رائج ہونے کے اسباب کو سمجھنے کے لیے ہم کو اس علاقے کے تاریخی پس منظر پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ (اگلے صفحات میں اس کی نشاندہی چند خاکوں سے کی گیں ہے) ہندوستان جہاں ہندوں اور غیر مذاہب کے ساتھ ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی آباد رہی ہے ان پر ہزاروں سال تک ہندوؤں کے راجہ مہاراجوں کی حکومت رہی، پھر مغلوں کا دور آیا انہوں نے بھی سیکڑوں سال اس پورے علاقے پر حکومت کی۔ مگر مسلمان ہونے کے ناطے انہوں نے اسلام کی صحیح تعلیم، تبلیغ یا دین کی اقامت پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے کے لیے ہندوؤں اور غیر مذاہب کی پشت پناہی کو ترجیح دیتے رہے۔ اس کے بعد انگریزوں نے تقریباً دوسو سال تک اس علاقے پر حکومت کی اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے علماء کرام کو قتل اور بربریت کا نشانہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نسل درنسل ان غیر مذاہب کے ساتھ گڈمڈ ہو کر زندگی گزارتی رہی۔ دین کی لاعلمی، جذبہ مطابقت و مقابلہ اور ماحول کے اثرات وہ عناصر رہے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے بدعات جیسے گناہ کبیرہ کو دین کا جز سمجھ کر اس کو اپنانا شروع کر دیا۔ غیر مسلموں خاص کر ہندوؤں اور انگریزوں کے رہن سہن، رسم و رواج اور



آج سے تقریباً 5 ہزار سال قبل سے جو غیر مسلموں کی حکومتیں ہندوستان میں
قابض رہیں ہیں وہ ان چند نقشوں میں واضح کی گئی ہیں



BCE: Befor Chirstian Era حضرت عیسیؑ کی ولادت سے قبل کا دور

CE:Chirstian Era حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے بعد کا دور

عبادات کے طریقوں سے مرعوب ہو کر مسلمانوں نے اپنے دین کو بدعات سے آلودہ کر دیا۔ درجنوں بدعتیں آج بھی مسلمانوں میں رائج ہیں۔ چند بدعات جو معاشرے میں بہت عام ہیں وہ قابل ذکر ہیں:

(7-1) میلاد شریف/ سالگرہ منانا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ پیدائش 12 ربیع الاول تصور کر کے اس دن ان کی پیدائش کی سالگرہ منانا۔ اولاً تو کسی مستند حدیث یا سیرت کی کتابوں سے اس تاریخ پیدائش کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض مستند سیرت کی کتابوں میں 12 ربیع الاول تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا سے رحلت کی تاریخ ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین یا تبع تابعین نے اس سالگرہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ تقریباً اسلام کے شروع 500 سال تک تو یہ بدعت مسلمانوں میں رائج نہیں تھی۔ مگر پھر عیسایوں کے دیکھا دیکھی کہ وہ اپنے رسولؑ کی پیدائش کی سالگرہ کرسمس کے نام پر مناتے ہیں (جن کا ان کو بھی حکم نہیں تھا)، مسلمانوں کے لیے بھی مصر کے علماءِ سُو نے یہ رسم ایجاد کر دی۔ بدھ مذہب کے لوگ گوتم بدھ کی سالگرہ مناتے ہیں۔ ہندو شری کرشن کی سالگرہ مناتے ہیں۔ سکھ گرو نانک کی سالگرہ مناتے ہیں......تو ہم مسلمان کیوں پیچھے رہ جائیں، ہم بھی مقابلاً اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالگرہ منائیں گے۔ یہ غیر مسلم اقوام کی ایک رسم ہے جس کی تقلید کرنا اسلام میں حرام ہے۔ اس قسم کی رسومات خرافات، گناہوں اور اسراف پر مشتمل ہوتی ہیں اس لیے یہ عمل نہ تو عبادت ہے اور نہ ثواب کا کوئی ذریعہ ہے بلکہ بدعت کی وجہ سے بہت بڑی گمراہی ہے۔ عید میلاد نبی کے نام پر کئی کئی من کے کیک بنانا، مساجد، گھروں اور عمارتوں میں چراغاں کرنا اور مٹھائیاں تقسیم کرنا جس کی کوئی سند نہیں وہ اسراف نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کا بہتر مصرف کیا یہ نہیں ہے کہ یہی مال غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جو اس بدعت میں ملوث ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس میں حرج کیا ہے اگر ہم اس دن میلاد پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی محفلیں سجاتے ہیں؟......تو حرج اور سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اور ان پر درود بھیجنا ہے تو 12 ربیع الاول کو ہی کیوں (جس کی کوئی سند نہیں)...... ہر روز، ہر وقت پورے سال درود اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریں جس کا حکم بھی ہے۔

(7-2) میت کے گھر والوں کا سوئم وغیرہ منانا اور کھانا کھلانا: ایصال ثواب کے لیے سوئم، چالیسواں یا کوئی بھی وقت دن وغیرہ مخصوص کر کے اس دن ایصال ثواب کرنا شریعت سے ثابت نہیں ہے یہ بدعت ہے اس کا کھانا وغیرہ کھانا بھی گناہ ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جس گھر میں میت ہوجائے وہاں پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لیے مستحب اور باعث ثواب ہے کہ گھر والوں کے لیے اس دن کھانے کا بندوبست کیا جائے۔

سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ منانا غیر مسلموں کا عقیدہ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ مرنے والے کی روح ان دنوں میں واپس دنیا میں اور اپنے گھروں میں آتی ہے، اس باطل عقیدے پر یقین کرنا حرام اور گناہ ہے۔

(7-3) رجب کے کونڈے: یہ رسم بھی غیر شرعی اور بدعت ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کے نام سے منسوب جھوٹی کہانی بنا کر رزق کی فراوانی کے لیے یہ رسم ایجاد کی گئی۔ اس میں 22 رجب کو مٹھائی اور پکوان بنا کر تقسیم کی جاتی ہے۔ 22 رجب نہ تو حضرت امام جعفر صادقؒ کی یوم پیدائش ہے اور نہ ہی یوم وفات۔ بعد میں اس ہی بدعت کو آگے بڑھاتے ہوئے اہل تشیع حضرات نے اس کو حضرت امام معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی منانے سے منسوب کر کے اس کو جاری رکھا ہوا ہے۔

(7-4) قبروں پہ پھول اور چادر چڑھانا: یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ اکرام، تابعین یا تبع تابعین سے ثابت نہیں ہے۔ قبروں کو سجانا یا اس کے اوپر عمارت قائم کرنا یا چراغاں کرنا سب شرک کی ایک قسم ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

(7-5) ماہ صفر کو منحوس سمجھنا: یہ بھی جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ صفر کا مہینہ منحوس ہوتا ہے اس لیے بعض مسلمان اس میں نہ تو شادی کرتے ہیں اور نہ ہی سفر کرتے ہیں۔ یہ بھی بدعتی عقیدہ ہے جس کی کوئی حقیقت شریعت سے ثابت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ درجنوں اور بدعتوں کی رسومات مسلمانوں میں رائج ہیں۔ مثلاً ہندو دیوالی پر چراغاں کرتے ہیں تو ہم مسلمان بھی شب برأت منا کر چراغاں کریں گے۔ ہندو مندروں میں پرساد باٹتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ ہم مسلمان بھی بزرگوں کے مزاروں پر منت اور ثواب کی غرض سے نذرانے اور دان کی خطیر رقم مجاوروں کو پیش کریں گے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ مجاور نذرانے قبول کر کے اور سالانہ عرس منعقد کروا کے ارب پتی بنے

ہوئے ہیں۔اس ہی طرح دوسروں کی دیکھا دیکھی تازیہ اور جلوس نکلنا، دلھن کو قرآن کے سائے میں رخصت کرنا، دلھن کے دامن پر دلھا کی نماز شکرانہ ادا کرنا، بچوں کی بسم اللہ منانا، آذان دینے سے پہلے درود شریف پڑھنا، کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا، علم العدد سے فال نکلنا۔

(8)زندگی کا بیمہ کرنا: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شرک کی تعریف یہ ہے کہ کسی بھی ذات یا شہہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کے ساتھ شریک کر لیا جائے تو وہ شرک ہو جاتا ہے اور شرک ایسا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کبھی کسی کے لیے معاف نہیں فرماتے۔کوئی مسلمان چاہئے جتنا بڑا متقی اور عبادت گزار ہوا گر شرک جیسے گناہ کو اس نے سچی توبہ کر کے اپنی زندگی میں نہ چھوڑا تو اس کی معافی نہیں ہے اور وہ جہنم کا مستحق ہو جائیگا۔

بیمہ کروانے والا فرد یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد بیمہ کی ملنے والی رقم اس کے اہل وعیال کے مستقبل کے اخراجات میں کفایہ کرے گی۔گو یا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رزاق ہونے کی صفات میں بیمہ کی رقم کو شریک کر رہا ہے اور یہی شرک ہے۔ہونا تو یہ تھا کہ وہ اپنے اہل وعیال کے مستقبل کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پہ توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اس گناہ عظیم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا۔

دوسرے یہ کہ بیمہ کی ماہانہ اقساط ایک معین مدت تک جمع کی جاتی ہیں۔اس مدت کے ختم ہونے کے بعد اگر بیمہ کروانے والے کی وفات نہ ہوئی تو بیمہ کمپنی ایک بہت بڑی رقم اس کے حوالے کرتی ہے۔یہ رقم اس کی جمع شدہ اقساط سے بہت زیادہ (کئی گنا) ہوتی ہے یہ یقیناً سود ہو جاتا ہے جس کو لینا اور استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

پھر نہ تو بیمہ کروانے والے اور نہ ہی بیمہ کرنے والے کو کسی کی موت کا پہلے سے علم ہوتا ہے گو یا دونوں ہی ایک قسم کا جوا کھیل رہے ہوتے ہیں غرض یہ کہ زندگی کا بیمہ کروانا، شرک، سود اور جوئے جیسے کبیرہ گناہ میں ملوث ہو کر اپنی آخرت خراب کرنے کے لیے کافی ہے۔

فضول دلیل: بیمہ کرنے اور کروانے والے کی دلیل یہی ہوتی ہے کہ حکم تو یہ ہے کہ اپنے اہل اعیال کے لیے مستقبل کا بھی بندوبست کرنا چاہیے۔اس لیے اگر اس طرح تھوڑا مال میسر آ جاتا ہے تو کیا برائی ہے۔

سوال یہ ہے کہ شرک، سود اور جوئے میں ملوث ہو کر مال حرام کا بندوبست کرنا، دنیا اور آخرت کے لیے کونسی عقلمندی ہے۔ایسا مال ان تمام افراد کے لیے جو اس میں ملوث ہیں یا اس کو استعمال کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں

وبال جان ثابت ہوگا۔اس لیے ہم کو اس حرام کام سے بچ کر عمل صالح کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

(9)غیر مسلموں کی ثقافت اور رسومات اپنانا: ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ہماری ثقافت اور تمام رسومات ہمارے دین کا حصہ ہیں۔یعنی جو بھی رسم یا ثقافت کے نام پر ہم تقریب منعقد کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات اور سنت کے مطابق ہونا لازم ہے، نہیں تو گمراہی اور گناہ ہے۔قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلموں کے تہوار، رسومات کی نقل کرنا حرام ہے۔

اب اگر ہم اپنے معاشرے اور خاندانوں میں دیکھیں تو مثلاً نکاح جیسی رسم جو سنّت ہے اس میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوؤں کی لغو اور بے ہودہ رسومات (جیسے نکاح کی محفل منگنی، بری، جہیز وغیرہ) کو مناتے ہیں اور بے دریغ لاکھوں روپے اس میں خرچ کر دیتے ہیں۔حالانکہ اس سلسلے میں مستند حدیث ہے کہ:

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے مبارک نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ کیا جائے (البیہقی اور مشکوٰۃ شریف)

عموماً ایسی شادیاں جن کے نکاح میں یہ فضول رسومات منائی جاتی ہیں اس میں اپنی نفسانی خواہشات اور خاندان کے افراد کی تسکین کے لیے خوب مال بھی خرچ کیا جاتا ہے وہ اس دنیا میں بہت مبارک بھی نظر آتی ہیں۔دولہا دلہن خوشحالی کی زندگی گزارتے ہیں۔مال اولاد کی نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ عطا کر دیتے ہیں۔بہت پرسکون اور محبت والی زندگی بسر ہو جاتی ہے۔مگر جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہنچیں گے تو یہی نکاح وبال جان بن جائیں گے۔کتنی نیکیاں حبط کر لی جائیں گیں اور کتنے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔آخرت میں ایسے نکاح اور رسومات مبارک نہیں ہونگے کیونکہ ادا کرنے والے نے نکاح جیسی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ادا کی مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا نہیں کی۔اللہ تعالیٰ بہت حلیم اور درگزر کرنے والے ہیں۔گناہوں اور نافرمانیوں پر فوراً نہیں پکڑ لیتے اور مہلت دیتے رہتے ہیں کہ ہم سچی توبہ کر کے اپنے **''اعمال صالح''** کر لیں تا کہ آخرت میں وہ مقبول ومبروک ہو جائیں۔

ایک اور مستند حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ''نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں کرو''

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے۔نکاح میں سادگی اختیار کرنے کی بہت تاکید ہے:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تو اتنی سادگی سے اپنا نکاح کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدعو بھی نہیں کیا۔

حدیث ملاحظہ ہو:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جسم پر (صفرہ) خوشبو کا نشان دیکھا تو فرمایا'': یہ کیا ہے؟''انہوں نے کہا: میں نے ایک عورت سے سونے کا سکہ نواۃ مہر مقرر کر کے شادی کی ہے۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس نکاح میں برکت فرمائے۔ ولیمہ ضرور کرنا چاہے ایک بکری کے ساتھ ہی ہو۔(حدیث سنائی نسائی:3374)

نکاح میں جب دونوں فریقین سادگی اختیار کرتے ہیں اور نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا میں صالح زندگی اور صالح اولاد عطا کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اجر عطا کر کے ان کا نکاح مبارک فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعدد نکاح فرمائے۔اپنی صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن کے نکاح کیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نکاح فرمائے۔کسی نے کبھی اس قسم کی لغو، فضول اور بے جا اسراف والی رسومات نہیں کیں۔اللہ تعالیٰ ہم کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم نکاح کی رسومات اپنے دین کے احکامات اور سنت کی مطابق ادا کریں (آمین)

اس ہی طرح ہندوؤں اور عیسائیوں کی درجنوں رسومات ہم نے اپنائی ہوئی ہیں۔تیجہ، چالیسواں، برسی اور پیدائش کی سالگرہ، شادی کی سالگرہ، یوم وفات وغیرہ پھر مختلف دن منانا جیسے Valentine day، Father day، Halloween، Motherday وغیرہ...... پھر بہت سے مسلمان تو مذہبی ہم آہنگی کے پرچار کے لیے دیوالی، ہولی اور دسہرا وغیرہ بھی ہندوؤں کے ساتھ منا لیتے ہیں، یہ سب گناہ ہیں۔جو لوگ ان میں شرکت کر کے ان گناہوں کو فروغ دیتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہوگا۔رسومات تو درکنار، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو غیر مسلموں کی عبادات کی نقل کرنے سے بھی منع فرمایا خواہ وہ ان کے دور اور شریعت کے مطابق کیوں نہ ہوں۔

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور

دیکھا کہ یہودی دس محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اُن سے پوچھا: یہ دن کون سا ہے، جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ بڑا مبارک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دلائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کا روزہ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہاری بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ حقدار ہوں، پھر آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی صادر فرمایا۔ (مسند احمد حدیث: 3905)

''جس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا اور ہمیں بھی اس کے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ ایسا دن ہے کہ یہود و نصاریٰ اس دن کے تعظیم کرتے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگلے سال ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے، (تا کہ ان کی نقل نہ ہو) لیکن آئندہ سال نہیں آیا کہ آپ ﷺ وفات فرما گئے۔ (حدیث صحیح۔ ابوداؤد :2446)

اس لیے جو مسلمان 10 محرم کا نفلی روزہ رکھنا چاہیں ان کے لیے حکم ہے کہ وہ 9 اور 10 محرم کا روزہ رکھیں یا 10 اور 11 محرم کا روزہ رکھیں تا کہ یہودیوں کی نقل نہ ہو جائے۔

(10) تمام اہل کتاب/مشرکوں سے نکاح کر لینا: جس وقت قرآن کا نزول ہو رہا تھا اور دین ابھی تکمیل تک نہیں پہنچا تھا اس وقت جو مسلمان ہو جاتا تھا اس کے لیے ان اہل کتاب سے (یعنی یہودی اور نصرانی) سے نکاح کی اجازت تھی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی شریعتوں پر عمل پیرا تھے اور شرک جیسے گناہ کے مرتکب نہیں تھے۔ جب دین اسلام کی تکمیل ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا نفاذ ہو گیا تو تمام پہلی شریعتیں منسوخ کر دی گئیں۔ اب قیامت تک کے لیے ہر انسان کو قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننا ہے اور محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ﷺ تسلیم کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق یہ زندگی گزارنی ہے۔ اس لیے پچھلے تمام اہل کتاب کا دین اللہ تعالیٰ کو اب قابل قبول نہیں ہے۔ یہودی اور نصرانی ابھی بھی اپنی تحریف شدہ شریعت پر قائم ہیں۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور اس ہی طرح نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ دونوں ہی مشرک ہیں۔ اس ہی طرح ہندو اور دوسرے مذاہب کے لوگ جو شرک میں مبتلا ہیں وہ سب مشرک ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہی سورۃ بقراء آیت 221 اتری جس میں واضح الفاظ میں مشرکوں سے نکاح کرنے سے منع کردیا گیا اور اب یہ حکم قیامت تک کے لیے مسلمانوں پر نافذ عمل ہے۔

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲۲۱)

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱)

(تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے)۔

''مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کرلیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کردے۔ عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کرلیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کردے۔ نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے، ایک تو مال، دوسرے حسب نسب، تیسرے جمال و خوبصورتی، چوتھے دین، تم دینداری ٹٹولو۔ مسلم شریف

میں ہے کہ دنیا کل کی کل ایک متاع ہے متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ، نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لیے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لیے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو چاہئے حبشی غلام ہو، پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ [1]

اس ہی طرح سورۃ الممتحنہ آیت 10 میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم یہاں تک آ گیا کہ اگر مکے سے ہجرت کر کے کوئی عورت مدینہ منورہ آ جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائیگا اور اس کا امتحان لیا جائے گا کہ واقعی وہ دین اسلام کو قبول کر چکی ہے اور مسلمان ہوگئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو مسلمانوں کو پھر اس سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

O يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورۃ الممتحنۃ آیت ۱۰)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) جانچ پڑتال کر لو، اور ان کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ان کے کافر شوہروں نے جو مہر اُن کو دیے تھے وہ انہیں پھیر دو اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم اُن کے مہر اُن کو ادا کر دو اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے

درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے)۔

''اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور اپنے مومن ہونے کا اظہار کریں، ان سے پوچھ گچھ کر کے اطمینان کرلو وہ واقعی ایمان لے کر آئی ہیں، اور جب اس کا اطمینان ہو جائے تو ان کو واپس نہ کرو۔ چنانچہ اس ارشاد الٰہی پر عمل درآمد کرنے کے لیے جو قاعدہ بنایا گیا وہ یہ تھا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں ان سے پوچھا جاتا تھا کہ وہ اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتی ہیں اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر نکل کر آئی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ شوہر سے بگڑ کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی ہوں؟ یا ہمارے ہاں کے کسی مرد کی محبت ان کو لے آئی ہو؟ یا کوئی اور دنیوی غرض ان کے اس فعل کی محرک ہوئی ہو؟ ان سوالات کا اطمینان بخش جواب جو عورتیں دے دیتی تھیں صرف ان کو روک لیا جاتا تھا، باقی سب کو واپس کر دیا جاتا تھا۔ (ابن جریر بحوالہ ابن عباس، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن زید) مطلب یہ واضح ہے کہ کافر شوہروں کو ان کے جو مہر واپس کیے جائیں گے وہی ان عورتوں کے مہر شمار نہ ہوں گے، بلکہ اب جو مسلمان بھی ان میں سے کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے وہ اس کا مہر ادا کرے اور اس سے نکاح کر لے۔'' [8]

پھر سورۃ نور آیت 3۔ اللہ نے ایک اور اصول کی طرف نشاندہی کروادی ہے۔

- اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ النور آیت ۳)

(زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر)۔

- ''یعنی الزانی لا ینکح الخ ایک ایسا حکم ہے جس کی بنیاد اکثری عادت پر رکھی گئی ہے اور اس کا مقصد مؤمنین کو زنا سے روکنے کے بعد اس بات سے بھی روکنا ہے کہ وہ زانیہ عورتوں سے نکاح کریں کیونکہ فاسق فاجر زانی آدمی کو پاکدامن عورتوں سے نکاح کی رغبت نہیں ہوتی بلکہ وہ عموماً اپنی جیسی فاسق وفاجر یا مشرک عورت میں ہی رغبت رکھتا ہے۔ اس طرح فاسقہ فاجرہ اور زانیہ سے نکاح کی عموماً نیکوکار مردوں کو رغبت نہیں ہوتی بلکہ اس سے نکاح کی رغبت عموماً اسی جیسی فاسق وفاجر یا مشرک مردوں کو ہی ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا کلام کی نظیر عربوں کا یہ مقولہ ہے ''لا یفعل الخیر الا تقی''

(کیونکہ یہ بھی اکثری عادت پر مبنی ہے کہ بھلائی کے کام عموماً متقی آدمی ہی کرتا ہے)۔‘‘[6]

عموماً انسان اپنی ہم فطرت اور عادات والے انسان کی تلاش میں رہتا ہے اور اس کے ساتھ خوش اور مطمئن رہتا ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر، باز با باز

اب اگر کوئی مسلمان لڑکا یا لڑکی کسی مشرکہ یا مشرک سے شادی کرلیتا ہے تو اس کا نکاح جائز نہیں ہے۔ وہ زنا کے گناہ میں ملوث ہوگا/ ہوگی اور اگر اولاد ہوگئی تو وہ بھی ناجائز اور حرام ہوگی۔ اس لیے ایسے نکاح کو فسخ کرکے سچی توبہ کرنی چاہیے۔

(11) ماں باپ کی خدمت نہ کرنا یا ان کو بڑھاپے میں تنہا چھوڑ دینا: مغربی تہذیب کی یہ گناہ کی روش ہمارے مسلمان معاشروں میں بھی سرائیت کرچکی ہے۔ مغرب میں تو جوں ہی لڑکا یا لڑکی جوان ہوجاتی ہے اس کو یہ حق اور اختیار دیا گیا ہے کہ اپنے والدین کو چھوڑ کر اپنے کسی غیر جنس یا ہم جنس کے ساتھ اکیلے جیسا چاہے زندگی گزارے۔ اس صورت میں والدین کا بنیادی اخراجات حکومت یا انشورنس برداشت کریگی یا پھر ان کو بڑھاپے کے گھروں کے مرکز میں منتقل کردیا جائیگا۔ جہاں وہ زندگی کے آخری دن گززاریں گے۔ ان کے لیے اس طرح کا انتظام کرنا اولاد کے لیے حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً:

○ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (سورۃ بنی اسرآئیل آیت ۲۳)

(تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو)۔

○ وَ اخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ؕ (سورۃ بنی اسرآئیل آیت ۲۴)

(اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح اِنہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا'')۔

○ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِيۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا (سورۃ بنی اسرآئیل آیت ۲۵)

(تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویے کی طرف پلٹ آئیں)۔

''والدین کی اطاعت وخدمت کے فضائل روایات حدیث میں:۔

(1) مسند احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم میں بسند صحیح حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کردو (مظہری)

(2) اور جامع ترمذی ومستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں۔

(3) ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابوامامہؓ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لیجاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں۔

(4) **بیہقی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے** کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو خدمت گذار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا

ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کرے، آپ نے فرمایا کہ ''ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا) اللہ تعالیٰ بڑا ہے، (اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی)۔ والدین کی حق تلفی کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے:۔

(5) بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت ابی بکرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اور سب گناہوں کی سزا، تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں قیامت تک مؤخر کر دیتے ہیں۔ بجز والدین کی حق تلفی اور نافرمانی کے کہ اس کی سزا، آخرت سے پہلے دنیا میں بھی دیجاتی ہے (یہ سب روایات تفسیر مظہری سے نقل کی گئی ہیں)۔

مسئلہ:۔ والدین کے ساتھ جو حسن سلوک کا حکم قرآن و حدیث میں آیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی تھی ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے خصوصاً ان کی وفات کے بعد صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''باپ کے ساتھ بڑا سلوک یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور حضرت ابو اسید بدری رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا تھا ایک انصاری شخص آیا اور سوال کیا یا رسول اللہ ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کا کوئی حق میرے ذمہ باقی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ ان کے لیے دعا اور استغفار کرنا اور جو عہد انہوں نے کسی سے کیا تھا اس کو پورا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا اور ان کے ایسے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا جن کا رشتہ قرابت صرف انہیں کے واسطے سے ہے۔ والدین کے یہ حقوق ہیں جو ان کے بعد بھی تمہارے ذمہ باقی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق ادا کرنا مقصود تھا''۔ [3]

عموماً پڑھے لکھے گھرانوں میں ہوتا یوں ہے کہ جب تک اولاد کم عمر ہوتی ہے اور ماں باپ پر انحصار کر رہی ہوتی ہے وہ ان کے پاس ہوتی ہے۔ جوں جوں اولاد کسی قابل ہو جاتی ہے اور اس کی شادی کر دی جاتی ہے وہ گھر الگ کر کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا اکثر بیٹے باہر کے ملکوں

میں جا کر ملازمت یا وہاں کے قومیت اختیار کر لیتے ہیں اور ایک پر سکون زندگی اس دنیا کی آسائیشوں کے ساتھ گزارنے لگتے ہیں۔ پھر ایک ایسا طرز زندگی اپنا لیتے ہیں جس سے کم پر سمجھوتا کرنا ان کی اپنی فیملی کے لیے ناممکن ہو جاتا۔ کبھی کبھی سالوں میں مختصر وقت کے لیے والدین سے ملنے آجاتے ہیں یا کچھ رقم کا یا خدمت گاروں کا بندوبست کر کے والدین کو بڑھاپے میں اکیلے زندگی گزارنے کا واحد راستہ متعین کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی رشتہ دار یا بیٹی والدین کے قریب رہائش پذیر ہے تو وہ کبھی کبھی آ کر ان کا حال واحول دریافت کرتے رہتے ہیں، اور اس طرح بڑھاپے میں ان کی ایک اذیت ناک داستاں مرتب ہوتی رہتی ہے۔ اب جو اولاد اس دنیا کی زندگی کو اپنی آسائیشوں کی خاطر آخرت پر قربان نہیں کرتی اس کے لیے سخت ترین وعید کی حدیث ہے جو حدیث جبرائیلؑ کہلاتی ہے:

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تین بددعائیں:۔ جبرائیل علیہ السلام کی تین بددعائیں اور رسول ﷺ کا اس پر آمین کہنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول ﷺ منبر لانے کا حکم دیا، جب آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا۔ آمین۔ پھر دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین! پھر تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین! خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لانے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آج آپ ﷺ سے ایسی بات سنی جو اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ رسول اللہ نے فرمایا جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا جس نے رمضان کا پورا مہینہ پایا اور وہ اپنے گناہ نہ بخشوا سکا تو وہ دوزخ میں داخل ہوا اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا آپ ﷺ اس پر آمین کہیں میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا: جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک بڑھاپے کی عمر کو پہنچے اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے تو وہ بھی دوزخ میں داخل ہوا اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا آپ ﷺ اس پر بھی آمین کہیں، میں نے کہا آمین پھر جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا: جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور وہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دورد شریف نہ بھیجے تو وہ دوزخ میں داخل ہوا اور اللہ کی رحمت سے دور ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس پر بھی آمین کہیں، میں نے کہا آمین ۔ (صحیح ابن حبان 915۔حسن ،صحیح الترغیب 1679۔صحیح ،شعب الایمان للبیھقی 3343 حسن)

یہاں غور فرمائیں کہ جو بددعا تمام فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیلؑ کر رہے ہیں اور جس پر آمین دونوں جہانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہہ رہے ہیں اس کے قبول ہونے میں کیا کوئی شک ہوسکتا ہے؟ ایک دوسری حدیث مبارکہ میں تو یہاں تک ہے کہ اولاد کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ پہلے اپنے ماں باپ کا پیٹ بھرے پھر اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا...... چاہے بچے بھوک سے تڑپ ہی کیوں نہ رہے ہوں۔اب ہر ایک اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لے کہ جو بھی فیصلے وہ کر رہا ہے وہ اس دنیا کی آزمائیشوں میں آخرت کے لیے کس قدر کامیابی کے ضامن ہیں۔حقوق اللہ اور حقوق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حقوق والدین ادا کرنا ہر ایک پر فرض ہے۔ والدین کے حقوق پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔قرآن شریف میں متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی سخت تاکید ہے۔

(12) رشتہ داروں سے تعلق توڑنا:

یہ گناہ ہمارے معاشرے میں بہت عام ہوتا جا رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر یا بدگمانیوں کے سبب رشتے توڑ دیئے جاتے ہیں اور پھر اولادوں کو ملوث کر کے یہ رنجشیں نسل در نسل چلائی جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے مگر انا اور تکبر کے باعث خاندان میں فساد کو ختم کرنے کے بجائے اس کو مزید طول دینے اور بڑھانے کے جتن کیے جاتے ہیں۔اور اس ہی کو اپنی فخریہ کامیابی سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ فساد میں ملوث کوئی بھی ہو اس کے لیے دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ذلت اور ناکامیابی ہے۔قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بار ہا رشتوں کو جوڑنے اور فساد سے پاک ایک معاشرہ قائم کرنے کی مسلسل تاکید آئی ہے۔

- **قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید:**۔آیت میں والدین کے بعد عام ذدی القربی یعنی تمام رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید آئی ہے،قرآن کریم کی ایک جامع اور مشہور آیت میں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر اپنے خطبات کے آخر میں تلاوت فرمایا کرتے تھے،اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

○ وَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ﴿۳۶﴾ (سورۃالنساءآیت ۳۶)

(اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے)۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی ۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں سب کے ساتھ انصاف اور حسنِ سلوک کا اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا جس میں رشتہ داروں کی حسبِ استطاعت مالی اور جانی خدمت بھی داخل ہے، اور ان سے ملاقات وخبر گیری بھی۔

حضرت سلمان ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ عام مسکینوں فقیروں کو دینے میں تو صرف صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور اگر اپنے ذی رحم رشتہ دار کو دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں، ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا، یعنی رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا۔ (مسند احمد، نسائی، ترمذی)

آیت مذکورہ میں اول والدین کے حقوق کی تاکید فرمائی پھر عام رشتہ داروں کی۔

یتیم اور مسکین کا حق:۔ تیسرے نمبر میں ارشاد فرمایا: وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ، یتیموں اور مساکین کے حقوق کا مفصل بیان اگر چہ شروع سورت میں آچکا ہے مگر اس کی یاددہانی رشتہ داروں کے ضمن میں فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ لاوارث بچوں اور بیکس لوگوں کی امداد واعانت کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھیں جیسا اپنے رشتہ داروں کے لیے کرتے ہیں۔

پڑوسی کا حق:۔ چوتھے نمبر میں ارشاد فرمایا، وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی اور پانچویں نمبر میں وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ، جار

کے معنی پڑوسی کے ہیں، اس آیت میں اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک جار ذی القربیٰ، دوسرے جار جنب، ان دو قسموں کی تفسیر وتشریح میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہیں:۔

عام مفسرین نے فرمایا کہ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد وہ پڑوسی ہے جو تمہارے مکان کے متصل رہتا ہے۔اور جَارِ جُنُبِ سے وہ پڑوسی مراد ہے جو تمہارے مکان سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی سے وہ شخص مراد جو پڑوسی بھی ہے اور رشتہ دار بھی، اس طرح اس میں دو حق جمع ہو گئے اور جَارِ جُنُبِ سے مراد وہ ہے جو صرف پڑوسی ہے رشتہ دار نہیں، اس لیے اس کا درجہ پہلے سے مؤخر رکھا گیا۔

O اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (سورۃ النحل آیت ۹۰)

(اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو)۔

''تیسری چیز جس کا اِس آیت میں حکم دیا گیا ہے، صلہ رحمی ہے جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریکِ حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی و مددگار بنے۔ بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہے کہ ہر صاحبِ استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔شریعتِ الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اس کے خاندان میں اس کے بھائی روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔وہ خاندان کو معاشرے کا ایک اہم عنصرِ ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوشحال افراد پر ہے، پھر دوسروں پر ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔اور ہر خاندان کے خوشحال افراد پر پہلا حق ان کے اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے،

پھر دوسروں کے حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں۔ یہی بات ہے کہ جس کو نبی ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین، اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں۔ پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو ان کے بھی بعد قریب تر ہوں۔ اور یہی اصول ہے جس کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں۔ اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے کا واحد (Unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی وبلندی پیدا ہو جائے گی۔'' [8]

O وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲) (سورۃ النور آیت ۲۲)

(تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے)۔

''امام ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ فرماتے ہیں: یہ قسم نہ اٹھاؤ کہ تم کسی پر خرچ نہ کرو گے۔
امام ابن منذر رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فرماتی ہیں: کہ مسطح ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے مجھ پہ تہمت لگائی تھی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق کا قریبی رشتہ دار تھا۔ وہ آپ کی ہی زیر کفالت تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اسے کبھی بھی کوئی چیز عطا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے

اس آیت کو نازل فرمایا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے پھر اپنی کفالت میں لے لیا اور کہا میں کوئی قسم بھی نہیں اٹھاتا۔پھر میں اس کے غیر کوئی بہتر خیال کرتا ہوں تو اسے توڑ دیتا ہوں اور وہ کام کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔'' [4]

آخرت میں اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کا معاملہ اس کے دوسرے بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور اس دنیا میں اس کے معاملات کے ساتھ ہی موقوف کیا ہوا ہے۔یعنی اس دنیا میں اگر ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معاف کردیں گے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ہمارے گناہ معاف فرمادیں گے۔اگر ہم دوسروں کے گناہوں کی پردہ پوشی کریں گے تو آخرت میں ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کردی جائیگی۔ یہاں دنیا میں ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد کریں گے تو آخرت کے سخت مقامات پر ہماری مدد کردی جائیگی۔اگر ہم رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے اور ان کے حقوق ادا کریں گے تو دنیا اور آخرت میں ہمیں فلاح نصیب ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حق دار ہونگے۔

O فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ الروم آیت ۳۸)

(پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین ومسافر کو (اُس کا حق) یہ طریقہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں)۔

''**صلہ رحمہ کی تاکید:۔** (آیت 38-40) قرابتداروں کے ساتھ نیکی، سلوک اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔مکسین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو یا کچھ ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو۔اس کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔مسافر جس کا خرچ کم پڑ گیا ہو اور سفر خرچ پاس نہ رہا ہو۔اس کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن دیدار الٰہی کریں۔حقیقت میں انسان کے لیے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔دنیا اور آخرت میں نجات ایسے ہی لوگوں کو ملے گی''۔ [1]

اس ہی طرح اگر کسی بندے سے کوئی گناہ یا عبادات میں کوتاہی ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے کہ میرے دوسروں بندوں کو اس کا کفّارہ ادا کرو۔زکوٰۃ لینے کے بھی سب سے پہلے مستحق رشتہ دار ہی حق دار ہیں۔

جھوٹ، چغل خوری، بدگمانی یا غیبت وغیرہ جیسے بڑے گناہ میں معاشرے اور خاندانوں کے افراد میں فساد، بغض اور کینہ کی بنیاد بنتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان لوگوں کے لیے سخت وعید بیان کی ہے جو رشتہ داروں سے حسن سلوک نہیں کرتے یا رشتہ توڑ دیتے ہیں:

بسا اوقات رشتہ داروں کے حقوق سے لاعلمی یا علم ہونے کے باوجود دوسروں کی مشکلات اور تکالیف کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی نفس پرستی یا اپنے بیوی بچوں کی خواہشات کو ان پر ترجیح دینے کے سبب سے ہی خاندان اور گھروں میں فساد برپا ہوتے ہیں۔ تمام رشتے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ جس رشتے کے مقام پر جس کو رکھا گیا ہے۔ وہ اس کے مقام سے آگے چھلانگیں نہ مارے۔ فساد برپا کرنے والا یا فساد میں مزید طول دینا والے سب ہی برابر کے گناہ گار ہیں۔ قرآن حکیم تو فساد میں صلح کرانے کی ہدایت دیتا ہے۔

○ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (۹) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۠ (۱۰)

(سورۃ حجرات، آیت ۹، ۱۰)

(اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (9) مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا)۔

حدیث مبارکہ میں تو یہ بھی ہے کہ اپنے والدین کے رشتہ دار تو کیا ان کے دوستوں تک کا خیال رکھو۔ والدین کے گزرنے کے بعد ان کی خیر خیریت بھی دریافت کرتے رہو۔ یہاں تک ہے کہ والد کے گزر جانے کے بعد اس پودے کو بھی تم پانی ڈالو جس میں تمہارے والد پانی ڈالتے تھے۔ ان تمام حقائق کو جان لینے کے

بعد ہم اپنے رویئے اور اعمال دیکھ لیں کہ ہمارے اعمال صالح ہیں یا غیر صالح!!

یہ تو وہ چند گناہ کبیرہ ہیں جو ہمارے معاشرے میں پھیل چکے ہیں اور ان کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ ان کے علاوہ درجنوں اور گناہ کبیرہ ہیں جو ہمارے معاشرے میں عام ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے جہل اور تکبر کی وجہ سے ان گناہوں میں ملوث رہتے ہیں اور عقیدہ یہ بنالیا ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں زندگی گزارنے کے لیے ان گناہوں سے بچنا ناممکن ہے۔ حالانکہ قرآن اور حدیث میں تو یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے اور دنیا ترقی پر ترقی کرتی چلی جائے تو بعض احکامات سے انحراف اختیار کر لینا یا نرمی اور ڈھیل کی گنجائش نکال کر ان سے مستثنیٰ ہو جانا۔ برائی اور گناہ کی کثرت اگر کسی معاشرے میں پھیل جائے تو وہ تو اس گناہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پاک اور قابل عمل نہیں بنا دیتی۔ نیکی اور گناہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے یہی بات اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ آیت 100 اور سورۃ انفال آیت 37 میں بیان فرمائی ہے کہ نیک لوگوں اور گناہ گاروں کی الگ الگ ڈھیریاں بنائی جائینگی اور پھر گناہ گاروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

O قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۱۰۰)

(اے پیغمبر ﷺ! اِن سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی)۔

''اس جگہ لفظ خبیث اور طیب میں اپنے عموم کے اعتبار سے حرام وحلال مال و دولت بھی شامل ہے، اور اچھے بُرے انسانوں کو بھی اور بھلے برے اعمال و اخلاق بھی۔ مطلب آیت کا واضح ہے کہ کسی عقل سلیم کے نزدیک نیک و بد اور بھلا بُرا برابر نہیں ہوتا۔ اسی فطری قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال وحرام یا پاک و ناپاک چیزیں برابر نہیں اسی طرح اچھے اور برے اعمال و اخلاق برابر نہیں، اسی طرح نیک و بد انسان برابر نہیں۔

آگے ارشاد فرمایا: وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ، یعنی اگرچہ دیکھنے والوں کو بعض اوقات خراب اور خبیث چیزوں کی کثرت مرعوب کر دیتی ہے اور گرد و پیش میں خبیث و خراب چیزوں کے پھیل جانے اور غالب آجانے کے سبب انہیں کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں، مگر یہ انسانی علم و شعور کی بیماری اور احساس کا قصور ہوتا

ہے۔'' [3]

O لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۳۷)

(سورۃ الانفال آیت ۳۷)

(تاکہ اللہ گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ کر الگ کرے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کرے پھر اس پلندے کو جہنم میں جھونک دے یہی لوگ اصلی دیوالیے ہیں)۔

''امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے کہ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ کی تفسیر میں حضرت شہر بن عطیہ نے کہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں الگ کردے گا جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کے لیے اعمال صالحہ کیے۔ پھر ساری کی ساری دنیا کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے حضرت ابن زید رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہیں نے کہا فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان تمام کو جمع کرے گا۔'' [4]

ہر ایک انسان خاص کر مسلمان ہر ساعت، ہر گھڑی ہر دور اور ہر مقام پر اس بدلتے ہوئے وقت معاشرے اور حالات میں مسلسل ایک آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر حالات اور وقت ہر ایک کے موافق عطا کر دیئے جائیں تو پھر آزمائش کیسی؟؟ مگر ہوتا یوں ہے کہ ہم اپنی حماقت کم عقلی اور دین کے علم سے دوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حلم اور غفوریت پر مغرور ہو کر نافرمانیاں اور سرکشی کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جواب بے صبری اور نفس پرستی کے باعث دیئے گئے حالات میں گناہ اور ناشکری سے دیتے ہیں یہی سب سے بڑا دھوکا اور غرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کو لے کر دوسری صفات سے منہ پھیر لیا جائے۔

ایک اور بہت اہم نقطہ جس کی وضاحت کی ضرورت ہے اور جس کی لاعلمی کی وجہ سے ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی (خاص کر پڑھے لکھے مسلمانوں کی) موت کے بعد کے مراحل اور کیفیات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس ہی وجہ سے اکثر یہ سوالات کئے جاتے ہیں کہ:

O قبر تو اتنی تنگ ہوتی ہے وہاں مردہ کیسا اٹھ کر بیٹھ جائیگا، منکر نکیر آ جائیں گیں۔ سوال و جواب ہونگے، قبر (اللہ نہ کرے) اور بہت تنگ کر دی جائیگی۔ اور قبر میں کیسے عذاب ہوگا یا قبر کیسے جنت کا ایک گوشہ بنا دی جائیگی۔

O قیامت میں کیسے تمام لوگ سیکڑوں سال تک رب العالمین کے انتظار میں کھڑے رہیں گے۔ گناہوں کے بوجھ اور گھبراہٹ کی وجہ سے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا۔ کسی کا گھٹنوں اور کمر تک ہوگا۔ کسی کا گلے تک ہوگا۔

O جہنم میں لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں اور کیسے مسلسل جلتے رہیں گے مگر ان کو موت نہیں آئیگی۔

موت کے وقت ہر مرنے والے کو فرشتے نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔ آسمان کے دروازے کھل جائیں گیں اور مرنے والے کی روح کو فرشتے اوپر لے جائیں گیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

O جنت کی آسائشوں اور انعامات پر بھی شک وشبہات اٹھائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ کوئی جنّتی جب کسی پرندے کو جنت میں اڑتا ہوا دیکھے گا تو اگر اُس کو اس پرندے کا گوشت کھانے کی خواہش ہوگی اور وہ پرندہ اس کے سامنے گرے گا۔ اس کا بھنا ہوا گوشت اس کے سامنے پیش ہو جائیگا۔ جب وہ دل بھر کر اس کو کھالے گا تو پرندے کی ہڈیوں پر پھر گوشت چڑھے گا۔ اس کے پھر پر لگ جائیں گیں اور وہ پھر اڑ کر چلا جائیگا۔ تو یہ سب کیسے ممکن ہوگا؟

O جب جنت میں آکسیجن وغیرہ نہیں ہوگی تو ہم زندہ کیسے رہیں گے اور پھل وغیرہ کیسے اُگے گیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہت سے انسانوں اور خاص کر مسلمانوں کو ایمان بالغیب لانے اور عمل صالح کرنے میں جو چیز مانع ہے وہ اس میں اسی قسم کے بے شمار شکوک ہیں۔

ان کا جواب بہت آسان ہے۔ ہم کو اس کائنات کے مختلف عالموں (Worlds) کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کی کچھ وضاحت آگے بیان کی گئی ہے۔

باب-9

کائنات کے مختلف عالم (Worlds)

اس دنیا کی زمین جہاں ہم انسان بستے ہیں وہ انسانوں کا ایک عالم ہے۔ یہاں کے اصول اور قدرت کے قوانین انسانوں کی زندگی، بقا، نشوونما اور ارتقاء کے لیے موزوں بنائے گئے ہیں۔ پھر اس دنیا کے اندر اور اطراف بھی سیکڑوں اور عالم ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی مختلف مخلوق بستی ہے اور زندگی گزارتی ہے۔ جیسے جنا توں کا ایک عالم ہے۔ وہ اپنے عالم میں کیسے زندگی گزارتے ہیں۔ کیسے سانس لیتے ہیں۔ کیسے شادی بیاہ کرتے ہیں۔ کیسے رہائش اختیار کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اس کا ہم کو علم نہیں۔ اس ہی طرح پانی میں بسنے والی مخلوقات، شجر ، حجر، پودوں کا اپنا عالم ہے پھر درندے، چرند پرند، کیڑے مکوڑوں سب کے مختلف عالم ہیں۔ پہاڑ، بادل، ہوا اور بارش وغیرہ اپنے عطا کئے ہوئے عالم میں کاربند ہیں۔ اس ہی طرح فرشتوں کا ایک عالم ہے۔ پھر عالم ارواح ہے یعنی روحوں کا عالمِ بطنِ مادر کا ایک عالم ہے جس میں بچہ پرورش پاتا ہے، سیاروں اور ستاروں کے عالم ہیں۔ عالم برزخ ہے۔ پھر جنت اور جہنم اپنے الگ الگ عالم میں ہیں۔ اس ہی طرح آخرت اور قیامت کا ایک عالم ہوگا......وغیرہ......وغیرہ......غرض یہ کہ اس کائنات میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں عالم ہیں۔

علماء کرام نے ایک محتاط اندازے کے مطابق کم وبیش 82,000 عالموں کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے علاوہ رب العالمین کی کائنات میں اور مزید کتنے عالم ہیں اس کا ہم کو علم نہیں ہے۔ نہ ہی ایک عالم کے اصول اور قوانین کا کسی دوسرے عالم کو ادراک اور سمجھ ہے۔ مثال کے طور پر اس کو سمجھنے کے لیے یوں تصور کریں کہ پانی کی کوئی مخلوق (مچھلی) نکل کر آتی ہے اور ہم اس سے گفتگو کرتے ہیں۔ ہم اس کو بتاتے ہیں کہ ہم انسانوں کے عالم میں رہتے ہیں۔ ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ آگ پر کھانا پکاتے ہیں۔ اپنے گھر بناتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، راستے بناتے ہیں سفر کے مختلف ذرائع ہمارے پاس ہیں، گھروں میں بجلی ہوتی ہے۔ A/C ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ وہ مخلوق کہے گی کیا باتیں کررہے ہیں یہ کیسے ممکن ہے ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ ہم تو پانی میں سانس لیتے ہیں اس میں ہی زندگی گزارتے ہیں ہمارا اپنا نظام زندگی ہے۔ تو جس طرح اس پانی کے عالم میں رہنے والی مخلوق کو ہمارے عالم کا قطعی کوئی

ادراک نہیں اس ہی طرح ہم انسانوں کو دوسرے عالموں کا علم نہیں۔ ہمیں ان کو سمجھنے میں یقین اور مشکل اس لیے ہوتی ہے کہ اپنے اس دنیا کے عالم اور اس کے اصول اور قوانین کو دوسرے عالموں پر قیاس کر لیتے ہیں۔

جب کسی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے تو وہ مرنے کے بعد اس دنیا کے عالم سے عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے وہاں کے حدود و قیود اصول و قوانین مختلف ہیں۔ وہاں نہ کسی کشش ثقل کی قید ہے نہ ہی ہمارے حواس خمسہ کی حساسیت اس دنیا کے عالم سے مشروط ہے۔ برزخ کی زندگی اس دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان ایک آڑ ہے۔ برزخ کی زندگی کے بعد پھر قیامت کی زندگی ہے جس میں تمام انسان دوبارہ ایک نئی زندگی کے ساتھ جی کر اٹھیں گیں۔ اور اس کے بعد پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یا تو جنت کی زندگی یا پھر (اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے) ہمیشہ کے لیے جہنم کی زندگی ہے۔ یہ زندگی کبھی فنا نہیں ہوگی۔ صرف اس زندگی کی نوع، قسم اور انداز بدلتے رہیں گے۔ اس ہی حقیقت کو علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

ے قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

(یعنی یہ دنیا کی ہماری زندگی سمندر میں بننے والے ایک بلبلے کی مانند ہے جو چند لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے اور یہ مختصر زندگی ہمارے لیے ایک امتحان ہے کہ ہم اس میں کیا عمل کرتے ہیں۔ گویا یہ دنیا ہمارے لیے دار الامتحان ہے اور آخرت کی زندگی دار الجزا ہے)

ے تو اسے پیمانہ امروز و فرد اسے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

(یعنی اس دنیا میں دن رات کے گزرنے اور ان کو شمار کرنے سے اس زندگی کی عمر کا تعین نہ کریں یہ زندگی تو ہمیشہ کے لیے رواں دواں اور جواں سال بنا دی گئی ہے۔ اس لیے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ قرآن حمید اور احادیث مبارکہ میں ہماری اس موت کے بعد کے واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں ان کو حق جانیں تا کہ اعمال کی درستگی ہو سکے۔

باب-10

"اختتامی کلمات"

ہم مسلمان یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات قیامت تک قابل عمل ہیں اور ان میں کوئی تحریف تبدیلی یا لچک ممکن نہیں ہے۔مگر ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی ان احکامات کو نظر انداز کر کے بڑے بڑے گناہ کبیرہ (جیسے رشوت، سود، زنا، حرام کاری، فحاشی، حق تلفیاں، جھوٹ، بدعنوانی وغیرہ وغیرہ) میں ملوث رہتے ہیں اور دن رات عبادات میں مشغول رہ کر یہ اطمینان کر بیٹھ لیتے ہیں کہ چند جسمانی اور مالی عبادات (جیسے نماز، روزہ، حج، عمرہ، ذکر، وظائف، زکاۃ، خیرات وغیرہ وغیرہ) ان کے یہ بڑے بڑے گناہ معاف کروانے کے لیے کافی ہیں۔ حالانکہ ایسا ہے نہیں۔قرآن اور حدیث میں کہیں نہیں اس کی تسلی دی گئی کہ یہ چند عبادات کرتے رہو تو عذاب سے بچ کر سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عذاب سے بچنے کے لیے اور جنت کے حصول کے واسطے اولین شرط "صالح عمل" کرنے کی ہے گویا ہر ایک مسلمان کو اپنی دی گئی استطاعت، استعدات اور وسائل کو حتیٰ الامکان بروے کار لا کر گناہ کبیرہ سے بچنا اور عمل صالح کرنا لازم ہے۔مگر جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوگا نا کہ صرف عمل صالح کی بنا پر۔

پھر یہ حقیقت بھی سمجھ لیں کہ آخرت میں حساب و کتاب، سزا و جزا کے فیصلے صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی ہونگے۔ دھریئے، منافقوں، کافر اور مشرکوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر متعدد بار یہ فرمایا ہے کہ "یہ لوگ اگر بغیر توبہ کے اور اسلام لائے بغیر مر گئے تو جہنم میں جائیں گے اور ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے"۔ان کی نیکیوں اور محنت کا صلہ تو ان کو راحت، سکون اور آسائیشیں دے کر دنیا میں ہی دے دیا گیا۔ مال و دولت، عیش و ترفہ ان کو یہاں نصیب ہو چکا۔اس لیے آخرت میں کافر، مشرکوں، منافقوں اور گناہ گار مسلمانوں کے غلط عقائد، دعوئے اور سارے طنطنے خاک ہو جائیں گے، اور ساری طمطراق اور افراء پروازیاں کھو جائیں گیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑا متقی پریز گار مسلمان ہو، کوئی اللہ کا ولی ہو تمام مسلمان گناہ گار اور خطاء کار ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور پیغمبروں کے کہ وہ سب گناہوں سے پاک رکھے جاتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں۔تو پھر ہم گناہ گاروں کو فلاح کیسے نصیب ہوگی؟ اس کا جواب سچی توبہ کر لینے میں ہے۔

سچی توبہ(توبتہً نصوحا)

اب جب ہم لوگ گناہ گار ہیں اور عطا کردہ اس زندگی کی بے شمار ساعتوں اور لمحات میں بڑے بڑے گناہ کر بیٹھتے ہیں تو پھر ہمارے لیے نجات کی کیا راہ ہے؟۔ یاد رکھیں نہ تو اللہ تعالیٰ ظالم ہیں اور نہ ہی کسی بندے کو جہنم میں ڈالنے کا ان کا ارادہ ہوتا ہے۔ وہ نہایت رحیم و کریم اور اپنے بندوں سے بہت محبت کرنے والے ہیں اس لیے ہر ایک کی نجات کے لیے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے موت کی سختی آنے سے قبل سچی توبہ کر لیں اور پھر باقی ماندہ زندگی عمل صالح کرنے میں گزار دیں۔ سچی توبہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سورۃ التحریم میں بھی فرمایا ہے۔

O يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۃ التحریم آیت ۸)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبی کو اور اُن لوگوں جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب، ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)۔

”تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا توبہ کے لفظی معنے لوٹنے اور رجوع ہونے کے ہیں، مراد گناہوں سے لوٹنا۔ اور اصطلاحِ قرآن وسنت میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور آئندہ اس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت۔ (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں اُن کی قضاء

(۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم اور (۶) یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ (مظہری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جو شرائط توبہ بیان فرمائی ہیں وہ سبھی کے نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر بعض نے مفصل بیان کر دی ہیں۔'' [3]

''توبہ کے سلسلہ میں چند امور اور بھی ہیں جنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اول یہ کہ توبہ درحقیقت کسی معصیت پر اس لیے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ ورنہ کسی گناہ سے اس لیے پرہیز کا عہد کر لینا کہ وہ مثلاً صحت کے لیے نقصان دہ ہے، یا کسی بدنامی کا، یا مالی نقصان کا موجب ہے، توبہ کی تعریف میں نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ جس وقت آدمی کو احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے تو اسی وقت اسے توبہ کرنی چاہیے اور جس شکل میں بھی ممکن ہو بلا تاخیر اس کی تلافی کر دینی چاہیے، اُسے ٹالنا مناسب نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار اسے توڑتے چلے جانا اور توبہ کو کھیل بنا لینا اور اُسی گناہ کا بار بار اعادہ کرنا جس سے توبہ کی گئی ہو، توبہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ توبہ کی اصل روح گناہ پر شرمساری ہے، اور بار بار کی توبہ کشنی اس بات کی علامت ہے کہ اس کے پیچھے کوئی شرمساری موجود نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے یہ عزم کر چکا ہو کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا، اس سے اگر بشری کمزوری کی بنا پر اسی گناہ کا اعادہ ہو جائے تو پچھلا گناہ تازہ نہ ہوگا، البتہ اسے بعد والے گناہ پر پھر توجہ کرنی چاہیے اور زیادی سختی کے ساتھ عزم کرنا چاہئے کہ آئندہ توبہ شکنی کا مرتکب نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ ہر مرتبہ جب معصیت یاد آئے، توبہ کی تجدید کرنا لازم نہیں ہے، لیکن اگر اس کا نفس اپنی سابق گناہ گارانہ زندگی کی یاد سے لطف لے رہا ہو تو بار بار توبہ کرنی چاہیے یہاں تک کہ گناہوں کی یاد اس کے لیے لذت کے بجائے شرمساری کی موجب بن جائے۔ اس لیے کہ جس شخص نے فی الواقع خدا کے خوف کی بنا پر معصیت سے توبہ کی ہو وہ اس خیال سے لذت نہیں لے سکتا کہ وہ خدا کی نافرمانی کرتا رہا ہے۔ اس سے لذت لینا اس بات کی علامت ہے کہ خدا کے خوف نے اس کے دل میں جڑ نہیں پکڑی ہے۔'' [8]

سچے دل کی توبہ یہی ہے کہ اس گناہ کا دوبارہ دل میں خیال تک نہ آئے جس سے توبہ کی گئی ہے۔ پھر سچی

توبہ ادا کرنے کا طریقہ یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے دو رکعت نماز ادا کریں اور سجدے میں جا کر اپنے گناہوں کو یاد کر کے، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی طلب کریں اور جو شرائط اوپر بیان کی گئی ہیں ان پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ایسی توبہ یقیناً قبول فرماتے ہیں۔ سورۃ فرقان میں تو یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی سچی توبہ کر کے پھر صحیح عقیدے کے ساتھ ایمان لے آئے اور عمل صالح کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اتنے مہربان ہیں کہ اس کے پچھلے گناہ نہ صرف معاف فرما دیتے ہیں بلکہ پچھلی خطاؤں اور گناہوں کو بھی نیکی اور بھلائیوں میں بدل دیتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

O اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا O وَ مَنۡ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًاO (سورۃ الفرقان آیت ۷۰، ۷۱)

(الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے (70) جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے)۔

پھر سورۃ نجم کی آیت 32 میں فرمایا گیا کہ اگر ہم سچی توبہ کر کے بڑے بڑے گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتے رہیں تو چھوٹے گناہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت بہت وسیع ہے۔ وہ ہماری استطاعت اور وسائل سے بخوبی آگاہ ہیں۔

O اَلَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِكُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّةٌ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿سورۃ النجم، آیت: ۳۲﴾

(جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں، الا یہ کہ کچھ قصور اُن سے سرزد ہو جائے بلاشبہ تیرے رب کا دامن مغفرت بہت وسیع ہے وہ تمھیں اُس وقت سے خوب جانتا ہے جب اُس نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی کون ہے)۔

اس کے علاوہ قرآن مجید اور آحادیث میں متعدد مقامات پہ توبہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

''اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے چچا ہیں، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر، جب وہ بندہ اس کی طرف توبہ کرتا ہے، توتم میں سے کسی ایسے شخص کی نسبت کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک بے آب و گیاہ صحرا میں اپنی سواری پر سفر کر رہا تھا تو وہ سواری (اونٹنی) اس کے ہاتھ سے نکل کر گم ہو گئی، اس کا کھانا اور پانی اسی سواری پر تھا۔ وہ اس کے ملنے سے مایوس ہو گیا تو ایک درخت کے پاس آیا اور اس کے سائے میں لیٹ گیا۔ وہ اپنی سواری سے ناامید ہو چکا تھا اور موت کا منتظر تھا۔ وہ اسی عالم میں تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس کھڑی ہے، اس نے اس کو نکیل کی رسی سے پکڑ لی، پھر بے پناہ خوشی کی شدت میں کہہ بیٹھا، اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر گیا۔'' (حدیث صحیح نمبر: 6960)

اس سے معلوم ہوا کہ سچی توبہ کرنے والے سے رب العالمین کس قدر خوش ہوتے ہیں اور اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرنے کے مراحل تک پہنچنے کے لیے اور پھر توبہ پر قائم رہنے کے لیے جن افعال کی اولاً ضرورت ہے وہ مختصراً یوں بیان کیے گئے ہیں۔

دین کا صحیح علم حاصل کرنا:

توبہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ پہلے گناہوں (نیکی اور بدی) کا علم ہو۔ اگر صحیح علم نہیں ہے تو کوئی بھی اپنی غلطی یا گناہ کا اعتراف نہیں کرے گا۔ اس کی اصلاح ممکن نہیں ہے اور توبہ تک نوبت نہیں پہنچے گی۔ غلط اور باطل عقائد بھی توبہ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ بنے رہتے ہیں اس لیے علم حق کی معرفت ہی صحیح عقیدے کی ضامن ہے۔ شرعی طور پر علم، عمل پر مقدم ہے کیونکہ علم پہلے ہوتا ہے عمل بعد میں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ علم امام ہے اور عمل اس کا مقتدی، اس ہی لیے قرآن حکیم میں بھی بارہا علم حاصل کرنے کی ترغیب کی گئی ہے اور فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس سے ڈرنے والے وہی ہیں جو علم رکھتے ہیں (سورۃ فاطر آیت 28) پھر صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی بہتری چاہتے ہیں اس کو علم عطا فرماتے ہیں۔ حدیث ترمذی بھی اس ہی بات پر دلالت کرتی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس

سے عمل کراتا ہے۔ اللہ کے رسول سے پوچھا گیا کہ کیسے عمل کراتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''موت سے پہلے اسے ''عمل صالح'' کی توفیق دیتا ہے۔ (حدیث ترمذی)

پھر علم کے بغیر عمل کرنا اصلاح سے زیادہ فساد کا سبب بنتا ہے۔ اس ہی لیے عالم کو عابد پر فوقیت ہے۔ آخرت میں علم کے بابت ضرور سوال ہوگا (خاص کر پڑھے لکھے مسلمانوں سے) کہ دین کا کیا علم حاصل کیا اور اس پر کتنا عمل کیا؟ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ:

(1-1) قرآن مجید کو صحیح تجوید اور قرأت کے ساتھ پڑھنا سیکھیں۔

(1-2) قرآن حمید کو کسی معتبر عالم کے صحیح ترجمے کے ساتھ پڑھیں اور اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور احکامات پر عمل کریں۔

(1-3) مستند احادیث کی کتابوں کا ذخیرہ کریں اور مختلف موضوعات پر حوالہ لے کر ان سے استفادہ حاصل کریں۔

(1-4) مقبول اور معروف قرآن کی تفاسیر کا مطالعہ کریں۔

(1-5) سیرت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے بارے میں پڑھیں اور ان سے سبق حاصل کریں۔

(1-6) علماء کرام نے جو فہرست گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مرتب کی ہے اس سے آگاہی حاصل کریں اور قرآن کریم میں جہاں بھی کوئی آیت یاایھا الذین آمنو...... سے شروع ہوتی ہے اس طرف خاص توجہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ہم ایمان لانے والوں کو کیا احکامات دے رہے ہیں۔

(1-7) آج کے دور کے علماءِ سُو نے جو تاویلیں گناہوں کو جائز قرار دینے کے لیے دی ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول ﷺ کی احادیث کے علم سے موازنہ کر کے ان پہ قطعی یقین نہ کریں۔

(1-8) اپنے اہل واعیال کے ساتھ قرآن وحدیث کا مذاکرہ کریں اور تبلیغ علم کا فریضہ انجام دیں۔ نیز یہ کہ عبادات کے ارکان کو سیکھے اور سیکھائیں تا کہ عبادات ساقط نہ ہوں۔ گناہوں سے سچی توبہ کر لینے کے بعد اور اس پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ:

(1-9) نیکوکار لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے اور جن بری صحبتوں کے ساتھ پہلے اٹھنا بیٹھنا رہا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے۔

(1-10) مستند علماء کرام کی مجالس اور ان کے دروس سے مستقل استفادہ حاصل کیا جائے تا کہ دین کے علم اور

ایمان میں مسلسل اضافہ ہو۔ کیونکہ اگر ایمان کامل ہے تو اس کا اثر بندوں کے اعمال و احوال میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

(1-11) روزانہ رات کو سونے سے قبل خود اپنا احتساب کریں کہ دن بھر کیا کیا نکیاں کی اور کون کون سے گناہ سرزد ہو گئے۔ اور پھر فوراً گناہوں سے سچی توبہ کرنے کی عادت ڈالیں۔

(1-12) تبلیغ دین اور اقامت دین کا فریضہ انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی توبہ کر کے عمل صالح کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ آخرت میں سارا لین دین صرف اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ المدثر کی آیت 38 میں پہلے فرمایا گیا کہ ہر جان اپنے اعمال کے عوض رھن رکھی ہوئی ہے۔ اپنے صالح اعمال کی پونجی دے کر ہر ایک آخرت میں اپنے آپ کو جہنم سے بچا سکتا ہے۔

O كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۔ (سورۃ المدثر آیت ۳۸)

(ہر متنفس، اپنے کسب کے بدلے رہن ہے)۔

''انسان اور خدا کے درمیان معاملہ کی نوعیت کو یہاں اسی صورت معاملہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ خدا نے انسان کو جو سروسامان، جو طاقتیں اور صلاحیتیں اور جو اختیارات دنیا میں عطا کیے ہیں وہ گویا ایک قرض ہے جو مالک نے اپنے بندے کو دیا ہے، اور اس قرض کی ضمانت کے طور پر بندے کا نفس خدا کے پاس رہن ہے۔ بندہ اس سروسامان اور ان قوتوں اور اختیارات کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے اگر وہ نیکیاں کمائے جن سے یہ قرض ادا ہو سکتا ہو تو وہ شئے فائدہ مند ہوگی، یعنی اپنے نفس کو چھڑا لے گا، ورنہ اسے ضبط کر لیا جائے گا''۔ [8]

اب جب ہم کو قرآن حمید اور احادیث رسول ﷺ کے ذریعہ اعمال صالح کی تعریف اور اہمیت کا بخوبی علم ہو گیا ہے تو لازم ہے کہ اپنی فلاح کے لیے سچی توبہ کر کے اپنے اعمال درست کر لیں۔ ورنہ انفرادی طور پر ہی گمراہی کسی معاشرے کی اجتماعی لادینیت اور تباہی کا سبب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صراط مستقیم سے ہر دور میں بہت معمولی زوایہ کی تبدیلی رفتہ رفتہ 1400 سال میں ہم کو دین کے سیدھے راستے سے اتنا دور لے آئی ہے کہ صراط مستقیم ہم کو نظر بھی نہیں آتی اور ہم اپنے غلط عقائیدوں میں بھٹک رہے ہیں جہاں اعمال صالح سے آگاہی کم اور اس کی اہمیت نظر انداز کر کے ہم نے صرف چند عبادات اور وظائف کو ہی فلاح کا ضامن سمجھ رکھا ہے۔

ہم مسلمانوں کے معاشرے کا حال زار کا مشاہدہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ 1400 سال قبل قائم کئے ہوئے اسلامی معاشرے سے موازنہ کیا جائے۔ جب قرآن کریم کا پورا نزول ہو چکا، دین کی تکمیل اس کے مطابق ہوگئی اور اس زمین پر شریعت کا نفاذ ہوگیا اور یہ مصدقہ حقیقت عملاً ثابت کر دی گئی کہ رہتی دنیا تک ہر ماحول میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پابندی کرنا ممکن اور نافذ عمل ہے۔ اب تصور کریں کہ اُس دور کے اسلامی معاشرے کی کوئی مسلمان ہستی ہمارے معاشرے کا مشاہدہ کرنے آجاتی ہے (جو کہ حقیقتاً ممکن تو نہیں ہے مگر تمثیلاً بیان کیا جا رہا ہے) وہ ہمارے گھروں اور خاندانوں میں ہمارے شب و روز کے معاملات اور ہمارے بازاروں کا چکر لگاتی ہے جہاں محرم اور نامحرم کا تصور ختم ہو چکا ہے، بے پردگی ہے، عریانی، حق تلفی اور جھوٹ کا بازار گرم ہے۔ ہماری عدالتوں کا معائنہ کرتی ہے کہ وہاں انصاف کے فیصلے کون سے قانون کے مطابق اور کس طور سے کیے جا رہے ہیں۔ ہماری شادی بیاہ کی مختلف مخلوط رسومات اور ہمارے دیگر ثقافتی رسومات کا جائزہ لیتی ہے۔ ہمارے مختلف آفسوں کا دورہ کرتی ہے جہاں بدعنوانی، رشوت، سود، بے پردگی اور جنسی استحصال وغیرہ کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ ہمارے طرز عبادات پر غور کرتی ہے جس میں قبر پرستی، بدعات، غلو اور دیگر شرکیہ اعمال شامل ہیں۔ ہمارے حکمرانوں وزیروں اور مشیروں کی حکومت چلانے کے لیے ان کی دینی اور دنیاوی قابلیت صلاحیت اور فرض شناسی، ان کا مقصد کار اور ٹھاٹ باٹ کا جائزہ لیتی ہے، بعض نام نہاد دین کے عالموں سی ملتی ہے جو مفاد پرست کافروں اور مشرکوں کی سرپرستی میں دین کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور لاعلم عوام الناس میں لادینیت پھیلا رہے ہیں۔ ہمارے گاؤں اور گوٹھوں کا دورہ کرتی ہے اور وہاں اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار کی تباہی دیکھتی ہے۔ اس ہی طرح ہماری زندگی کے دیگر شعبوں کا مشاہدہ کرتی، تو کیا خیال ہے وہ ہم کو بہت شاباشی دیگی یا سخت افسوس اور غیظ و غضب کے ساتھ لوٹے گی۔ ظاہر ہے کوئی ہستی بھی واپس اس دنیا میں آکر اس طرح کا دورہ نہیں کر سکتی۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب دنیا میں واپس آکر ہمارے گناہوں اور گمراہیوں پر تنبہ کر سکتے ہیں۔ مگر ہر وقت یہ حقیقت ہمارے ذہن نشین رہے کہ ان کا اور ہم سب کا رب، ہمارا اللہ ہر ساعت، ہر گھڑی ہمارے درمیان موجود ہے، ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہ ہمارے ایک ایک عمل سے بخوبی واقف ہے۔ اور ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہمیں جانچ رہا ہے۔

O هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ

السَّمَآءِ وَ مَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿﴾ (سورۃ الحدید آیت ۴)

(وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا اُس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو جو کام بھی کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے)۔

بلکہ وہ تو ہر ایک کی شہہ رگ سے بھی قریب ہے۔

﴿﴾ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۚۖ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ﴿﴾ (سورۃ ق آیت ۱۶)

(ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں)۔

لیکن ہم سب کا رب بہت حلم والے ہیں۔ وہ بہت حلیم ہیں، وہ گناہوں پر فوراً نہیں پکڑتے بلکہ اپنے بندوں کو ڈھیل دے کر مہلت عطا فرماتے ہیں کہ بندہ گناہوں کا اعتراف کر کے سچی توبہ کرے اور قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مطابق اپنی یہ زندگی گزارے۔

ویسے تو گناہوں کی نوع اور ان کے مضمرات کی فہرست تو بہت لمبی ہے مگر چند گناہ جن کا ذکر قرآن کریم بھی متعدد بار آیا ہے ان کو سمجھنے کے لیے ان کی تعریف کچھ یوں ہے:

(1) گناہ کبیرہ: اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی حکم کو (یعنی حرام حلال کو) توڑنا گناہ کبیرہ ہے۔ تمام عطا کردہ استطاعت، صلاحیتوں اور وسائل کے باوجود لاعلمی کی وجہ سے یہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔ یہ گناہ صرف سچی توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔

(2) سیاءت: یہ وہ گناہ ہیں جن کا وبال خود پر تو ہوتا ہے مگر دوسروں پر بھی اس کا اثر اور مصیبت پہنچتی ہے۔ جیسے کسی کو قتل کر دینا، کسی پر جھوٹی تہمت یا الزام لگا دینا، کسی کا مال وغیرہ ہڑپ کر لینا، کسی کی عزت لوٹ لینا......وغیرہ وغیرہ

(3) ظلم: یہ وہ گناہ ہیں جس کا وبال اور اثر صرف کرنے والے کے نفس پر ہی ہوتا ہے۔ جیسے فرائض کو چھوڑ

دینا، حرام کھانا، شراب، جوا، سود میں ملوث ہوجانا......وغیرہ......وغیرہ......اس ہی لیے اس گناہ کے ساتھ قرآن حکیم میں ''نفس'' کا لفظ بھی اس کے ساتھ آیا ہے۔

(4) خطیات: یہ وہ صغیرہ گناہ ہیں جو بھولے سے، بے ارادہ سرزد ہو جائیں۔ یہ گناہ نیکی اور عبادات سے ختم ہو جاتے ہیں۔

کوئی عمل گناہ کا کبیرہ ہو یا صغیرہ وہ عمل غیر صالح شمار ہوتا ہے۔ اس کتابچے کے آخر میں قرآن کریم کی ان چند آیات کی ایک فہرست مرتب کر کے منسلک کر دی گئی ہے جو دنیا اور آخرت کی فلاح اور نعمتوں وغیرہ کے حاصل کرنے کے لیے عمل صالح کی شرط کو لازماً قرار دیتی ہیں۔ یعنی انسان کی کامیابیاں صرف درست عقائد، ایمان، سچی توبہ اور عمل صالح پر موقوف ہیں۔

وہ فہرست ضرور دیکھ لی جائے تا کہ عمل صالح (نیک کام) کی اہمیت اور شرط واضح ہو جائے

کسی دانا نے کیا خوب نصیحت کی کہ:

- ''لوگوں تھوڑی سی لذت یا خوشی کی خاطر کوئی گناہ نہ کر بیٹھنا۔ لذت اور خوشی تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیگی مگر گناہ آخرت تک جائیگا۔

اس ہی طرح تھوڑی سے تکلیف یا مشقت اٹھانے کی خاطر کسی نیکی کو نہ چھوڑ دینا کیونکہ تکلیف اور مشقت تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیگی مگر نیکی آخرت تک جائیگی''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عطا کردہ استطاعت، استعدات، وسائل اور حیثیت کے مطابق ''عمل صالح'' کرنا کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائے (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

''اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔''

***

باب-11

قرآن مجید سے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے حوالہ جات

ترجمہ	سورۃ	نمبر
اوران لوگوں کوخوشخبری دے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب انہیں وہاں کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے ملا تھا اور انہیں ہم شکل پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے۔	وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (سورۃ البقرہ:۲۵)	1
جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابئی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور صالح عمل بھی کرے تو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں موجود ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرہ:۶۲)	2
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے وہی بہشتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔	وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (سورۃ البقرہ:۸۲)	3
جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے تو ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرہ:۲۷۷)	4
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ان کا حق پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔	وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ آل عمران:۵۷)	5
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان کے لیے وہاں ستھری عورتیں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔	وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (سورۃ النساء ۵۷)	6
اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں ہم باغوں میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے۔	وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (سورۃ النساء ۱۲۲)	7

8	وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (سورۃ النساء ۱۲۴)	اور جو کوئی اچھے کام کرے گا مرد ہے یا عورت درآنحالیکہ وہ ایماندار ہوتو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ظلم نہیں کیے جائیں گے
9	فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (سورۃ النساء ۱۷۳)	پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کیے ہوں گے انہیں تو ان کا پورا ثواب دے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور تکبر کیا انہیں درد دینے والا عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے واسطے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔
10	وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (سورۃ المائدہ ۹)	اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک کام کرتے ہیں بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔
11	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ المائدہ ۶۹)	بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابئی اور نصاریٰ جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور نیک کام کیے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
12	لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۧ (سورۃ المائدہ ۹۳)	جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو پہلے کھا چکے جب کہ آئندہ کو پرہیزگار ہوئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کیے پھر پرہیزگار رہے اور نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
13	وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ الانعام ۵۴)	اور ہماری آیتوں کو ماننے والے جب تیرے پاس آئیں تو کہہ دو کہ تم پر سلام ہے تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت لازم کی ہے جو تم میں سے ناواقفیت سے برائی کرے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک ہوجائے تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔
14	اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (سورۃ یونس ۴)	تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ہوگا اور ان کے کفر کے سبب سے دردناک عذاب ہوگا۔

15	اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ (سورۃ یونس ۹)	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انہیں ان کا رب ان کے ایمان کے سبب ہدایت کرے گا ان کے نیچے نعمت کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔
16	اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّاَجۡرٌ کَبِیۡرٌ (سورۃ ھود ۱۱)	مگر جو لوگ صابر ہیں اور نیکیاں کرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔
17	اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ (سورۃ ھود ۲۳)	البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی وہ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
18	وَاُدۡخِلَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ تَحِیَّتُہُمۡ فِیۡہَا سَلٰمٌ (سورۃ ابراھیم ۲۳)	اور جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک کام کیے تھے وہ باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے آپس میں دعائے خیر ان کی سلام ہوگی۔
19	مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَجۡرَہُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (سورۃ النحل ۹۷)	جس نے نیک کام کیا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو ہم اُسے ضرور اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور اُن کا حق انہیں بدلے میں دیں گے اُنکے اچھے کاموں کے عوض میں جو کرتے تھے۔
20	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا (سورۃ الکھف ۳۰)	یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔
21	وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ (سورۃ الکھف ۸۸)	ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لئے تو بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کا حکم دیں گے۔
22	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (سورۃ الکھف ۱۰۷)	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لئے الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔
23	فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا (سورۃ الکھف ۱۱۰)	تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔
24	إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ (سورۃ مریم ۶۰)	بجز ان کے جو توبہ کرلیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔
25	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (سورۃ مریم ۹۶)	بیشک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کردے گا۔

26	وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ (سورۃ طٰہٰ ۷۵)	اور جو اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں۔
27	وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (سورۃ طٰہٰ ۸۲)	البتہ جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے، اُس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔
28	وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (سورۃ طٰہٰ ۱۱۲)	اور کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہ ہوگا اُس شخص کو جو نیک عمل کرے اور اِس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو۔
29	فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ (سورۃ الانبیآ ۹۴)	پھر جو نیک عمل کرے گا، اِس حال میں کہ وہ مومن ہو، تو اس کے کام کی نا قدری نہ ہوگی، اور اُسے ہم لکھ رہے ہیں۔
30	إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (سورۃ الحج ۱۴)	اِس کے برعکس) اللہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے
31	إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (سورۃ الحج ۲۳)	(دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اُن کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔
32	يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورۃ المومنون ۵۱)	اے پیغمبرو، کھاؤ پاک چیزیں اور عمل کرو صالح، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، میں اس کو خوب جانتا ہوں۔
33	يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورۃ المومنون ۵۱)	اے پیغمبرو، کھاؤ پاک چیزیں اور عمل کرو صالح، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، میں اس کو خوب جانتا ہوں۔
34	لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (سورۃ المومنون ۱۰۰)	امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا ہرگز نہیں، یہ بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے اب اِن سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک۔
35	وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (سورۃ النور ۵۵)	اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

36	إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (سورۃ الفرقان ۷۰)	الّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے
37	وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (سورۃ الفرقان ۷۱)	جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے (71)
38	إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ (سورۃ الشعراء ۲۲۷)	بجز اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا، اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دو چار ہوتے ہیں (227)
39	فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (سورۃ النمل ۱۹)	سلیمانؑ اس کی بات پر مُسکراتے ہوئے ہنس پڑا اور بولا ''اے میرے رب، مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عمل صالح کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر''۔
40	فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ (سورۃ القصص ۶۷)	البتہ جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے وہی یہ توقع کر سکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔
41	وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ (سورۃ القصص ۸۰)	مگر جو لوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے ''افسوس تمہارے حال پر، اللہ کا ثواب بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو''۔
42	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورۃ العنکبوت ۷)	اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے اُن کی برائیاں ہم ان سے دُور کر دیں گے اور انہیں اُن کے بہترین اعمال کی جزا دیں گے۔
43	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (سورۃ العنکبوت ۹)	اور جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے اُن کو ہم ضرور صالحین میں داخل کریں گے۔
44	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (سورۃ العنکبوت ۵۸)	جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔
45	فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ (سورۃ الروم ۱۵)	جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایک باغ میں شاداں و فرحاں رکھے جائیں گے (15)

46	لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (سورة الروم ۴۵)	تا کہ اللہ ایمان لانے والوں اور عملِ صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے یقیناً وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔
47	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ (سورة لقمان ۸)	البتہ جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، اُن کے لیے نعمت بھری جنتیں ہیں (8)
48	وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿۱۲﴾ (سورة السجدة ۱۲)	کاش تم دیکھو وہ وقت جب یہ مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے (اُس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے) ”اے ہمارے رب، ہم نے خوب دیکھ لیا اور سُن لیا اب ہمیں واپس بھیج دے تا کہ ہم نیک عمل کریں، ہمیں اب یقین آ گیا ہے۔“
49	أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورة السجدة ۱۹)	جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے لیے تو جنتوں کی قیام گاہیں ہیں، ضیافت کے طور پر اُن کے اعمال کے بدلے میں (19)
50	وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا (سورة الاحزاب ۳۱)	اور تم میں سے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے (31)
51	لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورة سبا ۴)	اور یہ قیامت اس لئے آئے گی کہ جزا دے اللہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے ہیں اُن کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم (4)
52	أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (سورة سبا ۱۱)	اس ہدایت کے ساتھ کہ زرہیں بنا اور ان کے حلقے ٹھیک اندازے پر رکھ (اے آل داؤدؑ) نیک عمل کرو، جو کچھ تم کرتے ہو اُس کو میں دیکھ رہا ہوں (11)
53	وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ (سورة سبا ۳۷)	یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے یہی لوگ ہیں جن کے لیے اُن کے عمل کی دہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔
54	الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (سورة فاطر ۷)	جو لوگ کفر کریں گے اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے اُن کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

55	وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ (سورۃ فاطر ۳۷)	وہ وہاں چیخ چیخ کر کہیں گے کہ "اے ہمارے رب، ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں اُن اعمال سے مختلف جو پہلے ﷺ کرتے رہے تھے" (انہیں جواب دیا جائے گا) "کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا؟ اور تمہارے پاس متنبہ کرنے والا بھی آ چکا تھا اب مزا چکھو ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔
56	قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (سورۃ صٓ ۲۴)	داؤدؑ نے جواب دیا: اِس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا، اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں، بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں، اور ایسے لوگ کم ہی ہیں" (یہ بات کہتے کہتے) داؤدؑ سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے، چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔
57	أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (سورۃ صٓ ۲۸)	کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اور اُن کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں؟
58	وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ (سورۃ المؤمن ۵۸)	اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اندھا اور بینا یکساں ہو جائے اور ایماندار و صالح اور بدکار برابر ٹھیریں مگر تم لوگ کم ہی کچھ سمجھتے ہو۔
59	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (سورۃ حٰم السجدۃ ۸)	رہے وہ لوگ جنہوں نے مان لیا اور نیک اعمال کیے، اُن کے لیے یقیناً ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔
60	وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (سورۃ حٰم السجدۃ ۳۳)	اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔
61	مَّنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (سورۃ حٰم السجدۃ ۴۶)	جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے اچھا کرے گا، جو بدی کرے گا اس کا وبال اُسی پر ہو گا، اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔

62	تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ ۖ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (سورۃ الشوریٰ ۲۲)	تم دیکھو گے کہ یہ ظالم اُس وقت اپنے کیے کے انجام سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر آ کر رہے گا بخلاف اِس کے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ جنت کے گلستانوں میں ہوں گے، جو کچھ بھی وہ چاہیں گے اپنے رب کے ہاں پائیں گے، یہی بڑا فضل ہے۔
63	ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ (سورۃ الشوریٰ ۲۳)	یہ ہے وہ چیز جس کی خوش خبری اللہ اپنے اُن بندوں کو دیتا ہے جنہوں نے مان لیا اور نیک عمل کیے اے نبیؐ، اِن لوگوں سے کہہ دو کہ میں اِس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں جو کوئی بھلائی کمائے گا ہم اس کے لیے اس بھلائی میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور قدردان ہے۔
64	وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ (سورۃ الشوریٰ ۲۶)	وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے رہے انکار کرنے والے، تو ان کے لیے دردناک سزا ہے۔
65	مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ (سورۃ الجاثیۃ ۱۵)	جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا، اور جو برائی کرے گا وہ آپ ہی اس کا خمیازہ بھگتے گا پھر جانا تو سب کو اپنے رب ہی کی طرف ہے۔
66	أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (سورۃ الجاثیۃ ۲۱)	کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم اُنہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ایک جیسا کر دیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ بہت بُرے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں۔
67	فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ (سورۃ الجاثیۃ ۳۰)	پھر جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہی صریح کامیابی ہے۔

68	وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ (سورۃ الاحقاف ۱۵)	ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اُس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا، اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوگیا تو اس نے کہا ''اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں، اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو، اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سُکھ دے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں''۔
69	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (سورۃ محمد ۲)	اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اُس چیز کو مان لیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی ہے اور ہے وہ سراسر حق اُن کے رب کی طرف سے اللہ نے ان کی برائیاں اُن سے دور کر دیں اور ان کا حال درست کر دیا۔
70	إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (سورۃ محمد ۱۲)	ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ اُن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور کفر کرنے والے بس دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں، جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں، اور اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہے۔
71	مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (سورۃ الفتح ۲۹)	محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں تم جب دیکھو گے اُنہیں رکوع وسجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں اُن کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

72	يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورۃ التغابن ۹)	(اِس کا پتا تمہیں اس روز چل جائے گا) جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا وہ دن ہوگا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا جو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔
73	رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا (سورۃ الطلاق ۱۱)	ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کی صاف صاف ہدایت دینے والی آیات سناتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق رکھا ہے۔
74	إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (سورۃ الانشقاق ۲۵)	البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔
75	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ (سورۃ البروج)	جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، یقیناً اُن کے لیے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ہے بڑی کامیابی
76	إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (سورۃ التین ٦)	سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔
77	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ (سورۃ البینۃ ۷)	جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔
78	إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر ۳)	سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔
79	وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (سورۃ التوبۃ ۱۰۲)	کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے ان کا عمل مخلوط ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد، بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

80	مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (سورة التوبة ۱۲۰)	مدینے کے باشندوں اور گردونواح کے بدویوں کو یہ ہرگز زیبا نہ تھا کہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے اور اس کی طرف سے بے پروا ہو کر اپنے اپنے نفس کی فکر میں لگ جاتے اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں، اور منکرینِ حق کو جو راہ ناگوار ہے اُس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں، اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کا کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عمل صالح نہ لکھا جائے یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا ہے۔
81	وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِن قُلْتَ إِنَّكُم مَّبْعُوثُونَ مِن بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (سورة هود ۷)	اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے اب اگر اے محمدؐ، تم کہتے ہو کہ لوگو، مرنے کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، تو منکرین فوراً بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگری ہے۔
82	قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ (سورة هود ۴۶)	جواب میں ارشاد ہوا "اے نوحؑ، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے، لہٰذا تو اُس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنا لے"۔
83	إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (سورة الكهف ۷)	واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ اِن لوگوں کو آزمائیں اِن میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔
84	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا (سورة الكهف ۳۰)	رہے وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں، تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔
85	قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (سورة الكهف ۱۱۰)	اے محمدؐ، کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔
86	إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (سورة الفرقان ۷۰)	اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

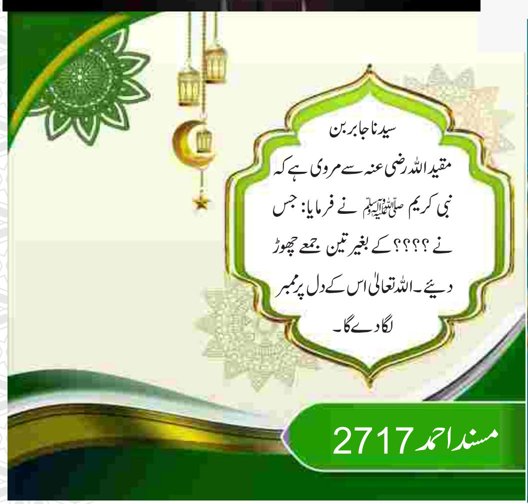
87	مَن كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ (سورۃ فاطر ۱۰)	جو کوئی عزت چاہتا ہو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے اُس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے، اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے رہے وہ لوگ جو بیہودہ چال بازیاں کرتے ہیں، اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر خود ہی غارت ہونے والا ہے۔
88	الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (سورۃ الملک ۲)	جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔
89	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (سورۃ النسآء ۱۲۲)	اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں ہم باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے۔
90	وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا (سورۃ النسآء ۱۲۴)	اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔
91	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورۃ الاعراف ۴۲)	بخلاف اس کے جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کیے ہیں اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھیراتے ہیں وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
92	الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ (سورۃ الرعد ۲۹)	پھر جن لوگوں نے دعوت حق کو مانا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لیے اچھا انجام ہے۔
93	إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا (سورۃ بنی اسرآءیل ۹)	حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔
94	قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا (سورۃ الکھف ۲)	ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب، تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے سخت عذاب سے خبردار کر دے، اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دیدے کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے۔
95	الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ﴿٤٦﴾ (سورۃ الکھف ۴۶)	یہ مال اور یہ اولاد محض دُنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور اُنہی سے اچھی اُمیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

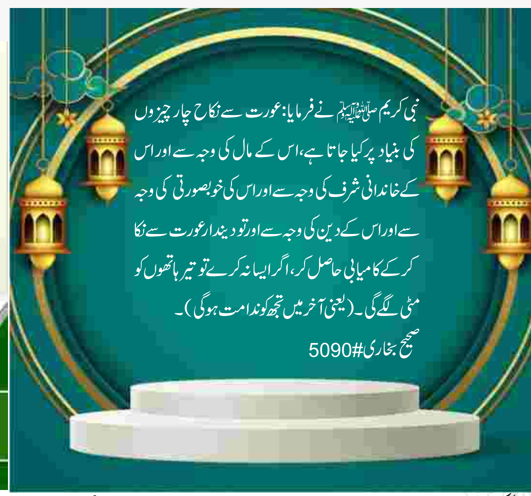
96	وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ (سورۃ مریم76)	اس کے برعکس جو لوگ راہِ راست اختیار کرتے ہیں اللہ ان کو راست روی میں ترقی عطا فرماتا ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک جزا اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔
97	فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورۃ الحج ۵۰)	پھر جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے اُن کے لیے مغفرت ہے اور عزّت کی روزی۔
98	الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (سورۃ الحج ۵۶)	اُس روز بادشاہی اللہ کی ہوگی، اور وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جو ایمان رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے وہ نعمت بھری جنتوں میں جائیں گے۔
99	وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (سورۃ طٰہٰ ۸۲)	البتہ جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے، اُس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔
100	فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ (سورۃ القصص ۶۷)	البتہ جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے وہی یہ توقع کرسکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔
101	إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ (سورۃ سبا ۳۷)	یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے یہی لوگ ہیں جن کے لیے اُن کے عمل کی دہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔
102	وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ (سورۃ التغابن ۹)	(اِس کا پتا تمہیں اس روز چل جائے گا) جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا وہ دن ہوگا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا جو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔
103	لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا (سورۃ المآئدۃ ۹۳)	جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ اُن چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں، پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اُسے مانیں، پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

104	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (سورۃ الاعراف ۴۲)	بخلاف اس کے جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کیے ہیں اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھیراتے ہیں وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
105	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (سورۃ مریم ۹۶)	یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان اُن کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔
106	وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ (سورۃ طٰہٰ ۷۵)	اور جو اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں۔
107	وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (سورۃ طٰہٰ ۱۱۲) طٰہٰ	اور کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہ ہوگا اُس شخص کو جو نیک عمل کرے اور اِس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو۔
108	فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ (سورۃ الانبیآ ۹۴)	پھر جو نیک عمل کرے گا، اس حال میں کہ وہ مومن ہو، تو اس کے کام کی ناقدری نہ ہوگی، اور اُسے ہم لکھ رہے ہیں۔

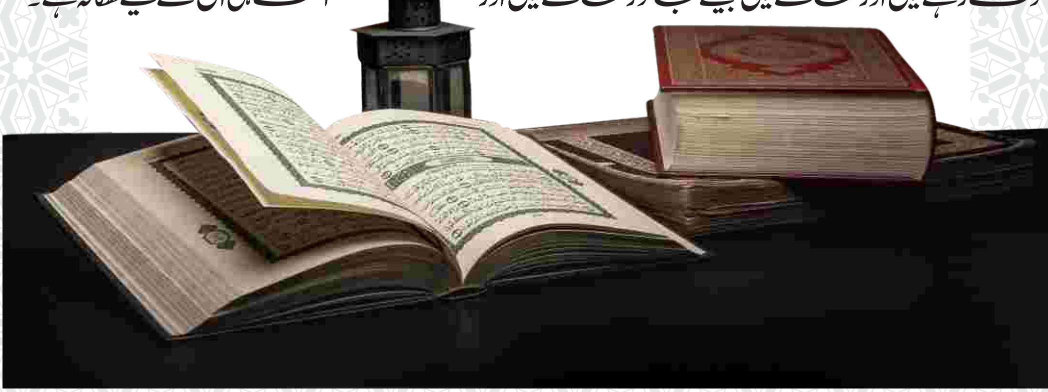








جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ مزے لوٹ رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور آگ ہی ان کے لیے ٹھکانہ ہے۔



○ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰)

(اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو یہ اہل کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا اگرچہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں مگر اِن کے بیشتر افراد نافرمان ہیں)۔

○ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۃ التوبہ۔آیت ۷۱)

(مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے)۔

○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۃ مریم آیت ۹۶)

(ہاں۔ بیشک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، خدائے رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔)۔

○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورۃ فرقان آیت ۷۰)

(اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے)۔

وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچانے کی نیت بہت بڑا گناہ ہے

درسِ حدیث

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةَ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّينَ سَنَةً، ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ

رسول اللہ ﷺ کا فرمان

مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت کرتے ہیں پھر ان کی موت کا وقت آتا ہے اور وہ وصیت کرنے میں (ورثاء کو) نقصان پہنچاتے ہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔

حوالہ: جامع ترمذی. حدیث نمبر: 2117

❋❋❋❋❋

نکاح عفت و پاکدامنی کا ذریعہ ہے

درسِ حدیث

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ -

نبی کریم ﷺ کا فرمان

نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص جماع اور نکاح کے اخراجات کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ شادی کرے، کیونکہ وہ نگاہوں کو نیچا رکھنے اور عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اور جو شخص (عقدِ نکاح کی) استطاعت نہ رکھے تو وہ روزہ رکھے، کیونکہ یہ اس کی شہوت کم کرنے کا باعث ہے۔

حوالہ: صحیح بخاری. حدیث نمبر: 1905

نیکی کے کام میں ثلث مال کی وصیت کرنا مستحب ہے

درسِ حدیث

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ إِنَّ اللهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ اَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں وفات کے وقت اپنے مالوں میں سے ایک تہائی کا صدقہ کر دینے کی اجازت دے دی ہے۔

حوالہ: مسندِ احمد. حدیث نمبر: 6327

❋❋❋❋❋

درسِ حدیث

عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قالَ قَالَ رَسُولُ للهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ

نبی کریم ﷺ کا فرمان

وہ زمین جسے آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہو۔ یا وہ خود بخود نمی سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے اور وہ زمین جسے کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے

حوالہ: صحیح بخاری. حدیث: نمبر: 1483